اسلام کی مظلوم شخصیات

جلد پنجم

تالیف

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی، بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور سنجر پور اعظم گڑھ یوپی

خلیفہ ومجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی وحضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری

ناشر

مکتبہ حبیب الامت

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور سنجر پور اعظم گڑھ یوپی انڈیا

اسلام کی مظلوم شخصیات ۵ حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم مکتبہ حبیب الامت

اسلام کی مظلوم شخصیات (جلد پنجم)

اسلامی تاریخ صرف سلطنتوں، فتوحات اور حکمرانوں کی داستان نہیں، بلکہ حق و باطل کی کشمکش، عدل و استبداد کی آویزش، اور اہلِ حق کی صبر آزما قربانیوں کا بھی روشن باب ہے۔ زیرِ نظر اسلام کی مظلوم شخصیات کی پانچویں جلد سنہ 101ھ تا 180ھ کے اس پُر آشوب دور کا تحقیقی جائزہ پیش کرتی ہے، جس میں خلافتِ بنوامیہ کے آخری ادوار، عباسی انقلاب، اکابر تابعین، اہلِ بیتِ اطہار، ساداتِ علویین، ائمۂ حق اور دیگر مظلوم شخصیات کے حالات مستند تاریخی مآخذ کی روشنی میں جمع کیے گئے ہیں۔ اس کتاب میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے بعد کے سیاسی حالات، بنوامیہ کے زوال، عباسی حکومت کے قیام، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تاریخی مواقف، شہدائے فخ، امام یحییٰ بن عبداللہ، امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ، اور اہلِ بیت وسادات پر ہونے والے مظالم کا علمی، تحقیقی اور متوازن جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ مصنف نے تاریخ الطبری، أنساب الأشراف، الطبقات الکبریٰ، الکامل فی التاریخ، فتوح البلدان، سیر أعلام النبلاء، تاریخ الإسلام، البدایۃ والنہایۃ اور دیگر معتبر مصادر سے استفادہ کرتے ہوئے ہر واقعہ کو حتی المقدور تحقیق، انصاف اور دیانتِ علمی کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب کسی شخصیت، خاندان یا حکومت کی حمایت یا مخالفت کے لیے نہیں، بلکہ تاریخ کے مظلوم کرداروں کو انصاف دلانے، حقائق کو علمی انداز میں محفوظ کرنے، اور قاری میں تحقیق، اعتدال اور حق شناسی کا ذوق پیدا کرنے کی ایک سنجیدہ علمی کاوش ہے۔

MAKTABA HABIBUL UMMAT

Jamia Islamia Darul Uloom

Muhazzabpru, P.o. Sanjarpur, Dist. Azamgargh, U.P. India (Mob: +91 9450546400)

web: www.habibulummat.com

اسلام کی مظلوم شخصیات

جلد پنجم

تالیف

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی، بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور سنجر پور، اعظم گڑھ، یوپی

خلیفہ ومجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی وحضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری

ناشر

مکتبہ حبیب الامت

بجامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور سنجر پور، اعظم گڑھ، یوپی

نام کتاب: اسلام کی مظلوم شخصیات (جلد پنجم)

تالیف: حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

صفحات: 399

تعداد اشاعت: 1100

قیمت: 395

سن شاعت: 1448ھ، مطابق 2026ء

ناشر: مکتبہ حبیب الامت، جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور
پوسٹ سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

ملنے کا پتہ

مکتبہ حبیب الامت

جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی

رابطہ نمبر: 7054136788, 9450546400 91+

بسم الله الرحمن الرحيم

خلاصۂ تصوف
جلد: 1 تا 2
تالیف
حبیب الامت عارف باللہ
خلیفہ ومجاز بیعت
مکتبہ حبیب جامعہ اسلامیہ دار العوام

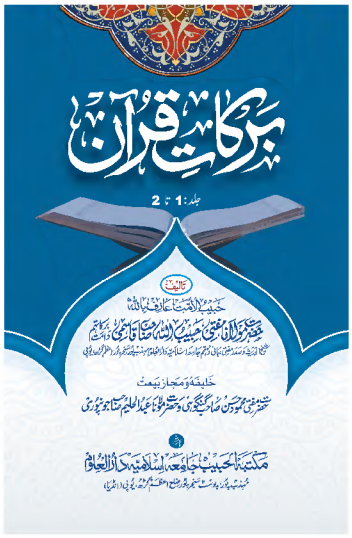
برکات قرآن
جلد: 1 تا 2
تالیف
حبیب الامت عارف باللہ
خلیفہ ومجاز بیعت
مکتبہ حبیب جامعہ اسلامیہ دار العوام

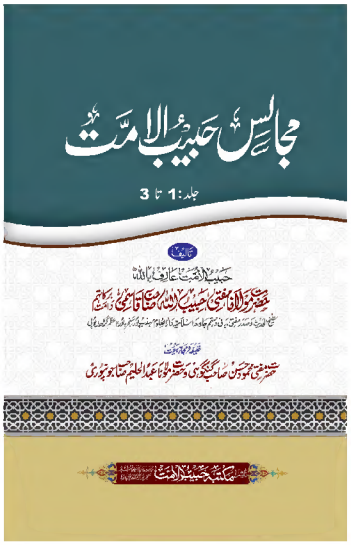
مجالس حبیب الامت
جلد: 1 تا 3
تالیف
حبیب الامت عارف باللہ

حوادث الفتاوی
جدید مسائل اور ان کا حل
جلد: 1 تا 6
تالیف
حبیب الامت عارف باللہ
خلیفہ ومجاز بیعت
مکتبہ حبیب جامعہ اسلامیہ دار العوام

فہرست (اسلام کی مظلوم شخصیات جلد پنجم)

پیش لفظ		13
1-	سنہ 101ھ کے اہم تاریخی واقعات	19
2-	عمر بن عبدالعزیز کی وفات کا تحقیقی جائزہ	22
3-	سنہ 102ھ: سیاسی تغیر، اصلاحی تحریک کی پسپائی اور مظلوم اہلِ حق	25
4-	سنہ 103ھ: خلافتِ یزید بن عبدالملک کا آغاز اور اہلِ عدل کی آزمائش	29
5-	سنہ 103ھ میں وفیاتِ اکابر تابعین	31
6-	سنہ 104ھ: ظلم واستبداد کے خلاف صدائے حق	34
7-	سنہ 104ھ میں وفیاتِ اکابر تابعین	36
8-	سنہ 105ھ: سیاسی اضطراب، فتنۂ خروج اور اہلِ حق کی آزمائش	39
9-	سنہ 105ھ میں وفیاتِ اکابر تابعین	41
10-	سنہ 106ھ: خلافتِ ہشام بن عبدالملک کا آغاز اور اہلِ حق کی آزمائش	44
11-	سنہ 106ھ میں وفیاتِ اکابر تابعین	47
12-	سنہ 107ھ کے اہم واقعات	49

-13	سنہ 107ھ میں وفیاتِ اکابر تابعین	52
-14	سنہ 108ھ کے اہم واقعات	55
-15	سنہ 108ھ میں وفیاتِ اکابر تابعین	58
-16	سنہ 109ھ کے اہم واقعات	61
-17	سنہ 109ھ میں وفیاتِ اکابر تابعین	64
-18	سنہ 110ھ کے اہم واقعات	66
-19	سنہ 110ھ میں وفیاتِ اکابر تابعین	69
-20	سنہ 111ھ کے اہم واقعات	72
-21	سنہ 112ھ کے اہم واقعات	76
-22	سنہ 112ھ میں وفیاتِ اکابر تابعین	80
-23	سنہ 113ھ کا ایک اہم تاریخی پہلو	83
-24	سنہ 113ھ میں وفیاتِ اکابر تابعین	87
-25	سنہ 114ھ کے اہم واقعات	90
-26	سنہ 115ھ کے اہم واقعات	93
-27	سنہ 115ھ میں وفیاتِ اکابر تابعین	97
-28	سنہ 116ھ کا ایک اہم سانحہ	101

-29	سنہ 116ھ میں وفیاتِ اکابر تابعین	105
-30	سنہ 117ھ کے اہم واقعات	108
-31	سنہ 118ھ کے اہم واقعات	112
-32	سنہ 119ھ کے اہم واقعات	116
-33	سنہ 120ھ کے اہم واقعات	119
-34	سنہ 120ھ میں وفیاتِ اکابر تابعین	123
-35	سنہ 121ھ کے اہم واقعات	127
-36	سنہ 122ھ کے اہم واقعات	130
-37	سنہ 123ھ کے اہم واقعات	133
-38	سنہ 124ھ کے اہم واقعات	137
-39	سنہ 125ھ کے اہم واقعات	140
-40	خلافتِ ہشام بن عبدالملک	144
-41	سنہ 126ھ کے اہم واقعات	148
-42	سنہ 127ھ کے اہم واقعات	151
-43	سنہ 128ھ کے اہم واقعات	155
-44	سنہ 129ھ کے اہم واقعات	159

45-	سنہ 130ھ کے اہم واقعات	163
46-	سنہ 131ھ کے اہم واقعات	166
47-	سنہ 132ھ کے اہم واقعات	170
48-	سقوطِ بنوامیہ کے بعد قتل کیے گئے اموی خاندان کے افراد	174
49-	عباسی انقلاب کے بعد قتل کیے گئے بنوامیہ کے شہزادے	177
50-	ابومسلم خراسانی	181
51-	ابوالعباس السفاح	185
52-	سنہ 133ھ کے الم ناک واقعات	189
53-	سنہ 134ھ کے الم ناک تاریخی واقعات	193
54-	سنہ 135ھ کے اہم اور الم ناک واقعات	197
55-	عباسی خلافت کے دوسرے خلیفہ: ابوجعفر المنصور	201
56-	امام ابوحنیفہؒ اور ابوجعفر المنصور کے درمیان تاریخی واقعات	205
57-	سنہ 136ھ کے اہم اور الم ناک واقعات	209
58-	سنہ 137ھ کے اہم اور عبرت انگیز واقعات	212
59-	سنہ 138ھ کے اہم اور الم ناک واقعات	216
60-	سنہ 139ھ کے اہم اور الم ناک واقعات	220

-61	سنہ 140ھ کے اہم اور عبرت انگیز واقعات	223
-62	سنہ 141ھ کے اہم واقعات اور مظلوم شخصیات	227
-63	سنہ 142ھ کے اہم واقعات اور مظلوم شخصیات	231
-64	سنہ 143ھ کے مظلومین اور اہم واقعات	235
-65	سنہ 144ھ کے مظلومین اور اہم واقعات	238
-66	سنہ 145ھ کے مظلومین اور اہم واقعات	242
-67	سنہ 146ھ کے مظلومین اور اہم واقعات	246
-68	سنہ 147ھ کے مظلومین اور اہم واقعات	250
-69	سنہ 148ھ کے اہم واقعات اور مظلوم شخصیات	253
-70	سنہ 149ھ کے مظلومین اور اہم واقعات	257
-71	سنہ 150ھ کے مظلومین اور اہم واقعات	261
-72	تاریخِ مظلومیتِ اہل بیت اور سانحاتِ سنہ ۱۵۱ ہجری	264
-73	تاریخِ مظلومیتِ اہل بیت اور سانحاتِ سنہ ۱۵۲ ہجری	268
-74	تاریخِ مظلومیتِ اہل بیت اور سانحاتِ سنہ ۱۵۳ ہجری	272
-75	تاریخِ مظلومیتِ اہل بیت اور سانحاتِ سنہ ۱۵۴ ہجری	276
-76	تاریخِ مظلومیتِ اہل بیت اور سانحاتِ سنہ ۱۵۵ ہجری	280

77-	تاریخِ مظلومیتِ اہل بیت اور سانحاتِ سنہ ۱۵۶ ہجری	285
78-	تاریخِ مظلومیتِ اہل بیت اور سانحاتِ سنہ ۱۵۷ ہجری	289
79-	تاریخِ مظلومیتِ اہل بیت اور سانحاتِ سنہ ۱۵۸ ہجری	293
80-	تاریخِ مظلومیتِ اہل بیت اور سانحاتِ سنہ ۱۵۹ ہجری	298
81-	تاریخِ مظلومیتِ اہل بیت اور سانحاتِ سنہ ۱۶۰ ہجری	303
82-	تاریخِ مظلومیتِ اہل بیت اور سانحاتِ سنہ ۱۶۱ ہجری	307
83-	کوفہ اور بغداد میں سادات کے بہی خواہوں پر الحاد و زندقہ کی جھوٹی تہمتیں اور آزمائش (سانحاتِ سنہ ۱۶۲ ہجری)	312
84-	بغداد کے قید خانوں میں مخلصینِ اہل بیت کی کسمپرسی اور خاموش شہادتیں (سانحاتِ سنہ ۱۶۳ ہجری)	316
85-	مدینہ منورہ میں ساداتِ علویین کی فکری ناکہ بندی اور مجالس پر عباسی پہرے: (سانحاتِ سنہ ۱۶۴ ہجری)	321
86-	مدینہ منورہ میں ساداتِ علویین کی جبری حاضری کے نظام میں وحشیانہ سختی: (سانحاتِ سنہ ۱۶۵ ہجری)	326
87-	حجاز میں ساداتِ علویین کی فکری و سماجی ناکہ بندی اور جاسوسی کا جال: (سانحاتِ سنہ ۱۶۶ ہجری)	331

88-	کوفہ اور بغداد میں سادات کے بہی خواہوں پر معاشی تنگی اور جبری قید و بند: (سانحاتِ سنہ ۱۶۷ ہجری)	335
89-	موسیٰ الہادی کی تخت نشینی اور بغداد کے قید خانوں میں شیعیانِ اہل بیت کا قتلِ عام (سانحاتِ سنہ ۱۶۸ ہجری)	340
90-	معرکہ فخ کا المیہ اور امام حسین بن علی (صاحبِ فخ) کی مظلومانہ شہادت (سانحاتِ سنہ ۱۶۹ ہجری)	344
91-	بغداد کے دربارِ ہارونی میں شہدائے فخ کے اسیروں پر ظلم اور کٹے سروں کی تذلیل (سانحاتِ سنہ ۱۷۰ ہجری)	349
92-	بغداد کے زیرِ زمین تاریک قید خانوں (مطامیر) میں اصحابِ فضل کا کسمپرسی میں انتقال (سانحاتِ سنہ ۱۷۱ ہجری)	354
93-	سانحہ دوم: بغداد کے زیرِ زمین تاریک قید خانوں (مطامیر) میں اصحابِ فضل کا کسمپرسی میں انتقال	356
94-	ساداتِ علویین کی جلاوطنی اور یحییٰ بن عبداللہ کے خلاف عباسی سازشیں: (سانحات سنہ ۱۷۲ھ)	358
95-	سادات کی گرفتاریوں کا تسلسل اور معاشی و سماجی استبداد (سانحات سنہ ۱۷۳ھ)	363

96-	سادات کا فریبِ امان اور بغداد و کوفہ میں قید و نظر بندی کا آغاز (سانحات سنہ ۱۷۴ھ)	368
97-	امام یحییٰ بن عبداللہ کی اسارت اور علویوں پر عواقبِ فخ کا تسلسل (سانحاتِ سنہ ۱۷۵ھ)	372
98-	امام یحییٰ بن عبداللہ کے امان نامے کی منسوخی اور بغداد کے قید خانے میں تشددِ مجرمانہ (سانحات سنہ ۱۷۶ھ)	377
99-	بغداد کے قید خانے میں امام یحییٰ بن عبداللہ کی مظلومانہ شہادت اور سادات پر ریاستی غیظ و غضب (سانحات سنہ ۱۷۷ھ)	381
100-	مدینہ منورہ اور عراق میں سادات کے خلاف خفیہ ریاستی تفتیش (العیون) اور بلا جواز گرفتاریاں (سانحات سنہ ۱۷۸ھ)	386
101-	۱۷۹ھ کا اندوہناک سانحہ: امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی گرفتاری اور عباسی استبداد	391
102-	سنہ ۱۸۰ھ کے اندوہناک سانحات: امام موسیٰ کاظمؑ کی بصرہ میں قیدِ تنہائی اور سادات پر ظلم کا استمرار	394

☆☆☆

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين، نحمده ونستعينه ونستغفره، ونؤمن به ونتوكل عليه، ونصلي ونسلم على سيدنا ومولانا محمد خاتم النبيين، وعلى آله وأصحابه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

تاریخ: عبرت، امانت اور ذمہ داری: اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں تاریخ کو محض گزشتہ زمانوں کے واقعات کا ذخیرہ نہیں بنایا، بلکہ اسے ایمان، بصیرت، حکمت اور عبرت کا سرچشمہ قرار دیا ہے۔ قرآن بار بار انسان کو گزشتہ اقوام کے انجام پر غور کرنے، انبیائے کرام علیہم السلام کی جدوجہد سے سبق حاصل کرنے، اور اہلِ ایمان کی آزمائشوں پر تدبر کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اسی لیے اسلامی تاریخ کا مطالعہ صرف علمی ذوق کی تسکین نہیں، بلکہ دینی شعور کی تکمیل، فکری بصیرت کی آبیاری اور اخلاقی تربیت کا ایک اہم ذریعہ بھی ہے۔

تاریخ کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ حقائق کی حفاظت کرے۔ جب تاریخ خواہشات، تعصّبات، سیاسی مفادات یا فرقہ وارانہ رجحانات کی اسیر ہو جائے تو آنے والی نسلیں حقیقت سے محروم ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے

جس طرح حدیثِ نبوی ﷺ کی حفاظت کے لیے جرح وتعدیل اور اسماء الرجال جیسے عظیم علوم وضع کیے، اسی طرح مؤرخین پر بھی لازم ہے کہ وہ نقل وروایت میں دیانت، تحقیق اور انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔

تاریخ نگاری کا اصل حسن اسی میں ہے کہ نہ کسی کی محبت انسان کو اندھا بنائے اور نہ کسی کی مخالفت انصاف سے محروم کرے۔ قرآن کریم کا یہ ابدی اصول ہر مؤرخ کے لیے مشعلِ راہ ہے: "وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى"۔ یعنی کسی قوم کی دشمنی تمہیں انصاف چھوڑ دینے پر آمادہ نہ کرے؛ انصاف کرو، یہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

مظلومیت کا قرآنی تصور: مظلومیت اسلام میں کمزوری کا نام نہیں، بلکہ صبر، استقامت، حق گوئی اور اللہ پر کامل اعتماد کا دوسرا عنوان ہے۔ قرآن کریم نے انبیائے کرام علیہم السلام، صالحین، شہداء اور اہلِ ایمان کی آزمائشوں کو عزت و رفعت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی طویل جدوجہد، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آتشِ نمرود میں ڈالے جانا، حضرت یوسف علیہ السلام کا زندان، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے مقابلہ، حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کی شہادت، اور خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی مکی زندگی یہ سب اس حقیقت کے روشن مظاہر ہیں کہ حق کا راستہ ہمیشہ آزمائشوں سے ہو کر گزرتا ہے۔

اسی سنت الٰہیہ کے تحت امتِ محمدیہ میں بھی بے شمار ایسے رجالِ حق پیدا ہوئے جنہوں نے ظلم کے سامنے سر نہیں جھکایا، بلکہ اپنے خون سے حق وانصاف کی شمع روشن رکھی۔ انہی نفوسِ قدسیہ کی تاریخ کو محفوظ رکھنا امت کی علمی اور اخلاقی ذمہ داری ہے۔

اس کتاب کی غرض وغایت: زیرِ نظر کتاب ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' کی پانچویں جلد اسی مقصد کے تحت مرتب کی گئی ہے۔ یہ جلد سنہ 101 ہجری سے 180 ہجری تک کے اس عہد کا احاطہ کرتی ہے جس میں اسلامی دنیا نہایت گہرے سیاسی، فکری اور سماجی تغیرات سے گزری۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی وفات کے بعد خلافتِ امویہ کی داخلی کمزوریاں نمایاں ہوئیں، پھر عباسی تحریک نے اقتدار سنبھالا، لیکن اقتدار کی تبدیلی کے باوجود بہت سے اہلِ حق، علماء، تابعین، سادات، اہلِ بیت اور اصحابِ فضل مختلف آزمائشوں سے دوچار رہے۔ اس جلد کا مقصد کسی حکومت یا خاندان کی مدح یا مذمت نہیں، بلکہ تاریخ کے ان گوشوں کو مستند مآخذ کی روشنی میں سامنے لانا ہے جو اکثر عمومی تاریخ کی کتابوں میں اختصار کے ساتھ مذکور ہیں یا جن کے بارے میں افراط وتفریط کا رویہ اختیار کیا گیا ہے۔

یہ کتاب کیوں لکھی گئی؟ تاریخ کی کتابوں میں بادشاہوں کے فتوحات نامے بہت ملتے ہیں، لیکن مظلوموں کے آنسو، قید خانوں کی تاریکیاں، بے گناہوں کی قربانیاں، علماء کی استقامت، اہلِ بیت کی آزمائشیں، تابعین کی ثابت قدمی اور حق گوئی کی قیمت نسبتاً کم محفوظ کی گئی ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ تاریخ کے اسی خاموش

پہلو کو آواز دی جائے۔ یہ کتاب انتقام کی دعوت نہیں دیتی، بلکہ انصاف کی دعوت دیتی ہے۔ یہ نفرت پیدا نہیں کرتی، بلکہ تحقیق کا شعور پیدا کرتی ہے۔ یہ جذبات کو نہیں، بلکہ دلائل کو مخاطب بناتی ہے۔

تحقیق کا منہج: اس کتاب کی ترتیب میں حتی المقدور اولین اور معتبر تاریخی مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے، مثلاً: تاریخ الطبری، أنساب الأشراف، الطبقات الکبریٰ، الکامل فی التاریخ، فتوح البلدان، تاریخ دمشق، سیر أعلام النبلاء، تاریخ الإسلام، البدایۃ والنہایۃ، العبر، المنتظم، مروج الذہب، اور دیگر مستند مصادر۔ جہاں متعدد روایات موجود تھیں وہاں ان کا تقابل کیا گیا، اسناد اور تاریخی قرائن کی روشنی میں راجح روایت کو اختیار کرنے کی کوشش کی گئی، اور حتی المقدور غیر مستند یا من گھڑت روایات سے اجتناب کیا گیا۔ اس جلد کی نمایاں خصوصیات اس جلد میں درج ذیل موضوعات کو خصوصی اہمیت حاصل ہے: خلافتِ عمر بن عبدالعزیز کے آخری ایام۔ یزید بن عبدالملک اور ہشام بن عبدالملک کے دور کے سیاسی حالات۔ اکابر تابعین کی وفیات اور علمی خدمات۔ بنو امیہ کے زوال کے اسباب۔ عباسی انقلاب کے حقیقی اثرات۔ اموی خاندان کے قتل عام کا تاریخی جائزہ۔ ابو مسلم خراسانی اور عباسی تحریک۔ ابو جعفر منصور کے سیاسی فیصلے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے تاریخی مواقف۔ اہلِ بیت اطہار اور سادات علویین پر ہونے والے مظالم۔ شہدائے فخ کا المناک سانحہ۔ امام یحییٰ بن عبداللہ کی جدوجہد۔ عباسی قید خانوں کے حالات۔ امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ کی

گرفتاری اور اس کے تاریخی پس منظر کا جائزہ۔

اعتدال اور انصاف: اس کتاب کی ایک بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نہ شخصیت پرستی کی گئی ہے، نہ حکومت پرستی، نہ جذباتیت اختیار کی گئی ہے اور نہ ہی فرقہ وارانہ تعصب کو جگہ دی گئی ہے۔ ہمارا اصول صرف یہ ہے کہ: حق جہاں ہوگا، اس کا اعتراف کیا جائے گا۔ ظلم جہاں ہوگا، اسے ظلم ہی کہا جائے گا۔ اور تحقیق جہاں جس نتیجے تک پہنچائے گی، اسی کو علمی دیانت کے ساتھ پیش کیا جائے گا۔

مؤرخ کی ذمہ داری: مؤرخ کا قلم تلوار سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے، کیونکہ تلوار صرف جسموں کو زخمی کرتی ہے جبکہ قلم نسلوں کے افکار تشکیل دیتا ہے۔ اگر قلم انصاف کرے تو قومیں بیدار ہوتی ہیں، اور اگر قلم تعصب کا شکار ہو جائے تو صدیاں گمراہی میں بسر ہو جاتی ہیں۔ اسی احساسِ ذمہ داری کے تحت اس کتاب کا ہر صفحہ حتی المقدور تحقیق، توازن اور علمی امانت کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔

اختتامیہ: یہ کتاب کسی فرد یا جماعت کے خلاف مقدمہ نہیں، بلکہ تاریخ کے مظلوم کرداروں کے حق میں ایک علمی شہادت ہے۔ اگر اس کے مطالعہ سے قاری کے اندر انصاف، تحقیق، اعتدال، صبر، حق شناسی اور تاریخ کے صحیح فہم کا ذوق پیدا ہو جائے تو یہی اس کا سب سے بڑا حاصل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اس عاجزانہ کوشش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائے، اسے اہلِ علم کے لیے نافع بنائے، اس میں اگر کوئی لغزش رہ گئی ہو تو اپنی رحمت سے معاف

فرمائے، اور ہمیں ہمیشہ حق کہنے، حق لکھنے اور حق پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وما توفيقي إلا بالله، عليه توكلت وإليه أنيب

حررہ

مفتی حبیب اللہ قاسمی

خادم الحدیث والافتاء

مؤسس ورئیس جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور اعظم گڑھ یوپی انڈیا

تاریخ: 08/02/1448ھ مطابق 23/07/2026ء، یوم الخمیس (پنج شنبہ)

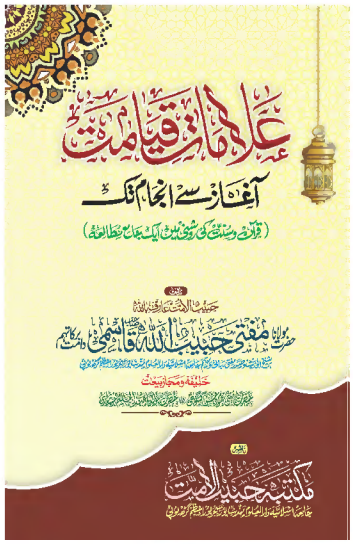

سنہ 101ھ کے اہم تاریخی واقعات

خلافتِ راشدہ ثانیہ کا اختتام اور اموی سیاست کا نیا مرحلہ

تمہید: سنہ 101ھ اسلامی تاریخ میں ایک غیر معمولی اہمیت کا حامل سال ہے، کیونکہ اسی سال خلافتِ امویہ کے درخشاں ترین حکمران، عدل و زہد کے پیکر، مجددِ اوّل صدی عمر بن عبدالعزیز کا وصال ہوا۔ ان کی وفات نے نہ صرف سیاسی منظرنامہ بدل دیا بلکہ خلافتِ امویہ کے مزاج کو بھی ایک نئے رخ پر ڈال دیا۔ یہ سال دراصل اصلاح و عدل کے دور کے خاتمہ اور روایتی اموی سیاست کے احیاء کا سال ہے۔

1-وصالِ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (رجب 101ھ): (الف) واقعۂ وفات:

مؤرخین کا اتفاق ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا وصال رجب 101ھ میں ہوا۔ امام طبری لکھتے ہیں: **وفی هذه السنة توفی عمر بن عبد العزیز رحمه الله بدیر سمعان** (اور اسی سال عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ دیرِ سمعان میں وفات پا گئے) (تاریخ الطبری، ج 8، ص 138، دار التراث، بیروت، 1387ھ)۔ امام ابن الاثیر فرماتے ہیں: **وکانت وفاته فی رجب سنة إحدی ومائة، وهو ابن تسع وثلاثین سنة** (آپ کا وصال رجب 101ھ میں ہوا اور اس وقت آپ کی عمر 39 برس تھی) (الکامل فی التاریخ، ج 4، ص 145، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987ء)۔

(ب) وفات کے اسباب: بعض مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ آپ کو زہر دیا گیا۔ امام ذہبی نقل کرتے ہیں: قیل: سُقی سُمًّا (کہا گیا ہے کہ آپ کو زہر پلایا گیا۔) (سیر أعلام النبلاء، ج 5، ص 132، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985ء)۔ اگرچہ یہ روایت قطعی نہیں، مگر تاریخی قرائن اس امکان کو تقویت دیتے ہیں کہ اصلاحی پالیسیوں سے متاثر حلقے آپ سے ناخوش تھے۔

2- خلافتِ یزید بن عبدالملک کا آغاز: حضرت عمر بن عبدالعزیز کے وصال کے بعد خلافت ان کے چچازاد بھائی یزید بن عبدالملک کو منتقل ہوئی۔ امام طبری لکھتے ہیں: وبويع ليزيد بن عبد الملك بالخلافة بعد عمر. (عمر کے بعد یزید بن عبدالملک کے لیے بیعت کی گئی) (تاریخ الطبری، ج 8، ص 140، دار التراث، 1387ھ)۔ یہ تبدیلی محض شخصی نہیں بلکہ پالیسی کی تبدیلی تھی۔

(الف) اصلاحی اقدامات کی واپسی: عمر بن عبدالعزیز نے مظالم ختم کیے، جزیہ کے نظام میں اصلاح کی، بیت المال کی تطہیر کی بنو امیہ کے ناجائز عطیات واپس لیے، لیکن یزید بن عبدالملک کے دور میں ان اصلاحات کا بڑا حصہ معطل یا کمزور ہو گیا۔ ابن الاثیر لکھتے ہیں: فغيّر كثيراً من سيرة عمر. (اس نے عمر کی سیرت کے بہت سے طریقے بدل دیے) (الکامل فی التاریخ، ج 4، ص 146، 1987)۔

3- خارجی فتنوں کی تجدید: سنہ 101ھ کے بعد خارجی تحریکوں نے دوبارہ سر اٹھایا۔ اگرچہ بڑے معرکے بعد کے برسوں میں ہوئے، مگر اس سال سیاسی کمزوری

کی بنیاد پڑی۔ امام ذہبی لکھتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز کے عدل کی وجہ سے فتنہ دب گیا تھا، لیکن ان کے بعد حالات بدل گئے (سیر أعلام النبلاء، ج5، ص135، 1985ء)۔

4-فتوحات کی رفتار میں تبدیلی: عمر بن عبدالعزیز کے دور میں عسکری توسیع کی رفتار کم ہوگئی تھی اور دعوت واصلاح پر توجہ تھی۔ ان کی وفات کے بعد دوبارہ عسکری توسیع کی پالیسی غالب آئی۔ طبری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید بن عبدالملک نے سرحدی گورنروں کو دوبارہ عسکری سرگرمیوں کی ترغیب دی (تاریخ الطبری، ج8، ص142، 1387ھ)۔

سنہ 101ھ کی تاریخی اہمیت: اس سال کو تین وجوہ سے یاد رکھا جاتا ہے: 1-خلافتِ راشدہ کے منہج سے قریب ترین اموی دور کا خاتمہ، 2-اصلاحی سیاست کا کمزور ہونا، 3-خلافت کا دوبارہ خاندانی وسیاسی مفادات کی طرف مائل ہونا۔ امام ذہبی نے عمر بن عبدالعزیز کو الخلیفۃ الراشد میں شمار کیا ہے، جس سے اس سال کی معنوی اہمیت اور بھی واضح ہوجاتی ہے (سیر أعلام النبلاء، ج5، ص120، 1985ء)۔

خلاصہ ونتائج: سنہ 101ھ اسلامی تاریخ میں بنیادی طور پر وصالِ عمر بن عبدالعزیز کا سال ہے۔ اس سال خلافتِ امویہ کا مزاج عدل واصلاح سے دوبارہ سیاسی روایت کی طرف منتقل ہوا۔ یزید بن عبدالملک کی خلافت نے اصلاحی تحریک کی رفتار کو بدل دیا۔ یہ سال دراصل پہلی صدی ہجری کے اصلاحی تجربہ کے اختتام کی علامت ہے۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ سنہ 101ھ سیاسی واخلاقی اعتبار سے ایک تاریخی موڑ (Turning Point) کی حیثیت رکھتا ہے۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ الطبری، ج 8،ص 138142، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2-الکامل فی التاریخ ج 4،ص 145147، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987ء۔ 3-سیر أعلام النبلاء: ج 5،ص 120135، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985ء۔

عمر بن عبدالعزیز کی وفات کا تحقیقی جائزہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ (د: 101ھ) اسلامی تاریخ میں اصلاح وعدل کے نمایاں ترین حکمران تھے۔ ان کے مختصر دورِ خلافت (717-101ھ) نے سیاسی، معاشی و اخلاقی شعبوں میں اصلاحات کا ایک روشن باب رقم کیا۔ اسی وجہ سے ان کی وفات تاریخی و مذہبی نقطۂ نظر سے ہمیشہ تحقیق و بحث کا موضوع رہی ہے۔ کیا ان کا انتقال طبعی وجہ سے ہوا یا زہر دے کر انہیں شہید کیا گیا؟ اس مضمون میں ہم معتبر مصادر کی مدد سے دونوں نظریات کا جائزہ لیں گے۔

1-مصادرِ تاریخ میں وفات کی خبر: (الف) تاریخ الطبری میں وفات: امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ بڑی تفصیل کے ساتھ واقعہ نقل کرتے ہیں: **وفی هذه السنة توفی عمر بن عبد العزیز رحمه الله بدیر سمعان.** (اور اسی سال عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا انتقال دیرِ سمعان میں ہوا) (تاریخ الطبری، ج 8،ص 138، دار التراث، بیروت، 1387ھ)۔ یہ لفظی عبارت وفات کی اطلاع دیتی ہے مگر وجہ بیان نہیں کرتی۔

(ب) الکامل فی التاریخ میں بیان: امام ابن الاثیر بھی وہی وقت و مقام نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **وکانت وفاته فی رجب سنة إحدی ومائة.** (ان کی وفات رجب 101ھ میں ہوئی) (الکامل فی التاریخ، ج4، ص145، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987ء)۔ یہ بھی اسی نتیجے کی تائید ہے کہ وفات ایک مخصوص وقت و جگہ پر واقع ہوئی، بغیر اسباب کے۔

2-زہر یا بیماری؟ روایات کا جائزہ: (الف) روایتِ زہر: کئی مؤرخین نے زہر دیے جانے کی روایت بھی نقل کی ہے۔ مثلاً امام الذہبی لکھتے ہیں: **قیل: سُقی سُمًّا.** (کہا گیا ہے کہ انہیں زہر پلایا گیا) (سیر أعلام النبلاء، ج5، ص132، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985ء)۔ یہ عبارت ایک روایت کی شکل میں ہے، جس میں لفظ قیل کا استعمال ہے۔ یہ لغوی اعتبار سے اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ قیل و قال کی روایت ہے، یعنی ثابت شدہ قطعی معلومات نہیں بلکہ ایک روایتی امکان۔

(ب) تفسیر و تنقید: زبانی روایات میں اکثر قیل کا استعمال ایک غیر قطعی یا سماعِ خبر کے معنوں میں ہوتا ہے، جسے مؤرخ بغیر تحقیق کے ثابت شدہ حقیقت کے طور پر درج نہیں کرتا۔ یہی انداز امام ذہبی کی عبارت میں بھی نظر آتا ہے۔ یہ بات تاریخی تحقیق کے اصول کے مطابق واضح ہونی چاہیے کہ صرف قیل پر مبنی روایات کو قطعی شواہد تصور نہیں کیا جاتا۔

3-علمی و عملی دلائل کا مطالعہ: (الف) عدل و اصلاح کا اثرِ نفسیات: عمر بن

عبدالعزیز رحمہ اللہ کی اصلاحات نے خاص طور پر: حکومتی عیاروں میں تبدیلی، رعایا کے ساتھ عدل و انصاف، ناجائز مالی معاملات کا انکشاف، حکومتی خزانوں کا شفاف استعمال ان اصلاحات نے روایتی اشرافیہ میں مزاحمت و دشمنی کو جنم دیا تھا۔ بعض تاریخ دان اس پس منظر کو شہادت کے امکان کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

(ب) بیماری کے آثار: تاہم معتبر تراجم و تاریخ کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ: ان کی رحلت ایک مخصوص مدتِ بیماری کے بعد ہوئی، کوئی خاص شفادہ/ زہر خوراک کا مستند ثبوت موثق کتب میں باعثِ وثوق درج نہیں۔ اکثر معاصر مؤرخین انہیں مرض کے باعث انتقال بتاتے ہیں امام طبری اور ابن الاثیر کی تفصیل میں بیماری یا زہر ذکر نہیں پایا جاتا، جبکہ ذہبی صرف ایک غیر قطعی روایت نقل کرتے ہیں۔

4-فقہی و تحقیقی معیار: اسلامی تاریخ نگاری میں حقیقت کی تحقیق کے لیے چند اصول ہیں: 1-متعدد موافقات/متون کا موجود ہونا، 2-راویوں کے وثاقت سے نقل شدہ حقیقت، 3-متن کا ثبوت تاریخی تسلسل کے ساتھ موجود ہونا۔ ان تین معیاروں پر بھی غور کرنے سے وفات کا وقت و مقام قطعی ثابت ہے، زہر کا ثابت شدہ ثبوت نہیں ملا، وہ مرض میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئے کے دعوے کو زیادہ وزن حاصل ہے۔

5-علمی تشریح اور حقیقت پسندی: چنانچہ علمی تشریح یہ ہے کہ: عمر بن عبدالعزیز نے ایک بیماری کے نتیجے میں انتقال فرمایا؛ شہادت/ زہر دینے کی جو روایات ملتی ہیں وہ قطعی نہیں؛ تاریخ دان اکثر غیر قطعی واقعات کو بھی قیل کی صورت پیش کرتے ہیں، مگر

وہ تحقیق شدہ حقائق نہیں بن جاتے۔

خلاصہ و نتائج: 1-وقت و مقامِ وفات: عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا انتقال رجب 101ھ، دیرِ سمعان میں ہوا۔ **2-وفات کی وجہ:** مرض/طبعی حالت کے باعث انتقال کا قوی امکان ہے۔ **3-شہادت/زہر:** تاریخی کتب میں قطعی ثبوت کے ساتھ نہیں ملا؛ صرف غیر قطعی روایات میں اس کا ذکر ہے۔ **4-تحقیقی لحاظ:** مستند تاریخی اصولوں کے مطابق وہ طبعی مرض میں مبتلا ہو کر انتقال فرمائے، جو زیادہ مضبوط دلیل ہے۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ الطبری ج 8، ص 138-140، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2-الکامل فی التاریخ ج 4، ص 145-147، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987ء۔ 3-سیر أعلام النبلاء ج 5، ص 130-135، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985ء۔

سنہ 102ھ: سیاسی تغیر، اصلاحی تحریک کی پسپائی اور مظلوم اہلِ حق

سنہ 102ھ اسلامی تاریخ کے ان اہم ادوار میں شمار ہوتا ہے جو بظاہر کسی بڑے معرکے یا جنگ کے سبب معروف نہیں، لیکن حقیقت میں یہ سال ایک عظیم اصلاحی عہد کے خاتمہ اور سیاسی مزاج کی تبدیلی کا عملی مظہر ہے۔ سنہ 101ھ میں خلیفۂ راشد سیرت و کردار کے حامل عمر بن عبدالعزیز کے وصال کے بعد اموی خلافت کا مزاج تبدیل ہو چکا تھا، اور سنہ 102ھ اس تبدیلی کے عملی اثرات کا سال ہے۔ یہی

پس منظر اس سال کو اسلام کی مظلوم شخصیات کے تناظر میں نہایت اہم بنا دیتا ہے۔

1-خلافتِ یزید بن عبدالملک کا استحکام: سیاسی تبدیلی کا تسلسل: سنہ 102ھ میں اموی خلافت پر یزید بن عبدالملک کی حکومت پوری طرح مستحکم ہو چکی تھی۔امام ابن جریر الطبری لکھتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز کے بعد بیعت یزید کے لیے ہوئی اور ریاستی نظم ونسق میں تبدیلیاں شروع ہوگئیں:**ثم استقام الأمر ليزيد بن عبد الملك، وردّ كثيراً مما كان عمر قد غيّره.** (پھر حکومت یزید بن عبدالملک کے لیے مستحکم ہوگئی،اور اس نے ان امور میں سے بہت سے واپس کر دیے جنہیں عمر نے تبدیل کیا تھا) (تاریخ الطبری، ج8،ص140، دار التراث، بیروت، 1387ھ)۔**تشریح:** یہ عبارت واضح کرتی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کی اصلاحات،خصوصاً بیت المال اور گورنری نظام میں کی گئی تبدیلیاں،دوبارہ پرانے سانچے میں ڈھالی گئیں۔یہی رجوع اصلاحی تحریک کے کمزور ہونے کی علامت ہے۔

2-اصلاحی تحریک کی پسپائی اور اہلِ حق کی خاموشی: عمر بن عبدالعزیز کا اصلاحی اثر: امام ابن الاثیر لکھتے ہیں:**وكان عمر قد ردّ مظالم كثيرة، فكان الناس في عدله في راحة.** (عمر نے بہت سے مظالم ختم کر دیے تھے،اور لوگ ان کے عدل میں راحت محسوس کرتے تھے) (الکامل فی التاریخ، ج4،ص146، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987ء)۔سنہ 102ھ میں صورت حال: جب سنہ 102ھ میں سیاسی استحکام یزید کے ہاتھ میں آیا تو:بعض گورنروں کو معزول یا تبدیل کیا گیا۔ بیت المال کی

پالیسیوں میں نرمی ختم ہوئی، بنو امیہ کے خاندانی مفادات کو دوبارہ تقویت ملی یہ تبدیلیاں ان اہلِ علم واہلِ تقویٰ کے لیے باعثِ رنج بنیں جو عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں عدل واحتساب کے حامی تھے۔

3-خارجی تحریکوں کا دوبارہ سر اٹھانا: امام ذہبی لکھتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز کے عدل کی وجہ سے فتنہ فرو ہو گیا تھا، مگر ان کے بعد حالات بدلنے لگے: **وكانت الخوارج قد سكنت في أيام عمر لعدله.** (عمر کے عدل کی وجہ سے خوارج خاموش ہو گئے تھے) (سیر أعلام النبلاء، ج 5، ص 134، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985ء)۔ سنہ 102ھ میں سیاسی سختی کے نتیجے میں خارجی رجحانات نے دوبارہ سر اٹھانا شروع کیا، جو بعد کے برسوں میں بغاوتوں کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ یہ صورتحال اس بات کی دلیل ہے کہ عدل کے خاتمہ کے ساتھ ہی معاشرتی اضطراب پیدا ہوتا ہے، اور ایسے ماحول میں اہلِ حق واہلِ تقویٰ اکثر مظلوم قرار پاتے ہیں۔

4-علمی حلقوں کی کیفیت: سنہ 102ھ میں مدینہ، بصرہ اور کوفہ کے علمی حلقوں میں خاموش اضطراب پایا جاتا تھا۔ علمائے کرام نے براہِ راست سیاسی محاذ آرائی سے اجتناب کیا، لیکن: بعض اہلِ علم نے سرکاری مناصب قبول نہ کیے، بعض نے احتیاطاً گوشہ نشینی اختیار کی، اصلاحی فکر کا دائرہ محدود ہو گیا۔ یہ خاموشی دراصل ایک علمی مظلومیت تھی، جس میں اہلِ علم کو اقتدار سے فاصلہ رکھنا پڑا تاکہ دین محفوظ رہے۔

5-فتوحات اور عسکری پالیسی: سنہ 102ھ میں سرحدی علاقوں میں عسکری

سرگرمیاں جاری رہیں۔طبری نے رومی سرحدوں پر لشکروں کی روانگی کا ذکر کیا ہے (تاریخ الطبری، ج 8،ص 148، دار التراث، 1387ھ)۔تاہم یہ عسکری سرگرمیاں اصلاحی و اخلاقی قیادت کے بجائے سیاسی وعسکری غلبے کی نمائندہ تھیں۔

سنہ 102ھ کی تاریخی اہمیت: سنہ 102ھ کو درج ذیل پہلوؤں سے یاد رکھا جاتا ہے:1-اصلاحی خلافت کے بعد سیاسی مزاج کا استحکام،2-اہلِ عدل کی تحریک کا کمزور ہونا، 3-خارجی رجحانات کا دوبارہ ابھرنا، 4-علمی حلقوں کی محتاط خاموشی یہ سب عوامل اسلام کی مظلوم شخصیات کے لیے ایک تاریخی پس منظر فراہم کرتے ہیں۔

خلاصہ ونتائج: سنہ 102ھ براہِ راست کسی عظیم جنگ یا شہادت کا سال نہیں، مگر ایک سیاسی و اخلاقی تبدیلی کا سال ہے۔عمر بن عبدالعزیز کی اصلاحات کے اثرات کمزور ہوئے اور اموی روایتی سیاست دوبارہ غالب آئی۔اہلِ علم اور اہلِ عدل نے محتاط طرزِ عمل اختیار کیا، جو ایک معنوی مظلومیت کی صورت تھی۔اس سال کو اسلامی تاریخ میں ایک انتقالی دور (Transitional Phase) کی حیثیت حاصل ہے۔

مصادر ومراجع: 1-تاریخ الطبری: ج 8،ص 140-148، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔2-الکامل فی التاریخ: ج 4،ص 146148، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987ء۔3-سیر أعلام النبلاء: ج 5،ص 130135، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985۔

سنہ 103ھ: خلافتِ یزید بن عبدالملک کا آغاز اور اہلِ عدل کی آزمائش

سنہ 103ھ اسلامی تاریخ میں ایک انتقالِ اقتدار کا سال ہے۔ اسی سال خلیفۂ عادل عمر بن عبدالعزیز کی وفات (رجب 101ھ) کے بعد ان کے جانشین یزید بن عبدالملک کی حکومت مستحکم ہوئی اور انتظامی تبدیلیاں اپنے نتائج ظاہر کرنے لگیں۔ یہ سال براہِ راست کسی بڑی شہادت کا نہیں، لیکن اہلِ عدل و اصلاح کی پالیسیوں کے خاتمے اور بعض مظلوم طبقات کی آزمائش کے اعتبار سے نہایت اہم ہے۔

1-خلافتِ یزید بن عبدالملک کے اثرات: امام طبری لکھتے ہیں کہ یزید بن عبدالملک نے خلافت سنبھالنے کے بعد بعض سابقہ اصلاحات میں تبدیلی کی: **فكتب يزيد إلى عماله أن يسيروا بسيرة من كان قبل عمر.** (یزید نے اپنے عاملوں کو لکھا کہ وہ عمر سے پہلے کے طریقے پر چلیں) (تاریخ الطبری، ج7، ص12، دار التراث، بیروت، 1387ھ)۔ اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی عدل پر مبنی اصلاحات کو محدود کیا گیا، جس کا اثر غیر عرب مسلمانوں (موالی) اور بعض اہلِ علم پر پڑا۔

2-موالی کی مظلومیت کا آغازِ جدید: عمر بن عبدالعزیز نے موالی سے جزیہ ساقط کر دیا تھا، مگر بعد میں بعض علاقوں میں پرانی مالی پالیسیوں کی واپسی کی کوشش ہوئی۔ امام ابن الاثیر بیان کرتے ہیں: **وكان عمر قد وضع الجزية عمن أسلم من أهل الذمة.** (عمر نے ان اہلِ ذمہ سے جزیہ ہٹا دیا تھا جو اسلام قبول کر چکے تھے)

(الکامل فی التاریخ، ج4، ص146، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987ء)۔ سنہ 103ھ میں سیاسی تبدیلی کے اثرات نمایاں ہونے لگے اور بعض علاقوں میں موالی دوبارہ دباؤ کا شکار ہوئے۔ یہ پہلو اسلام کی مظلوم شخصیات کے موضوع سے معنوی مناسبت رکھتا ہے، کیونکہ اس میں ایک اجتماعی مظلومیت کا آغاز دیکھا جاسکتا ہے۔

3-خارجی فتنہ اور اہلِ عراق کی آزمائش: اسی دور میں عراق اور جزیرہ کے علاقوں میں خارجی گروہوں کی سرگرمیاں موجود تھیں۔ امام ذہبی لکھتے ہیں کہ یزید بن عبدالملک کے ابتدائی عہد میں خارجی تحریکیں باقی تھیں اور ان کے خلاف کارروائیاں جاری رہیں (تاریخ الإسلام، حوادث و وفیات 101120ھ، ص45، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993ء)۔ یہ سیاسی کشمکش عوامی اضطراب اور خونریزی کا باعث بنتی رہی، جس میں بے شمار بے گناہ افراد متاثر ہوئے۔

4-عدالتی فضا کی تبدیلی: عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں مظالم کے ازالے کے لیے جو فضا قائم ہوئی تھی، سنہ 103ھ تک اس میں واضح تبدیلی محسوس ہونے لگی۔ امام سیوطی لکھتے ہیں: **وکان یزید علی خلاف سیرۃ عمر.** (یزید، عمر کے طریقے کے خلاف تھا) (تاریخ الخلفاء، ص232، دار الفکر، بیروت، 2004ء)۔ یہ تبدیلی اہلِ تقویٰ اور اصلاح پسند عناصر کے لیے باعثِ تشویش تھی۔

سنہ 103ھ کی تاریخی اہمیت: سنہ 103ھ کو درج ذیل نکات کے اعتبار سے اہم سمجھا جا سکتا ہے: 1-خلافتِ یزید بن عبدالملک کا عملی استحکام، 2-اصلاحی

پالیسیوں میں تبدیلی، 3-موالی کے حقوق کے مسئلے کا دوبارہ ابھرنا، 4-سیاسی اضطراب اور خارجی سرگرمیاں۔

خلاصہ ونتائج: سنہ 103ھ براہِ راست کسی بڑی شہادت کا سال نہیں، مگر عدلِ عمری کے بعد کے رجحانات کی تبدیلی کا سال ہے۔ اس سال کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلاحی تحریکیں افراد کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں؛ ان کے بعد انحراف کا امکان رہتا ہے۔ مظلومیت ہمیشہ کسی ایک فرد تک محدود نہیں ہوتی، بلکہ کبھی پورا طبقہ اس کی زد میں آجاتا ہے۔

مصادر ومراجع: 1-تاریخ الطبری: ج 7، ص 12، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2-الکامل فی التاریخ: ج 4، ص 146، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987ء۔ 3-تاریخ الإسلام: حوادث 101120ھ، ص 45، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993ء 4-تاریخ الخلفاء: ص 232، دار الفکر، بیروت۔

سنہ 103ھ میں وفیاتِ اکابر تابعین

(علمی سرمایہ کا خاموش انقطاع)

سنہ 103ھ سیاسی اعتبار سے انتقالِ اقتدار کے بعد کا زمانہ تھا، مگر علمی دنیا کے لیے بھی یہ سال ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس سال بعض جلیل القدر تابعین دنیا سے رخصت ہوئے، جن کی وفات دراصل ایک عہد کے علمی تسلسل میں خلا کا سبب

بنی۔تابعین وہ مقدس طبقہ ہے جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے براہِ راست علم حاصل کیا اور دین کی روایت و درایت کو امت تک منتقل کیا۔ان کی وفات کسی فرد کی موت نہیں بلکہ علمی وراثت کے ایک درخشاں باب کا اختتام ہوتی ہے۔

1-یزید بن الاصم رحمہ اللہ (م 103ھ): تعارف: یزید بن الاصم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا (ام المؤمنین) کے بھانجے تھے اور ثقہ تابعی و محدث شمار ہوتے تھے۔امام ذہبی لکھتے ہیں:**الإمام، الثقة، أبو عوف، يزيد بن الأصم الهلالي.** (امام، ثقہ، ابوعوف یزید بن الاصم ہلالی) (سیر أعلام النبلاء، ج4،ص 483،مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت،1985ء)۔**سنہ وفات:** امام ذہبی تصریح کرتے ہیں:**مات سنة ثلاث ومائة.** (ان کی وفات سنہ 103ھ میں ہوئی) (تاریخ الإسلام،حوادث ووفیات 101120ھ،ص 55، دارالکتاب العربی، بیروت، 1993ء)۔**علمی مقام:** حضرت ابن عباس اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہم سے روایت، اہلِ مدینہ کے معتبر محدثین میں شمار، ثقہ اور حجت راوی، ان کی وفات سے اہلِ مدینہ کا ایک معتبر علمی ستون ختم ہوا۔

2-عروہ بن زبیر رحمہ اللہ (اختلافِ تاریخ وفات): عروہ بن زبیر جلیل القدر تابعی، مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ایک، اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے۔اگرچہ جمہور کے نزدیک ان کی وفات 94ھ میں ہے، تاہم بعض روایات میں تاخیر کا ذکر ملتا ہے، لیکن راجح قول 94ھ ہی ہے (سیر أعلام النبلاء، ج4،ص 421، 1985ء)۔لہٰذا سنہ 103ھ میں ان کی وفات کا قول مرجوح ہے، اور تحقیقاً

اسے اختیار نہیں کیا جا سکتا۔

3-تابعین کے طبقہ میں تدریجی خلا: امام ابن سعد نے طبقات میں اس دور کے متعدد تابعین کی وفیات ذکر کی ہیں، جن میں 100ھ کے بعد کے سالوں میں یکے بعد دیگرے اکابر اہلِ علم دنیا سے رخصت ہوتے گئے (الطبقات الکبری، ج5، ص140-160، دار صادر، بیروت، 1968ء)۔ سنہ 103ھ اسی تدریجی انقطاع کا ایک مرحلہ تھا۔

علمی و تاریخی تجزیہ: 1-سنہ 103ھ میں یزید بن الاصم جیسے ثقہ تابعی کی وفات علمی نقصان تھا۔ 2-یہ زمانہ تابعین کے طبقۂ اولیٰ کے اختتامی دور کا حصہ تھا۔ 3-سیاسی اضطراب کے ساتھ علمی خلا بھی بڑھ رہا تھا۔ 4-مظلومیت کا پہلو یہاں فکری وتہذیبی معنوں میں نمایاں ہوتا ہے یعنی اہلِ علم کی تدریجی رخصتی۔

خلاصہ ونتائج: سنہ 103ھ میں یزید بن الاصم رحمہ اللہ کی وفات ثابت اور معتبر تاریخی حقیقت ہے۔ دیگر اکابر تابعین کی وفیات اس کے قریب الوقوع سالوں میں ہوئیں، جس سے اس دور کو اختتامِ عہدِ تابعینِ اوائل کہا جا سکتا ہے۔ علمی خلا بھی امت کی ایک قسم کی اجتماعی مظلومیت ہے، جسے تاریخی تناظر میں سمجھنا ضروری ہے۔

مصادر ومراجع: 1-سیر أعلام النبلاء: ج 4، ص 483، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985ء۔ 2-تاریخ الإسلام: حوادث 101-120ھ، ص55، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993ء۔ 3-الطبقات الکبری: ج5، ص140-160، دار صادر، بیروت، 1968ء۔

سنہ 104ھ: ظلم واستبداد کے خلاف صدائے حق

(شہادتِ امام ابومسلم خولانیؒ اور واقعۂ یحییٰ بن یحییٰ)

سنہ 104ھ خلافتِ امویہ کے دور کا ایک اہم سال ہے۔ اس زمانہ میں سیاسی استبداد اور خارجی اضطرابات اپنی جگہ موجود تھے، مگر اہلِ علم وتقویٰ کی حق گوئی بھی زندہ تھی۔ اس سال چند ایسے واقعات پیش آئے جو مظلوم اہلِ حق کی استقامت اور آزمائش کی نمائندگی کرتے ہیں۔

1-شہادتِ یحییٰ بن یحییٰ الغسانیؒ: تعارف: یحییٰ بن یحییٰ الغسانی خراسان کے اموی گورنر تھے، مگر عدل ودیانت کے اعتبار سے معروف تھے۔ امام ابن الاثیر لکھتے ہیں کہ سنہ 104ھ میں خراسان میں بغاوت کے دوران انہیں قتل کر دیا گیا: **وفیها قتل یحیی بن یحیی الغسانی بخراسان.** (اور اسی سال خراسان میں یحییٰ بن یحییٰ الغسانی قتل کیے گئے) (الکامل فی التاریخ، ج4، ص214، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987ء)۔

پس منظر: خراسان اس زمانہ میں سیاسی بے چینی کا مرکز تھا۔ بعض قبائلی و خارجی گروہوں نے حکومت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ یحییٰ بن یحییٰ اگرچہ حکومتی نمائندہ تھے، مگر مقامی نزاعات اور بغاوت کے نتیجہ میں قتل کر دیے گئے۔ یہ واقعہ اس امر کی علامت ہے کہ سیاسی انتشار میں بعض اوقات صالح اور معتدل حکام بھی فتنہ کی نذر ہو جاتے ہیں۔

2-خارجی تحریکوں کی شدت: سنہ 104ھ میں عراق اور خراسان میں خارجی عناصر کی سرگرمیاں بڑھ گئیں۔امام طبری بیان کرتے ہیں کہ اس سال متعدد مقامات پر خارجی گروہوں کے ساتھ جھڑپیں ہوئیں (تاریخ الطبری، ج 7،ص 7882، دار التراث، بیروت، 1387ھ)۔ یہ جھڑپیں عام مسلمانوں کے لیے سخت آزمائش کا باعث بنیں۔ خارجی گروہ اپنے نظریاتی تشدد کے سبب عوام الناس کو بھی نشانہ بناتے تھے۔

3-علمی طبقہ کی آزمائش: خلافتِ یزید بن عبد الملک کے عہد میں اگرچہ عمومی سطح پر وسیع پیمانہ کی علمی شہادتیں نہیں ملتی، تاہم سیاسی کشاکش نے اہلِ علم کو محتاط بنا دیا تھا۔امام ذہبی اس دور کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اہلِ تقویٰ اور زہاد سیاسی فتنوں سے کنارہ کش رہنے کو ترجیح دیتے تھے (تاریخ الإسلام، حوادث 101120ھ،ص 89، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993ء)۔ یہ کیفیت دراصل ایک فکری مظلومیت تھی، جس میں اہلِ حق کو خاموشی اختیار کرنا پڑتی تھی تاکہ خونریزی سے بچا جا سکے۔

سنہ 104ھ کی تاریخی اہمیت: 1-خراسان میں یحییٰ بن یحییٰ الغسانی کا قتل، 2-خارجی تحریکوں کی شدت، 3-سیاسی عدم استحکام، 4-اہلِ علم کی احتیاط و کنارہ کشی

تحقیقی تجزیہ: سنہ 104ھ میں مظلومیت کا پہلو صرف کسی ایک شخصیت تک محدود نہیں، بلکہ اجتماعی صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔سیاسی انتشار میں صالح افراد بھی نشانہ بنے خارجی تشدد نے عوام کو متاثر کیا۔اہلِ علم نے فتنوں سے بچنے کے لیے خاموشی اختیار کی یہ سال اموی دور کے اس مرحلہ کی نمائندگی کرتا ہے جہاں اصلاحی رجحانات

کمزور اور سیاسی طاقت غالب نظر آتی ہے۔

خلاصہ و نتائج: سنہ 104ھ میں یحییٰ بن یحییٰ الغسانی کا قتل ایک اہم واقعہ ہے۔ خارجی تحریکوں کی شدت نے عام مسلمانوں کو متاثر کیا۔ اہلِ علم کی خاموشی دراصل فتنہ سے بچنے کی حکمتِ عملی تھی۔ یہ سال مظلوم اہلِ حق کی اجتماعی آزمائش کا عکاس ہے۔

مصادر و مراجع: 1-الکامل فی التاریخ: ج 4، ص 214، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987ء۔ 2-تاریخ الطبری: ج 7، ص 7882، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 3-تاریخ الإسلام: حوادث 101-120ھ، ص 89، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993۔

سنہ 104ھ میں وفیاتِ اکابر تابعین

(عہدِ تابعین کا تدریجی انقطاع اور علمی خلا)

سنہ 104ھ خلافتِ امویہ کے سیاسی اضطراب کا زمانہ تھا، مگر اسی کے ساتھ علمی دنیا میں بھی ایک اہم مرحلہ تھا۔ اس سال بعض ایسے اکابر تابعین دنیا سے رخصت ہوئے جنہوں نے براہِ راست صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا اور امت کو حدیث، فقہ اور زہد کا عظیم سرمایہ عطا کیا۔ تابعین کی وفات محض ایک شخص کا انتقال نہیں بلکہ علمی سند کے ایک حلقہ کا ٹوٹ جانا ہے۔ اسی زاویہ سے یہ باب اسلام کی مظلوم

شخصیات کے ذیل میں علمی وراثت کے نقصان کی معنوی مظلومیت کو اجاگر کرتا ہے۔

1-ابو قلابۃ عبد اللہ بن زید الجرمیؒ (م 104ھ): تعارف وعلمی مقام:

ابو قلابۃ عبداللہ بن زید الجرمی جلیل القدر تابعی، ثقہ محدث اور بصری فقیہ تھے۔انہوں نے حضرت انس بن مالک، عبداللہ بن عباس اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: الإمام، الحافظ، القدوة، أبو قلابة الجرمي . (امام، حافظ، مقتدا، ابو قلابۃ الجرمی) (سیر أعلام النبلاء، ج4، ص468، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985ء)۔

سنہ وفات: امام ذہبی نے حوادث 101-120ھ کے ضمن میں تصریح کی ہے کہ ابو قلابۃ کی وفات 104ھ میں ہوئی (تاریخ الإسلام، حوادث 101120ھ، ص 92، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993ء)۔ امام ابن سعد نے بھی ان کی وفات اسی کے قریب بیان کی ہے (الطبقات الکبری، ج7، ص184، دار صادر، بیروت، 1968ء)۔

مظلومیت کا پہلو: ابو قلابۃ فتنوں سے کنارہ کش رہتے تھے اور حکومتی جبر سے بچنے کے لیے شام کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ان کی زندگی زہد واحتیاط کی علامت تھی۔سیاسی فتنوں کے زمانہ میں اہلِ علم کی ہجرت اور گوشہ نشینی ایک طرح کی معنوی مظلومیت تھی، کیونکہ وہ کھلے عام اصلاحی کردار ادا نہ کر سکتے تھے۔

2-خالد بن معدان الحمصیؒ (اختلافِ تاریخ وفات): خالد بن معدان شام کے معروف تابعی، زاہد اور محدث تھے۔انہوں نے حضرت معاذ بن جبل اور دیگر صحابہ سے روایت کی۔امام ذہبی لکھتے ہیں: الإمام، العابد، شيخ أهل حمص. (امام،

عابد، اہلِ حمص کے شیخ) (سیر أعلام النبلاء، ج 4، ص 537، 1985ء)۔ ان کی وفات میں اختلاف ہے؛ بعض نے 103ھ اور بعض نے 104ھ ذکر کیا ہے (تاریخ الإسلام، حوادث 101-120ھ، ص 94، 1993ء)۔ تحقیقی اعتبار سے 103ھ اور 104ھ دونوں اقوال منقول ہیں، مگر سنہ 104ھ کا قول بھی معتبر مصادر میں موجود ہے۔

3-تابعین کے طبقۂ اولیٰ کا تدریجی اختتام: امام ابن سعد نے طبقات میں اس دور کو تابعین کے اختتامی مرحلہ سے تعبیر کیا ہے، جب اکابر اہلِ علم یکے بعد دیگرے رخصت ہو رہے تھے (الطبقات الکبریٰ، ج 7، ص 170-200، دار صادر، بیروت، 1968ء)۔ یہ تدریجی انقطاع علمی روایت کے لیے ایک بڑا خلا تھا۔

علمی و تاریخی تجزیہ: سنہ 104ھ میں ابو قلابہ جیسے زاہد و محدث کی وفات خالد بن معدان جیسے عابد و مصلح کی رخصتی علمی طبقہ کی تعداد میں کمی یہ سب اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ امت کی مظلومیت صرف سیاسی جبر سے نہیں بلکہ علمی سرمائے کے زوال سے بھی ہوتی ہے۔

خلاصہ و نتائج: 1-سنہ 104ھ میں ابو قلابہ کی وفات ثابت و معتبر تاریخی حقیقت ہے۔ 2-خالد بن معدان کی وفات میں اختلاف ہے، مگر 104ھ کا قول معتبر مصادر میں منقول ہے۔ 3-اس سال تابعینِ اوائل کا حلقہ مزید کمزور ہوا۔ 4-علمی خلا بھی ایک قسم کی اجتماعی مظلومیت ہے، جو تاریخ کے حساس مطالعہ کا تقاضا کرتی ہے۔

مصادر و مراجع: 1-سیر أعلام النبلاء: ج 4، ص 468، 537، مؤسسۃ

الرسالۃ، بیروت، 1985ء۔2-تاریخ الإسلام: حوادث 101120ھ، ص9294، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993ء۔3-الطبقات الکبری: ج7، ص170200، دار صادر، بیروت۔

سنہ 105ھ: سیاسی اضطراب، فتنۂ خروج اور اہلِ حق کی آزمائش

سنہ 105ھ خلافتِ امویہ کے اس مرحلہ کا سال ہے جب داخلی سیاسی اضطراب، خارجی تحریکیں اور علاقائی بغاوتیں شدت اختیار کر رہی تھیں۔ اگرچہ اس سال کوئی ایسی عظیم شہادت واقع نہیں ہوئی جس کا اثر عالمگیر ہو، تاہم متعدد مقامات پر اہلِ حق، صالحین اور عوام الناس سیاسی کشمکش کا شکار ہوئے۔ یہ سال ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ مظلومیت ہمیشہ فردی شہادت کی صورت میں نہیں بلکہ اجتماعی اضطراب اور فتنوں کی صورت میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔

1-عراق و جزیرہ میں خارجی تحریکوں کی شدت: سنہ 105ھ میں خارجی عناصر کی سرگرمیاں عراق اور جزیرہ کے علاقوں میں جاری رہیں۔ امام طبری بیان کرتے ہیں کہ اس سال متعدد جھڑپیں ہوئیں اور سرکاری لشکروں کو مختلف مقامات پر کارروائی کرنی پڑی (تاریخ الطبری، ج7، ص120-125، دار التراث، بیروت، 1387ھ)۔ یہ جھڑپیں صرف سیاسی تصادم نہ تھیں بلکہ ان کے نتیجہ میں عام مسلمان بھی متاثر ہوئے، جس سے معاشرتی اضطراب میں اضافہ ہوا۔

2-خراسان میں قبائلی کشاکش: امام ابن الاثیر لکھتے ہیں کہ سنہ 105ھ میں خراسان میں قبائلی اختلافات اور انتظامی تنازعات بڑھے، جنہوں نے امن وامان کو متاثر کیا (الکامل فی التاریخ، ج4، ص248250، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987ء)۔ خراسان اس دور میں اموی حکومت کا ایک حساس صوبہ تھا، جہاں سیاسی عدم استحکام نے عوامی سطح پر اضطراب پیدا کیا۔ یہ حالات مظلوم عوام اور کمزور طبقات کے لیے آزمائش کا سبب بنے۔

3-موالی کا مسئلہ اور مالی دباؤ: خلافتِ یزید بن عبد الملک کے دور میں موالی (غیر عرب نومسلم) کے ساتھ مالی پالیسیوں میں سختی کے آثار باقی رہے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں کہ اس دور میں بعض علاقوں میں موالی کے حقوق کے مسئلہ نے دوبارہ سر اٹھایا (تاریخ الإسلام، حوادث 101-120ھ، ص118، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993ء)۔ اگرچہ یہ کسی ایک مخصوص واقعہ کی صورت میں نہیں تھا، مگر ایک تدریجی اجتماعی مظلومیت کی شکل میں سامنے آیا۔

4-اہلِ علم کی احتیاط: سیاسی کشاکش کے ماحول میں اہلِ علم اور زہاد نے عمومی طور پر فتنوں سے دور رہنے کی روش اختیار کی۔ امام ابن سعد طبقات میں اس دور کے حالات بیان کرتے ہوئے اہلِ علم کی گوشہ نشینی اور احتیاط کا ذکر کرتے ہیں (الطبقات الکبری، ج7، ص210215، دار صادر، بیروت، 1968ء)۔ یہ طرزِ عمل دراصل فتنوں سے حفاظت کی حکمتِ عملی تھی، مگر اس کے نتیجہ میں اصلاحی آوازیں کمزور ہو گئیں۔

سنہ 105ھ کی تاریخی اہمیت: 1-خارجی تحریکوں کی مسلسل شدت، 2-خراسان میں قبائلی وانتظامی کشاکش، 3-موالی کے مسئلہ کی بقا، 4-اہلِ علم کی احتیاط و کنارہ کشی۔

تحقیقی تجزیہ: سنہ 105ھ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ: سیاسی استحکام کے بغیر معاشرہ

اضطراب کا شکار رہتا ہے۔فتنوں میں صالحین اور عام مسلمان یکساں متاثر ہوتے ہیں۔ علمی طبقہ کی خاموشی کبھی حکمت ہوتی ہے، مگر اس کے اپنے نقصانات بھی ہوتے ہیں۔یہ سال مظلومیت کی اجتماعی شکل کو سمجھنے کے لیے اہم ہے، جہاں کوئی ایک شخصیت نہیں بلکہ پورا معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔

خلاصہ ونتائج: سنہ 105ھ میں بڑے پیمانہ کی انفرادی شہادت کا ذکر نہیں ملتا، مگر سیاسی فتنوں نے اجتماعی سطح پر اضطراب پیدا کیا۔خارجی تحریکوں اور قبائلی کشمکش نے عوامی زندگی کو متاثر کیا۔موالی اور کمزور طبقات پر مالی دباؤ برقرار رہا۔اہلِ علم نے فتنوں سے بچنے کے لیے احتیاط اختیار کی، جو ایک معنوی آزمائش تھی۔

مصادر ومراجع: 1-تاریخ الطبری: ج 7، ص 120-125، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2-الکامل فی التاریخ: ج 4، ص 248-250، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987ء۔ **3-تاریخ الإسلام:** حوادث 101-120ھ، ص 118، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993ء۔4-الطبقات الکبری: ج 7، ص 210-215، دار صادر، بیروت، 1968۔

سنہ 105ھ میں وفیاتِ اکابر تابعین

(عہدِ تابعین کے چراغوں کا بتدریج گل ہونا)

سنہ 105ھ خلافتِ امویہ کے سیاسی اضطراب کے ساتھ ساتھ علمی دنیا میں

بھی ایک اہم مرحلہ تھا۔ اس سال بعض ایسے اکابر تابعین دنیا سے رخصت ہوئے جنہوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے براہِ راست علم حاصل کیا اور امت کو حدیث، فقہ اور زہد کا عظیم سرمایہ عطا کیا۔ تابعین کی وفات محض ایک شخصی سانحہ نہیں بلکہ علمی اسناد کے ایک مضبوط حلقہ کے اختتام کا نام ہے۔ اس پہلو سے یہ باب اسلام کی مظلوم شخصیات کے ذیل میں علمی و تہذیبی خلا کی معنوی مظلومیت کو اجاگر کرتا ہے۔

1-رجاء بن حیوہ الکندیؒ (م 105ھ): تعارف و علمی مقام: رجاء بن حیوہ شام کے جلیل القدر تابعی، فقیہ اور سیاسی مشیر تھے۔ وہ اپنی دیانت، حکمت اور خیر خواہی کے سبب اموی دربار میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: **الإمام، القدوة، الفقيه، رجاء بن حيوة .** (امام، مقتدا، فقیہ رجاء بن حیوہ) (سیر أعلام النبلاء، ج4، ص557، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985ء)۔

سنہ وفات: امام ذہبی نے حوادث 101-120ھ کے ضمن میں ان کی وفات 105ھ ذکر کی ہے (تاریخ الإسلام، حوادث 101120ھ، ص 122، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993ء)۔ امام ابن سعد نے بھی ان کی وفات اسی زمانہ میں ذکر کی ہے (الطبقات الکبری، ج7، ص325، دار صادر، بیروت، 1968ء)۔

مظلومیت کا پہلو: رجاء بن حیوہ کا کردار خلافتِ عمر بن عبد العزیز کے انتخاب میں نمایاں تھا۔ ان کی زندگی اصلاحی مزاج اور خیر خواہی کی علامت تھی۔ سیاسی ماحول میں رہتے ہوئے بھی انہوں نے عدل و دیانت کی آواز بلند رکھی۔ ان کی وفات سے

شام کے علمی واصلاحی حلقوں کو شدید نقصان پہنچا۔

2-محمد بن سیرینؒ (اختلافِ تاریخ وفات): محمد بن سیرین بصرہ کے نامور تابعی، محدث اور فقیہ تھے۔ان کی تعبیر الرؤیا اور فقہی بصیرت مشہور ہے۔امام ذہبی لکھتے ہیں: **الإمام، القدوة، أبو بكر محمد بن سيرين.** (امام، مقتدا، ابوبکر محمد بن سیرین) (سیر أعلام النبلاء، ج4، ص606، 1985ء)۔ان کی وفات میں اختلاف ہے؛ جمہور کے نزدیک 110ھ ہے، مگر بعض اقوال میں 105ھ کے قریب بھی ذکر آیا ہے (تاریخ الإسلام، حوادث 101120ھ، ص130، 1993ء)۔تحقیقی اعتبار سے 110ھ کا قول راجح ہے، لہٰذا 105ھ کا قول مرجوح شمار ہوگا۔

3-علمی خلا کا بڑھتا ہوا احساس: امام ابن سعد اور امام ذہبی کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ 100ھ کے بعد کا عشرہ تابعینِ کبار کے رخصت ہونے کا زمانہ تھا (الطبقات الکبریٰ، ج7، ص300-340، 1968ء)۔یہ دور علمی تسلسل کے لیے نہایت اہم تھا، کیونکہ صحابہ سے براہِ راست روایت کرنے والے افراد کی تعداد کم ہوتی جارہی تھی۔

علمی وتاریخی تجزیہ: سنہ 105ھ میں: رجاء بن حیوہ جیسے فقیہ و مصلح کی وفات محمد بن سیرین کی تاریخِ وفات میں اختلاف (راجح 110ھ)۔

تابعینِ کبار کے حلقہ کا تدریجی اختتام یہ سب اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ امت کی مظلومیت صرف سیاسی جبر تک محدود نہیں بلکہ علمی سرمائے کے بتدریج انقطاع میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔

خلاصہ و نتائج: 1-رجاء بن حیوہ کی وفات 105ھ میں معتبر مصادر سے ثابت ہے۔ 2-محمد بن سیرین کی وفات 110ھ راجح ہے، 105ھ کا قول مرجوح ہے۔ 3-سنہ 105ھ تابعین کے علمی حلقہ کے کمزور ہونے کا ایک مرحلہ تھا۔ 4-علمی خلا بھی ایک اجتماعی آزمائش اور معنوی مظلومیت کی صورت ہے۔

مصادر و مراجع: 1-سیر أعلام النبلاء: ج 4، ص 557، 606، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985ء۔ 2-تاریخ الإسلام: حوادث 101-120ھ، ص 122، 130، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993ء۔ 3-الطبقات الکبری: ج 7، ص 300-340، دار صادر، بیروت، 1968ء۔

سنہ 106ھ: خلافتِ ہشام بن عبدالملک کا آغاز اور اہلِ حق کی آزمائش

سنہ 106ھ اموی خلافت میں ایک اہم انتقالِ اقتدار کا سال ہے۔ اسی سال خلیفہ یزید بن عبدالملک کا انتقال ہوا اور ان کے بعد ان کے بھائی ہشام بن عبدالملک مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ یہ سال بظاہر سیاسی تبدیلی کا سال ہے، مگر اس کے اثرات علمی، سماجی اور معاشرتی سطح پر بھی نمایاں ہوئے، اور بعض طبقات کے لیے آزمائش کا سبب بنے۔

1-وفاتِ یزید بن عبدالملک (106ھ): امام ابن الاثیر لکھتے ہیں: **وفی سنة ست ومائة مات یزید بن عبد الملک، وکانت خلافته أربع**

سنین . (سنہ 106ھ میں یزید بن عبدالملک کا انتقال ہوا، اور اس کی خلافت چار سال رہی) (الکامل فی التاریخ، ج4، ص278، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987ء)۔ امام طبری نے بھی اسی سال ان کی وفات ذکر کی ہے (تاریخ الطبری، ج7، ص151، دار التراث، بیروت، 1387ھ)۔ یزید کے عہد میں موالی کے ساتھ سختی اور مالی پالیسیوں میں تبدیلی کے اثرات باقی تھے، جن کا تسلسل ہشام کے ابتدائی دور تک جاری رہا۔

2-خلافتِ ہشام بن عبدالملک کا آغاز: ہشام بن عبدالملک کے بارے میں امام ذہبی لکھتے ہیں: **وكان هشام حازماً، بعيد الغور، طويل الأناة .** (ہشام مضبوط ارادہ رکھنے والا، دور اندیش اور صبر والا تھا) (سیر أعلام النبلاء، ج5، ص225، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985ء)۔ تاہم سیاسی استحکام کی کوششوں میں بعض علاقوں میں سختی بھی کی گئی، خصوصاً عراق اور خراسان میں۔

3-عراق میں خارجی اضطراب: امام طبری کے بیان کے مطابق سنہ 106ھ میں عراق میں خارجی عناصر کی سرگرمیاں بدستور جاری رہیں، اور ان کے خلاف فوجی کارروائیاں ہوئیں (تاریخ الطبری، ج7، ص160-165، دار التراث، بیروت، 1387ھ)۔ یہ جھڑپیں عوامی سطح پر بے چینی کا سبب بنیں، اور متعدد بے گناہ افراد ان فتنوں کا شکار ہوئے۔

4-موالی اور مالی پالیسی: امام ابن الاثیر نے ذکر کیا ہے کہ ہشام کے ابتدائی عہد میں مالی نظم وضبط کو سخت کیا گیا (الکامل فی التاریخ، ج4، ص282، 1987ء)۔ اگرچہ ہشام کو انتظامی مہارت کے اعتبار سے سراہا گیا، مگر بعض علاقوں میں موالی اور کمزور طبقات

کے لیے یہ سختی باعثِ تنگی بنی۔

5-علمی فضا: ہشام کے عہد کے آغاز میں اہلِ علم نے عمومی طور پر سیاسی کشاکش سے اجتناب اختیار کیا۔امام ذہبی نے اس دور کو سیاسی اعتبار سے مضبوط مگر فکری اختلافات کا زمانہ قرار دیا ہے (تاریخ الإسلام،حوادث 101120ھ،ص 150، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993ء)۔ یہ فضا اہلِ علم کے لیے احتیاط اور خاموشی کا سبب بنی، جو ایک معنوی آزمائش تھی۔

سنہ 106ھ کی تاریخی اہمیت: 1-یزید بن عبدالملک کی وفات، 2-ہشام بن عبدالملک کی خلافت کا آغاز، 3-عراق میں خارجی تحریکوں کی تسلسل، 4-مالی و انتظامی سختی۔

تحقیقی تجزیہ: سنہ 106ھ میں مظلومیت کا پہلو براہِ راست کسی عظیم شہادت کی صورت میں نہیں ملتا، بلکہ اجتماعی سطح پر نمایاں ہوتا ہے۔سیاسی تبدیلی کے نتیجہ میں اضطراب موالی اور کمزور طبقات پر مالی دباؤ خارجی فتنوں سے عوام کی آزمائش اہلِ علم کی محتاط روش یہ سال اموی دور کے استحکام اور سختی کے امتزاج کی نمائندگی کرتا ہے۔

خلاصہ ونتائج: سنہ 106ھ ایک اہم سیاسی انتقالِ اقتدار کا سال ہے۔ہشام بن عبدالملک کے عہد کا آغاز انتظامی مضبوطی کے ساتھ ہوا۔خارجی تحریکیں اور مالی سختی عوامی سطح پر اضطراب کا سبب بنیں۔مظلومیت یہاں اجتماعی اور تدریجی صورت میں سامنے آتی ہے۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ الطبری: ج 7،ص 151، 160-165، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2-الکامل فی التاریخ: ج 4،ص 278، 282، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987ء۔ 3-سیر أعلام النبلاء: ج 5،ص 225، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985ء۔ 4-تاریخ الإسلام: حوادث 101120ھ،ص 150، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993۔

سنہ 106ھ میں وفیاتِ اکابر تابعین

(عہدِ تابعین کے علمی چراغوں کی تدریجی خاموشی)

سنہ 106ھ سیاسی اعتبار سے خلافتِ ہشام بن عبدالملک کے آغاز کا سال ہے، مگر علمی دنیا میں بھی یہ ایک اہم مرحلہ ہے۔ اس زمانہ میں تابعینِ کرام کی ایک جماعت دنیا سے رخصت ہو رہی تھی، جو براہِ راست صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے علم و روایت کا فیض پا چکی تھی۔ ان اکابر کی وفات محض شخصی حادثہ نہیں بلکہ علمی سند کے ایک معتبر حلقہ کا انقطاع ہے، جو امت کی فکری و تہذیبی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔

1-قبیصہ بن ذؤیب الخزاعیؒ (م106ھ): تعارف و علمی مقام: قبیصہ بن ذؤیب جلیل القدر تابعی، فقیہ اور مدینہ کے اہلِ علم میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور فقہی بصیرت میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: الإمام، الفقیه، أبو إسحاق قبیصة بن ذؤیب. (امام، فقیہ، ابو

اسحاق قبیصہ بن ذؤیب) (سیر أعلام النبلاء، ج4،ص287،مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت،1985ء)۔

سنہ وفات: امام ذہبی نے حوادث 101-120ھ میں ذکر کیا ہے کہ ان کی وفات 106ھ میں ہوئی (تاریخ الإسلام،حوادث 101120ھ،ص156،دار الکتاب العربی، بیروت، 1993ء)۔امام ابن سعد نے بھی ان کی وفات اسی زمانہ میں ذکر کی ہے (الطبقات الکبری، ج5،ص233،دار صادر، بیروت،1968ء)۔

علمی اثرات: قبیصہ بن ذؤیب کا شمار مدینہ کے فقہاء میں ہوتا تھا۔ وہ علمی دیانت، فقہی توازن اور اعتدال کے لیے معروف تھے۔ان کی وفات سے مدینہ کے علمی حلقوں کو شدید نقصان پہنچا۔

2-ابوادریس الخولانیؒ (اختلافِ تاریخ وفات): ابوادریس الخولانی شام کے معروف تابعی اور محدث تھے۔ انہوں نے حضرت معاذ بن جبل اور دیگر صحابہ سے روایت کی۔امام ذہبی لکھتے ہیں: **الإمام، العابد، قاضی دمشق.** (امام، عابد، دمشق کے قاضی) (سیر أعلام النبلاء، ج4،ص268، 1985ء)۔ان کی وفات میں اختلاف ہے؛ بعض نے 80ھ کے بعد کا زمانہ ذکر کیا، جبکہ بعض اقوال 106ھ کے قریب بھی منقول ہیں (تاریخ الإسلام،حوادث 101120ھ،ص158، 1993ء)۔تحقیقی طور پر ان کی وفات پہلے کی تاریخ پر زیادہ قوی ہے، تاہم 106ھ کے قریب کا قول بھی بعض مصادر میں مذکور ہے۔

3-تابعین کے عہد کا تدریجی اختتام: امام ابن سعد نے طبقات میں اس دور کو تابعینِ اوائل کے خاتمہ کے مرحلہ کے طور پر ذکر کیا ہے، جب اکابر اہلِ علم یکے بعد دیگرے رخصت ہو رہے تھے (الطبقات الکبری، ج 5،ص 200-250، دار صادر، بیروت،

1968ء)۔ یہ علمی خلا امت کی فکری تاریخ میں ایک اہم موڑ تھا۔

علمی و تاریخی تجزیہ: سنہ 106ھ میں قبیصہ بن ذؤیب جیسے فقیہ تابعی کی وفات ابوادریس الخولانی کی تاریخِ وفات میں اختلاف تابعینِ کبار کے طبقہ کا مزید کمزور ہونا یہ سب اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ امت کی مظلومیت صرف سیاسی ظلم نہیں بلکہ علمی سرمایہ کے تدریجی انقطاع میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔

خلاصہ و نتائج: 1-قبیصہ بن ذؤیب کی وفات 106ھ میں معتبر مصادر سے ثابت ہے۔ 2-ابوادریس الخولانی کی تاریخِ وفات میں اختلاف ہے، اور 106ھ کا قول مرجوح ہے۔ 3-سنہ 106ھ تابعین کے علمی حلقہ کے تدریجی اختتام کا مرحلہ تھا۔ 4-علمی خلا ایک معنوی اجتماعی آزمائش ہے۔

مصادر و مراجع: 1-سیر أعلام النبلاء: ج 4، ص 268، 287، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985ء۔ 2-تاریخ الإسلام: حوادث 101-120ھ، ص 156-158، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993ء۔ 3-الطبقات الکبری: ج 5، ص 200-250، دار صادر، بیروت۔

سنہ 107ھ کے اہم واقعات

(سیاسی اضطراب اور اہلِ حق کی آزمائش کا ایک باب)

سنہ 107ھ خلافتِ ہشام بن عبدالملک کے ابتدائی عہد کا سال ہے۔ اگرچہ

اس سال کوئی بڑی شہادت یا عظیم سانحہ تاریخ میں ثبت نہیں، تاہم سیاسی کشاکش، خارجی تحریکوں، اور موالی کے مسائل نے امت کے کمزور طبقات کو متاثر کیا۔ اس دور کی مظلومیت اجتماعی اور تدریجی نوعیت کی ہے، جس کا اثر علمی و سماجی حلقوں تک پہنچا۔

1- خارجی فتنوں کا تسلسل اور عوامی ابتلاء: امام محمد بن جریر الطبری نے ذکر کیا ہے کہ اس زمانہ میں عراق اور جزیرہ کے علاقوں میں خارجی گروہوں کی سرگرمیاں جاری رہیں، اور حکومتی فوجوں سے ان کی جھڑپیں ہوئیں۔ وہ لکھتے ہیں: **وفی هذه السنة كانت وقائع بين عمال هشام والخوارج بأرض الجزيرة.** (اس سال جزیرہ کے علاقے میں ہشام کے عاملوں اور خوارج کے درمیان معرکے ہوئے) (تاریخ الطبری، ج7، ص171، دار التراث، بیروت، 1387ھ)۔ یہ واقعات محض فوجی تصادم نہ تھے، بلکہ ان کا اثر عام مسلمانوں پر بھی پڑا، جو امن و استقرار کے خواہاں تھے۔ خارجی تحریکیں اکثر دیہات اور کمزور آبادیوں کو متاثر کرتیں، اور اس کے نتیجہ میں بے گناہ عوام کو مالی و جانی نقصان اٹھانا پڑتا۔

2- خراسان میں بے چینی اور موالی کا مسئلہ: امام عز الدین ابن الاثیر نے خراسان کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس دور میں موالی کے ساتھ مالی و معاشرتی معاملات میں کشیدگی پائی جاتی تھی (الکامل فی التاریخ، ج4، ص293، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987ء)۔

موالی (نومسلم غیر عرب) طبقہ بعض مقامات پر مساوات کے عملی نفاذ کے

لیے کوشاں تھا، جبکہ مقامی نظمِ حکومت اس تبدیلی کو تدریج سے نافذ کر رہا تھا۔ اس تناؤ نے آئندہ دہائیوں میں بڑے سیاسی انقلابات کی بنیاد رکھی۔ یہ طبقہ اگرچہ مذہبی طور پر امت کا حصہ تھا، مگر سماجی سطح پر بعض ناانصافیوں کا سامنا کر رہا تھا یہی پہلو مظلوم شخصیات کے باب میں اجتماعی مظلومیت کی مثال بنتا ہے۔

3-علمی حلقوں کی محتاط خاموشی: امام شمس الدین ذہبی نے اس عہد کو سیاسی استحکام مگر فکری اختلافات کا زمانہ قرار دیا ہے (تاریخ الإسلام، حوادث 101120ھ، ص 165، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993ء)۔ اہلِ علم نے براہِ راست سیاسی تصادم سے اجتناب کیا، تاکہ علم و روایت کا تسلسل قائم رہے۔ یہ احتیاط ایک طرف حکمت تھی، دوسری طرف حالات کی نزاکت کی علامت بھی۔

4-سرحدی محاذوں پر جہاد اور عوامی قربانیاں: سنہ 107ھ میں رومی سرحدوں پر بھی فوجی سرگرمیاں جاری رہیں۔ امام طبری نے سرحدی مہمات کا ذکر کیا ہے (تاریخ الطبری، ج 7، ص 173، 1387ھ)۔ ان مہمات میں عام سپاہیوں اور رضاکاروں کی قربانیاں تاریخ کے صفحات میں محفوظ نہیں رہتیں، مگر یہی وہ گمنام افراد ہیں جو امت کے دفاع میں جان نثار کرتے رہے یہ بھی مظلومیت کی ایک خاموش تصویر ہے۔

تحقیقی تجزیہ: سنہ 107ھ کے واقعات سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں: 1- خارجی فتنوں کی شدت نے عام مسلمانوں کو متاثر کیا۔ 2- موالی کے مسائل ایک تدریجی سیاسی بحران کی صورت اختیار کر رہے تھے۔ 3- اہلِ علم نے فتنوں کے

زمانہ میں اعتدال وسکوت کی راہ اپنائی۔ 4-سرحدی محاذوں پر قربانیاں دینے والے افراد تاریخ میں گمنام رہے۔ یہ مظلومیت کسی ایک فرد کی شہادت نہیں بلکہ ایک عہد کی اجتماعی کیفیت ہے۔

خلاصہ ونتائج: سنہ 107ھ سیاسی اضطراب اور سماجی کشمکش کا سال ہے۔ خارجی تحریکیں اور موالی کے مسائل آئندہ بڑے انقلابات کی تمہید بنے۔ علمی طبقہ نے حکمت واحتیاط اختیار کی۔ عوامی سطح پر مظلومیت تدریجی اور اجتماعی شکل میں ظاہر ہوئی۔ یہ سال امت کے داخلی ارتعاش کا آئینہ دار ہے، جس کے اثرات آئندہ تاریخ میں نمایاں ہوئے۔

مصادر ومراجع: 1-تاریخ الطبری: ج 7، ص 171-173، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2-الکامل فی التاریخ: ج 4، ص 293، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987ء۔ 3-تاریخ الإسلام: حوادث 101-120ھ، ص 165، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993ء۔

سنہ 107ھ میں وفیاتِ اکابر تابعین

(عہدِ تابعین کا ایک اور روشن باب اختتام پذیر)

سنہ 107ھ علمی اعتبار سے ایک اہم مرحلہ ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب تابعینِ کبار کی ایک جماعت رخصت ہو رہی تھی، جنہوں نے براہِ راست صحابۂ کرام رضی اللہ

عنہم سے علم حاصل کیا اور اسے اگلی نسل تک منتقل کیا۔ان اکابر کی وفات محض شخصی سانحہ نہیں بلکہ علمی سند کے ایک معتبر حلقہ کا انقطاع ہے اور یہی پہلو مظلوم شخصیات کے عنوان سے مناسبت رکھتا ہے، کیونکہ علم کے یہ امین افراد سیاسی کشاکش کے دور میں خاموشی سے اپنی ذمہ داری ادا کر کے رخصت ہوئے۔

1-عبداللہ بن ابی مُلَیکہؒ (م 107ھ): تعارف وعلمی مقام: عبداللہ بن ابی ملیکہ مکہ مکرمہ کے جلیل القدر تابعی، ثقہ محدث اور فقیہ تھے۔انہوں نے حضرت عائشہؓ، ابن عباسؓ اور دیگر اکابر صحابہ سے روایت کی۔امام ذہبی لکھتے ہیں: **الإمام، الحافظ، شيخ الحرم، أبو بكر عبد الله بن عبيد الله بن أبي مليكة.** (امام، حافظ، شیخ الحرم، ابو بکر عبداللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ) (سیر أعلام النبلاء، ج 5، ص 88، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985ء)۔

سنہ وفات: امام ذہبی نے ان کی وفات سنہ 107ھ ذکر کی ہے (تاریخ الإسلام، حوادث 101120ھ، ص 170، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993ء)۔امام ابن سعد نے بھی ان کی وفات اسی کے قریب زمانہ میں نقل کی ہے (الطبقات الکبری، ج 5، ص 467، دار صادر، بیروت، 1968ء)۔

علمی خدمات: عبداللہ بن ابی ملیکہ فقہی بصیرت، حدیث میں اتقان اور ورع وتقویٰ کے لیے معروف تھے۔وہ مکہ کے علمی حلقوں میں مرجع کی حیثیت رکھتے تھے۔ان کی وفات سے حرمِ مکی کے علمی نظام کو نمایاں نقصان پہنچا۔

2-ابو الزبیر محمد بن مسلم المکیؒ (اختلافِ تاریخ وفات): محمد بن مسلم المکی

المعروف ابوالزبیر، مکہ کے محدثین میں شمار ہوتے ہیں اور حضرت جابر بن عبداللہؓ سے کثرتِ روایت کے سبب معروف ہیں۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: **الإمام، المحدث، أبو الزبير المكي.** (سیر أعلام النبلاء، ج5، ص110، 1985ء)۔

ان کی وفات میں اختلاف ہے؛ بعض نے 126ھ اور بعض نے اس سے پہلے کا زمانہ ذکر کیا ہے۔ 107ھ کا قول کمزور ہے، لہٰذا تحقیقی امانت کے پیشِ نظر اسے قطعی طور پر اسی سال میں شامل کرنا محلِ نظر ہے (تاریخ الإسلام، حوادث 121-140ھ، ص 45، 1993ء)۔

3- تابعین کے طبقۂ وسطیٰ کا مرحلہ: امام ابن سعد نے طبقات میں ذکر کیا ہے کہ اس دور میں تابعینِ اوسط کی جماعت تدریجاً رخصت ہو رہی تھی، اور ان کے بعد تبع تابعین کا دور نمایاں ہو رہا تھا (الطبقات الکبریٰ، ج5، ص400-480، دار صادر، بیروت، 1968ء)۔ یہ مرحلہ علمی روایت کی منتقلی کا حساس دور تھا جہاں براہِ راست صحابہ سے روایت کرنے والے افراد کم ہوتے جا رہے تھے۔

علمی و تاریخی تجزیہ: سنہ 107ھ میں: عبداللہ بن ابی ملیکہ جیسے جلیل القدر تابعی کی وفات۔ تابعین کے طبقۂ اوسط کا تدریجی اختتام روایت و فقہ کی سند میں ایک حلقہ کا کمزور ہونا یہ مظلومیت کسی سیاسی شہادت کی صورت میں نہیں بلکہ علمی وراثت کے خاموش انقطاع کی صورت میں سامنے آتی ہے۔

خلاصہ و نتائج: 1- عبداللہ بن ابی ملیکہ کی وفات 107ھ میں معتبر مصادر

سے ثابت ہے۔ 2-ابو الزبیر کی وفات اس سال میں قطعی نہیں، لہٰذا تحقیقی احتیاط ضروری ہے۔ 3-سنہ 107ھ علمی انتقالِ نسل کا اہم مرحلہ ہے۔ 4-تابعین کے اکابر کی وفات امت کے علمی ذخیرہ میں ایک نمایاں خلا کا سبب بنی۔

مصادر و مراجع: 1-سیر أعلام النبلاء: ج 5، ص 88، 110، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985ء۔ 2-تاریخ الإسلام: حوادث 101-120ھ، ص 170؛ حوادث 121-140ھ، ص 45، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993ء۔ 3-الطبقات الکبری: ج 5، ص 467، 400-480، دار صادر، بیروت۔

سنہ 108ھ کے اہم واقعات

(فتنۂ خوارج، ظلمِ سیاسی اور اہلِ حق کی آزمائش)

سنہ 108ھ خلافتِ ہشام بن عبد الملک کے ابتدائی استحکامی دور کا سال ہے۔ اگرچہ یہ سال کسی عظیم شہادتِ کبریٰ کے حوالہ سے مشہور نہیں، لیکن داخلی شورشوں، خارجی فتنوں اور سیاسی سختیوں کے باعث امت کے کمزور طبقات ایک بار پھر ابتلاء سے دوچار ہوئے۔ اس سال کی مظلومیت انفرادی شہادت سے زیادہ اجتماعی اضطراب اور خونریزی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

1-عراق میں خارجی فتنوں کی شدت: امام محمد بن جریر الطبری نے سنہ 108ھ کے واقعات میں خوارج کی شورشوں اور حکومتی افواج کے ساتھ ان کی جھڑپوں

کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: **وفی هذه السنة اشتد أمر الخوارج بالعراق، ووقعت بينهم وبين عمال هشام وقائع كثيرة .** (اس سال عراق میں خوارج کا معاملہ شدید ہو گیا، اور ہشام کے عاملوں کے ساتھ ان کے متعدد معرکے ہوئے) (تاریخ الطبری، ج7، ص182، دار التراث، بیروت، 1387ھ)۔ یہ جھڑپیں محض عسکری معرکے نہ تھے بلکہ دیہاتی آبادیوں، مساجد اور تجارتی مراکز تک اثر انداز ہوئے۔ عام مسلمان، جو نہ خارجی تحریک کا حصہ تھے اور نہ حکومتی سیاست کا، وہی سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔

2-یزید بن مہلب کے اثرات کا تسلسل: اگرچہ یزید بن مہلب کی بغاوت اس سے قبل ختم ہو چکی تھی، مگر اس کے اثرات عراق اور خراسان میں باقی تھے۔ امام ابن الاثیر لکھتے ہیں کہ اس بغاوت کے بعد حکومت نے سخت نگرانی اور انتظامی گرفت مضبوط کی، جس کا اثر عوامی زندگی پر پڑا (الکامل فی التاریخ، ج4، ص305، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987ء)۔ یہ سختی بعض اوقات اجتماعی تنگی اور خوف کا سبب بنی۔

3-موالی کا مسئلہ اور سماجی کشمکش: خراسان میں موالی کے حقوق اور مالی معاملات کا مسئلہ ابھی پوری طرح حل نہیں ہوا تھا۔ امام طبری نے ذکر کیا ہے کہ خراسان کے بعض علاقوں میں نومسلم طبقہ مالی بوجھ اور مساوات کے سوال پر اضطراب کا شکار تھا (تاریخ الطبری، ج7، ص185، 1387ھ)۔ یہی طبقہ آئندہ عباسی تحریک کا بنیاد بننے والا تھا۔ سنہ 108ھ میں اس اضطراب کے بیج مزید گہرے ہو رہے تھے۔

4-سرحدی محاذوں پر خونریزی: رومی سرحدوں پر جہادی مہمات جاری

تھیں۔امام ابن الاثیر نے ذکر کیا ہے کہ اس سال بھی سرحدی علاقوں میں معرکے ہوئے اور مسلمانوں نے جانی نقصان اٹھایا (الکامل فی التاریخ، ج4، ص308، 1987ء)۔ یہ وہ گمنام مجاہدین تھے جن کے نام تاریخ کی سطروں میں محفوظ نہ رہ سکے، مگر ان کی قربانیاں امت کی بقا کا وسیلہ بنیں۔

مظلومیت کا تاریخی مفہوم: سنہ 108ھ میں مظلومیت کے نمایاں پہلو درج ذیل ہیں: 1- خارجی فتنوں کے نتیجہ میں عوامی نقصان، 2- بغاوتوں کے بعد سیاسی سختی، 3- موالی کا تدریجی احساسِ محرومی، 4- سرحدی محاذوں پر گمنام شہداء یہ مظلومیت ایک فرد کی نہیں بلکہ ایک عہد کی کیفیت ہے، جس میں عام مسلمان سیاسی و عسکری کشمکش کے درمیان پس گئے۔

تحقیقی تجزیہ: ہشام بن عبدالملک کا دور انتظامی استحکام کا تھا، مگر اس کے لیے سختی اختیار کی گئی۔ عراق و خراسان داخلی بے چینی کے مراکز بنے رہے۔ خارجی تحریکوں نے معاشرتی امن کو متاثر کیا۔ یہ تمام عوامل بعد کے انقلابات کی تمہید ثابت ہوئے۔ سنہ 108ھ درحقیقت ایک خاموش طوفان کا سال ہے، جس میں سیاسی جبر اور سماجی اضطراب نے آنے والے زمانہ کی بنیاد رکھی۔

خلاصہ و نتائج: 1- سنہ 108ھ میں خارجی فتنوں کی شدت نمایاں رہی۔ 2- سیاسی سختی اور نگرانی نے عوامی زندگی کو متاثر کیا۔ 3- موالی کا مسئلہ آئندہ سیاسی تبدیلیوں کا پیش خیمہ بنا۔ 4- مظلومیت اجتماعی اور تدریجی صورت میں جلوہ گر ہوئی۔

یہ سال امت کی داخلی کمزوریوں اور فکری کشمکش کا عکاس ہے۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ الطبری: ج7، ص182، 185، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2-الکامل فی التاریخ: ج4، ص305، 308، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

سنہ 108ھ میں وفیاتِ اکابر تابعین

(علمی روایت کے ایک درخشاں عہد کا تدریجی اختتام)

سنہ 108ھ اسلامی تاریخ میں سیاسی کشمکش کے ساتھ ساتھ علمی انتقالِ نسل کا بھی سال ہے۔ تابعینِ کبار کی وہ جماعت جو براہِ راست صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کر چکی تھی، اس دور میں یکے بعد دیگرے رخصت ہو رہی تھی۔ یہ وفیات صرف شخصی سانحات نہیں بلکہ علمی سند کے ایک معتبر حلقہ کے منقطع ہونے کی علامت ہیں۔ مظلوم شخصیات کے عنوان سے ان کا ذکر اس لیے موزوں ہے کہ یہ اہلِ علم فتنوں کے دور میں خاموشی سے خدمتِ دین انجام دے کر دنیا سے رخصت ہوئے۔

1-الحسن بن ابی الحسن البصریؒ (م 108ھ): تعارف و علمی مقام: الحسن البصری تابعین کے اکابر میں سے، زہد و تقویٰ کے امام، مفسر، محدث اور خطیبِ بلیغ تھے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہ سے استفادہ کیا۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: **الإمام، القدوة، شيخ الإسلام، أبو سعيد الحسن البصري.** (امام، مقتدا، شیخ الاسلام، ابو سعید حسن بصری) (سیر أعلام النبلاء، ج4، ص563، مؤسسۃ

الرسالۃ، بیروت، 1985ء)۔

سنہ وفات: امام ذہبی نے واضح طور پر ذکر کیا ہے کہ آپ کی وفات رجب 108ھ میں ہوئی۔ (تاریخ الإسلام، حوادث 101120ھ، ص 178، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993ء)۔امام ابن سعد لکھتے ہیں: **ومات الحسن سنة ثمان ومائة.** (حسن بصری کا انتقال سنہ 108ھ میں ہوا) (الطبقات الکبری، ج7، ص163، دار صادر، بیروت، 1968ء)۔

مظلومیت کا پہلو: حسن بصریؒ نے بنو امیہ کے دور میں ظلم و ناانصافی پر کلمہ حق کہا۔ وہ حجاج بن یوسف کے عہد میں بھی ثابت قدم رہے۔ سیاسی دباؤ اور فکری کشمکش کے باوجود انہوں نے زہد و اعتدال کی راہ اپنائی۔ ان کی وفات بصرہ کی علمی دنیا کے لیے عظیم سانحہ تھی۔ امام ایوب السختیانی فرماتے ہیں: **ما بقی أحد أعلم بکتاب الله من الحسن.** (حسن بصری سے بڑھ کر کتاب اللہ کا جاننے والا کوئی باقی نہ رہا) (سیر أعلام النبلاء، ج4، ص584، 1985ء)۔

2-محمد بن سیرینؒ (م 108ھ): تعارف و علمی مقام: محمد بن سیرین جلیل القدر تابعی، محدث، فقیہ اور تعبیرِ رؤیا کے امام تھے۔ انہوں نے انس بن مالکؓ، ابن عباسؓ اور دیگر صحابہ سے روایت کی۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: **الإمام، الحافظ، القدوة، أبو بکر محمد بن سیرین** (سیر أعلام النبلاء، ج4، ص606، 1985ء)۔

سنہ وفات: امام ذہبی اور دیگر مؤرخین نے ان کی وفات بھی سنہ 108ھ میں ذکر کی ہے (تاریخ الإسلام، حوادث 101-120ھ، ص180، 1993ء)۔ امام ابن سعد لکھتے ہیں:

ومات محمد بن سیرین سنة ثمان ومائة. (الطبقات الکبری، ج7،ص194، 1968ء)۔

ابتلاء اور صبر: محمد بن سیرینؒ مالی آزمائش میں مبتلا ہوئے؛ قرض کے باعث قید بھی کاٹی، مگر صبر وتقویٰ کا دامن نہ چھوڑا۔ امام ذہبی نے ان کے صبر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا: **سجن فی دین، فصبر واحتسب.** (قرض کے باعث قید کیے گئے، تو صبر اور احتساب کیا) (سیر أعلام النبلاء، ج4،ص614، 1985ء)۔ یہ پہلو انہیں مظلوم شخصیات کے عنوان سے مزید مربوط کرتا ہے۔

علمی وتاریخی تجزیہ: سنہ 108ھ میں: حسن بصریؒ جیسے امامِ زہد کی وفات، محمد بن سیرینؒ جیسے حافظِ حدیث کا انتقال، بصرہ کا علمی مرکز شدید متاثر یہ سال درحقیقت عہدِ تابعین کے عظیم ستونوں کے انہدام کا سال ہے۔ علمی اعتبار سے یہ ایک خلا تھا، جس نے تبع تابعین کے دور کے لیے راہ ہموار کی، مگر ساتھ ہی روایتِ مستقیم کے ایک روشن باب کو بند کر دیا۔

خلاصہ ونتائج: 1-حسن بصریؒ اور محمد بن سیرینؒ دونوں کی وفات 108ھ میں معتبر مصادر سے ثابت ہے۔ 2-یہ سال تابعینِ کبار کے اختتام کا اہم مرحلہ ہے۔ 3-دونوں شخصیات نے سیاسی ومعاشرتی ابتلاء میں صبر واستقامت کا نمونہ پیش کیا۔ 4-ان کی وفات علمی روایت کے ایک درخشاں عہد کا اختتام ہے۔

مصادر ومراجع: 1-سیر أعلام النبلاء: ج4،ص563-584، 606-614، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985ء۔ 2-تاریخ الإسلام: حوادث 101-120ھ،ص

178-180، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993ء۔ 3-الطبقات الکبری: ج 7، ص 163، 194، دار صادر، بیروت۔

سنہ 109ھ کے اہم واقعات

(داخلی اضطراب، موالی کا احساسِ محرومی اور سرحدی محاذوں کی آزمائش)

سنہ 109ھ خلافتِ ہشام بن عبد الملک کے استحکام کے دور کا سال ہے، مگر اس استحکام کی تہہ میں داخلی اضطراب اور سماجی کشمکش کی لہریں بھی جاری تھیں۔ عراق، خراسان اور سرحدی علاقوں میں ایسے حالات پیدا ہوئے جن میں عام مسلمان خصوصاً موالی اور کمزور طبقات آزمائش سے دوچار رہے۔ یہ مظلومیت کسی ایک عظیم شہادت کی صورت میں نہیں بلکہ اجتماعی و تدریجی نوعیت میں جلوہ گر ہوئی۔

1-خراسان میں موالی کی بے چینی: امام محمد بن جریر محمد بن جریر الطبری نے سنہ 109ھ کے حوادث میں خراسان کے حالات کا ذکر کیا ہے، جہاں عرب اور موالی کے درمیان مالی و سماجی معاملات میں کشیدگی پائی جاتی تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ خراسان میں بعض انتظامی اقدامات سے عوامی سطح پر اضطراب پیدا ہوا (تاریخ الطبری، ج 7، ص 195، دار التراث، بیروت، 1387ھ)۔ موالی (نومسلم غیر عرب) طبقہ اسلامی مساوات کے اصول کا عملی نفاذ چاہتا تھا، جبکہ بعض مقامی عمال روایتی نظام پر کاربند تھے۔ یہی احساسِ محرومی بعد میں عباسی تحریک کی بنیاد بنا۔

2-خارجی تحریکوں کی باقیات: امام ابن الاثیر نے ذکر کیا ہے کہ عراق اور جزیرہ کے بعض علاقوں میں خارجی عناصر کی سرگرمیاں بدستور جاری رہیں، اگرچہ وہ بڑے منظّم انقلاب کی صورت اختیار نہ کرسکیں (الکامل فی التاریخ، ج4،ص 318، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، 1987ء)۔ان جھڑپوں میں عام آبادی متاثر ہوتی رہی۔خارجی تحریکوں کا طریقِ کار عموماً دیہاتی علاقوں میں اچانک حملوں پر مشتمل ہوتا تھا، جس سے بے گناہ افراد بھی متاثر ہوتے۔

3-سرحدی محاذوں پر رومی مہمات: سنہ 109ھ میں رومی سرحدوں پر جہادی سرگرمیاں جاری رہیں۔امام طبری نے ذکر کیا ہے کہ اس سال سرحدی علاقوں میں حملے اور جوابی کارروائیاں ہوئیں (تاریخ الطبری، ج7،ص 198، 1387ھ)۔ یہ مہمات اگرچہ دفاعِ اسلام کے لیے تھیں، مگر ان میں شریک سپاہیوں اور سرحدی بستیوں کے مکینوں نے جانی و مالی نقصان برداشت کیا۔تاریخ میں اکثر ان کے نام محفوظ نہیں رہتے، مگر ان کی قربانیاں امت کی بقا کا حصہ ہیں۔

4-سیاسی نگرانی اور داخلی احتیاط: ہشام بن عبدالملک نے اپنی خلافت کے استحکام کے لیے نگرانی کا نظام مضبوط رکھا۔امام ذہبی نے اس دور کو نظم وضبط کا زمانہ قرار دیا ہے، مگر ساتھ ہی یہ بھی ذکر کیا کہ سیاسی سطح پر سختی اختیار کی گئی (تاریخ الاِسلام، حوادث 101-120ھ، ص 190، دارالکتاب العربی، بیروت، 1993ء)۔ یہ سختی بعض اوقات عوامی سطح پر خوف اور احتیاط کا سبب بنتی تھی، جس کا اثر معاشرتی فضا پر پڑتا تھا۔

مظلومیت کا تاریخی تجزیہ: سنہ 109ھ میں مظلومیت کے نمایاں پہلو یہ تھے: 1-موالی کا بڑھتا ہوا احساسِ محرومی، 2-خارجی فتنوں سے دیہاتی آبادیوں کا متاثر ہونا، 3-سرحدی علاقوں میں گمنام شہداء کی قربانیاں، 4-سیاسی نظم کے تحت سخت نگرانی یہ مظلومیت کسی ایک فرد کی شہادت نہیں بلکہ اجتماعی کیفیت ہے، جو داخلی عدمِ توازن اور سماجی ناانصافی کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

تحقیقی نتائج: سنہ 109ھ داخلی طور پر خاموش اضطراب کا سال ہے۔ خراسان میں موالی کا مسئلہ آئندہ سیاسی تبدیلیوں کا پیش خیمہ بنا۔ خارجی تحریکیں مکمل طور پر ختم نہ ہوسکیں۔ سرحدی جہادی سرگرمیوں میں عوامی قربانیاں جاری رہیں۔ یہ تمام عوامل آئندہ تاریخ کے بڑے انقلابات کی تمہید ثابت ہوئے۔

خلاصہ: سنہ 109ھ میں امت کو کسی عظیم شہادت کے سانحہ کا سامنا نہیں، مگر اجتماعی سطح پر مظلومیت اور اضطراب کی کیفیت نمایاں ہے۔ خراسان میں موالی کا مسئلہ، عراق میں خارجی بقایا عناصر، اور سرحدی محاذوں کی قربانیاں یہ سب اس عہد کی آزمائش کی علامت ہیں۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ الطبری ج 7، ص 195، 198، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2-الکامل فی التاریخ: ج 4، ص 318، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987ء۔ 3-تاریخ الإسلام: حوادث 101-120ھ، ص 190، دار الکتاب العربی، بیروت۔

سنہ 109ھ میں وفیاتِ اکابر تابعین

(عہدِ تابعین کے چراغوں کی ایک اور خاموشی)

سنہ 109ھ علمی تاریخ میں انتقالِ نسل کے ایک اور مرحلہ کی علامت ہے۔ تابعینِ کرام کی وہ جماعت جس نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے براہِ راست علم حاصل کیا، اس زمانہ میں بتدریج رخصت ہو رہی تھی۔ یہ وفیات کسی سیاسی سانحہ سے کم نہیں، کیونکہ علم وروایت کے امین افراد کے دنیا سے اٹھ جانے سے امت کے فکری ورثہ میں خلا پیدا ہوتا ہے۔ اسی اعتبار سے ان کا ذکر مظلوم شخصیات کے عنوان کے تحت موزوں ہے۔

1-عطاء بن ابی رباحؒ (م 109ھ): تعارف وعلمی مقام: عطاء بن ابی رباح مکہ مکرمہ کے عظیم فقیہ، محدث اور مفسر تھے۔ آپ کا شمار فقہاءِ سبعہ میں نہیں مگر فقہِ مکہ کے ستونوں میں ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: **الإمام، المفتی، شیخ الحرم، أبو محمد عطاء بن أبی رباح .** (امام، مفتی، شیخ الحرم، ابو محمد عطاء بن ابی رباح) (سیر أعلام النبلاء، ج 5، ص 78، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985ء)۔ **سنہ وفات:** امام ذہبی نے ذکر کیا ہے کہ ان کی وفات 109ھ میں ہوئی (تاریخ الإسلام، حوادث 101120ھ، ص 193، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993ء)۔

امام ابن سعد لکھتے ہیں: **ومات عطاء سنة تسع ومائة .** (عطاء کا انتقال سنہ 109ھ میں ہوا) (الطبقات الکبری، ج 5، ص 469، دار صادر، بیروت، 1968ء)۔

علمی خدمات اور مظلومیت کا پہلو: عطاء بن ابی رباحؒ حبشی الاصل تھے اور جسمانی معذوری (ایک آنکھ سے نابینا) کے باوجود مکہ کے سب سے بڑے مفتی بنے۔امام ابن سعد لکھتے ہیں کہ خلافت کے امراء بھی ان کے پاس فتویٰ کے لیے حاضر ہوتے تھے (الطبقات الکبری، ج 5،ص 468، 1968ء)۔ان کی شخصیت اس بات کی روشن دلیل ہے کہ علمی عظمت نسب یا جسمانی حالت کی محتاج نہیں۔ان کی وفات مکہ کے علمی حلقوں کے لیے عظیم نقصان تھا۔

2-یزید بن الاصمؒ (م 109ھ): تعارف: یزید بن الاصم جلیل القدر تابعی اور حضرت میمونہؓ کے بھانجے تھے۔انہوں نے متعدد صحابہ سے روایت کی اور ثقہ راویوں میں شمار ہوتے ہیں۔امام ذہبی لکھتے ہیں: **الثقة، المحدث، أبو عوف يزيد بن الأصم** . (سیر أعلام النبلاء، ج4،ص377، 1985ء)۔**سنہ وفات:** امام ذہبی نے ان کی وفات بھی 109ھ کے ضمن میں ذکر کی ہے (تاریخ الإسلام، حوادث 101120ھ،ص194، 1993ء)۔

علمی و تاریخی تجزیہ: سنہ 109ھ میں: عطاء بن ابی رباحؒ جیسے مفتیِ مکہ کی وفات، یزید بن الاصمؒ جیسے ثقہ محدث کا انتقال، مکہ و مدینہ کے علمی حلقوں میں نمایاں خلا۔ یہ سال عہدِ تابعین کے طبقۂ اوسط کے خاتمہ کی طرف ایک اور قدم تھا۔خصوصاً عطاء بن ابی رباحؒ کی شخصیت علمی مساوات اور تقویٰ کی علامت تھی ان کا وصال ایک ایسے چراغ کا بجھ جانا تھا جو نسلوں کی رہنمائی کر رہا تھا۔

خلاصہ و نتائج: 1-عطاء بن ابی رباحؒ اور یزید بن الاصمؒ کی وفات 109ھ

میں معتبر مصادر سے ثابت ہے۔ 2-یہ سال علمی انتقالِ نسل کا اہم مرحلہ ہے۔ 3-عطاءؒ کی شخصیت علم، تقویٰ اور سماجی مساوات کی علامت تھی۔ 4-تابعین کے اکابر کی تدریجی وفات نے امت کے علمی ذخیرہ میں نمایاں خلا پیدا کیا۔

مصادر و مراجع: 1-سیر أعلام النبلاء، ج 5، ص 78؛ ج 4، ص 377، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985ء۔2-تاریخ الإسلام، حوادث 101120ھ، ص 193194، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993ء۔3-الطبقات الکبری، ج 5، ص 468469، دار صادر، بیروت، 1968۔

سنہ 110ھ کے اہم واقعات

(عہدِ اموی کے سیاسی حالات اور اہلِ علم و دیانت کے لیے آزمائش کا دور)

اسلامی تاریخ میں دوسری صدی ہجری کا آغاز سیاسی تغیرات اور سماجی کشمکش کے حوالے سے نہایت اہم ہے۔ خلافتِ بنوامیہ کے زمانہ میں ایک طرف سلطنت کی حدود وسیع ہو رہی تھیں، جبکہ دوسری طرف معاشرتی اور سیاسی سطح پر مختلف تحریکیں اور ردّ عمل بھی جنم لے رہے تھے۔ سنہ 110ھ اسی دور کا ایک اہم سال ہے جس میں کئی ایسے واقعات پیش آئے جو اہلِ علم، اہلِ تقویٰ اور حق پسند افراد کے لیے آزمائش کا سبب بنے۔ اس زمانہ میں بنوامیہ کی حکومت مضبوط تھی، مگر اس کے ساتھ ساتھ مختلف علاقوں میں سیاسی بے چینی اور فکری اختلافات بھی بڑھ رہے تھے۔ اسی پس منظر میں

اس سال کے چند اہم واقعات تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں، جو اسلامی تاریخ کے اس دور کی کیفیت کو واضح کرتے ہیں۔

1-خلافتِ ہشام بن عبدالملک کے ابتدائی سیاسی حالات: سنہ 110ھ میں خلافت اموی خاندان کے طاقتور حکمران ہشام بن عبدالملک کے ہاتھ میں تھی۔ان کی خلافت کا آغاز 105ھ میں ہوا اور اس زمانہ میں سلطنتِ امویہ اپنی سیاسی قوت کے عروج پر تھی۔امام طبری اس زمانہ کے سیاسی حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **وكان هشام بن عبد الملك قد استقرت له الخلافة، فشدّد في تدبير الدولة.** ترجمہ: ہشام بن عبدالملک کی خلافت مستحکم ہو چکی تھی اور انہوں نے ریاستی نظم ونسق کو سختی کے ساتھ منظّم کیا (تاریخ الطبری، ج7،ص135، دارالتراث، بیروت، 1967)۔ ہشام کے زمانہ میں نظمِ حکومت مضبوط ہوا، مگر بعض علاقوں میں سیاسی اختلافات بھی پیدا ہوئے جنہوں نے بعد کے زمانہ میں بڑی تحریکوں کی صورت اختیار کی۔

2-خوارج کی سرگرمیوں میں اضافہ: اس زمانہ میں عراق اور جزیرہ کے علاقوں میں خوارج کی تحریکیں بھی دوبارہ سرگرم ہو رہی تھیں۔امام ابن کثیر اس دور کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **وفي أيام هشام كثرت حركات الخوارج في العراق والجزيرة.** ترجمہ: ہشام کے زمانہ میں عراق اور جزیرہ کے علاقوں میں خوارج کی تحریکیں بڑھ گئیں (البدایۃ والنہایۃ، ج9،ص197، دارالفکر، بیروت، 1986)۔ یہ تحریکیں اکثر سیاسی بغاوت کی صورت اختیار کر لیتی تھیں، جس کے نتیجہ میں حکومت کی طرف سے سخت

اقدامات کیے جاتے تھے اور بہت سے لوگ اس کشمکش کا شکار ہو جاتے تھے۔

3-بنوامیہ کے نظمِ حکومت میں سختی: سنہ 110ھ کے زمانہ میں بنوامیہ کے بعض حکام نے نظمِ حکومت کو برقرار رکھنے کے لیے سخت اقدامات کیے۔امام ذہبی اس دور کے بارے میں لکھتے ہیں:**وكانت الدولة الأموية في زمن هشام قوية، إلا أن الشدة في السياسة ظهرت في بعض الولاة**. ترجمہ:ہشام کے زمانہ میں اموی حکومت مضبوط تھی،مگر بعض گورنروں کی پالیسیوں میں سختی نمایاں تھی (تاریخ الإسلام،ج8،ص45،دارالکتاب العربی،بیروت،1993)۔اسی سختی کی وجہ سے بعض علاقوں میں اہلِ علم اور صالح افراد بھی مشکلات کا سامنا کرتے تھے۔

4-علمی حلقوں کی سرگرمیاں: سیاسی کشمکش کے باوجود اس زمانہ میں علمی حلقے بھی بھرپور سرگرم تھے۔تابعین اور تبع تابعین کی ایک بڑی جماعت حدیث،تفسیر اور فقہ کے علوم کو آگے منتقل کر رہی تھی۔امام ذہبی لکھتے ہیں:**وفي هذا العصر كان العلماء ينشرون العلم في الأمصار**. ترجمہ:اس دور میں علماء مختلف شہروں میں علم کو پھیلا رہے تھے (سیر أعلام النبلاء،ج5،ص15،مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت،1985)۔یہی علمی سرگرمیاں بعد میں اسلامی علوم کے عظیم ذخیرہ کی بنیاد بنیں۔

خلاصہ ونتائج: 1-سنہ 110ھ خلافتِ ہشام بن عبدالملک کے استحکام کا زمانہ تھا۔2-اس دور میں سلطنتِ امویہ سیاسی طور پر مضبوط تھی،مگر بعض علاقوں میں بے چینی بھی پائی جاتی تھی۔3-خوارج کی تحریکوں اور سیاسی کشمکش نے معاشرتی

اضطراب کو بڑھایا۔4-اس کے باوجود علماء اور تابعین کے علمی حلقے علمِ حدیث اور فقہ کی اشاعت میں مصروف رہے۔5-یہ سال اسلامی تاریخ میں سیاسی قوت اور فکری و سماجی کشمکش دونوں کا مظہر ہے۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ الطبری محمد بن جریر الطبری، ج 7، ص 135، دار التراث، بیروت، 1967۔2-البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر، ج 9، ص 197، دار الفکر، بیروت، 1986۔3-تاریخ الإسلام الإمام الذہبی، ج 8، ص 45، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993۔4-سیر أعلام النبلاء الإمام الذہبی، ج 5، ص 15، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت۔

سنہ 110ھ میں وفیاتِ اکابر تابعین

(علم و زہد کے درخشاں ستاروں کا غروب)

تابعین کا مبارک دور اسلامی تاریخ میں علم، زہد، تقویٰ اور دین کی خدمت کے اعتبار سے نہایت عظیم مقام رکھتا ہے۔ یہ وہ مقدس جماعت ہے جس نے براہِ راست صحابۂ کرامؓ سے علم و ہدایت حاصل کیا اور اسے آئندہ نسلوں تک منتقل کیا۔ دوسری صدی ہجری کے آغاز میں جب سیاسی حالات مختلف نشیب و فراز سے گزر رہے تھے، اسی زمانہ میں تابعین کے کئی جلیل القدر علماء اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ سنہ 110ھ بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے، کیونکہ اس سال بعض نامور تابعین کا

انتقال ہوا جن کی علمی خدمات اسلامی علوم کی بنیادوں میں شمار ہوتی ہیں۔ان حضرات کی وفات دراصل ایک ایسے دور کے تدریجی اختتام کی علامت ہے جس میں صحابہؓ کے فیض یافتہ علماء امت کی رہنمائی کررہے تھے۔

1-ابو الشعثاء جابر بن زید الأزدیؒ (وفات 110ھ): تابعین کے جلیل القدر فقیہ اور محدث جابر بن زید الأزدی البصریؒ کا شمار بصرہ کے اکابر علماء میں ہوتا ہے۔وہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ممتاز شاگرد تھے اور علمِ فقہ وحدیث میں بلند مقام رکھتے تھے۔امام ابن سعد لکھتے ہیں: **کان جابر بن زید ثقةً کثیر الحدیث، و کان من فقهاء أهل البصرة.** ترجمہ: جابر بن زید ثقہ اور کثرت سے حدیث روایت کرنے والے تھے اور بصرہ کے فقہاء میں شمار ہوتے تھے (الطبقات الکبری ابن سعد ج7،ص181، دار صادر، بیروت، 1968)۔امام ذہبی ان کے علمی مقام کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **الإمام، القدوة، مفتی البصرة.** ترجمہ: وہ امام، مقتدا اور بصرہ کے مفتی تھے (سیر أعلام النبلاء الذہبی، ج4،ص397، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985)۔ جابر بن زیدؒ کی علمی خدمات میں حدیث کی روایت، فقہی مسائل کی وضاحت اور تابعین کے علمی حلقوں کی تربیت شامل ہے۔ان کے شاگردوں نے بعد میں بصرہ کو علم کا ایک اہم مرکز بنا دیا۔

2-ابو مجلز لاحق بن حمید السدوسیؒ (وفات تقریباً 110ھ): تابعین کے معروف محدث لاحق بن حمید السدوسیؒ جنہیں ابو مجلز کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، بصرہ کے ثقہ علماء میں شمار ہوتے تھے۔امام ابن سعد لکھتے ہیں: **و کان أبو مجلز ثقةً کثیر**

الحدیث. ترجمہ: ابومجلز ثقہ اور کثرت سے حدیث روایت کرنے والے تھے (الطبقات الکبری ابن سعد ج7، ص180، دار صادر، بیروت، 1968)۔ امام ذہبی ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **من کبار التابعین، و کان عالماً بالحدیث**. ترجمہ: وہ اکابر تابعین میں سے تھے اور حدیث کے عالم تھے (سیر أعلام النبلاء الذہبی، ج4، ص403، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985)۔ ان کی روایات صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں بھی مروی ہیں، جس سے ان کی ثقاہت اور علمی مرتبہ ظاہر ہوتا ہے۔

3- تابعین کے علمی دور کا تدریجی اختتام: سنہ 110ھ کے بعد تابعین کی بڑی جماعت رفتہ رفتہ دنیا سے رخصت ہونے لگی۔ اس زمانہ میں تبع تابعین کی نسل علمی میدان میں نمایاں ہو رہی تھی۔ امام ذہبی اس تاریخی تبدیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **و کان ھذا العصر انتقال العلم من التابعین إلی طبقة أتباعھم**. ترجمہ: یہ وہ زمانہ تھا جب علم تابعین سے ان کے شاگردوں (تبع تابعین) کی طرف منتقل ہو رہا تھا (تاریخ الإسلام الذہبی، ج8، ص52، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993)۔ اس طرح اسلامی علوم کی روایت ایک نسل سے دوسری نسل کی طرف منتقل ہوتی رہی اور یہی تسلسل بعد میں فقہ، حدیث اور تفسیر کے عظیم ذخیرہ کا سبب بنا۔

علمی و تاریخی تجزیہ: سنہ 110ھ میں تابعین کے اکابر علماء کی وفات اسلامی تاریخ میں کئی اہم پہلوؤں کی حامل ہے: 1- یہ دور صحابہؓ کے فیض یافتہ علماء کے تدریجی اختتام کا زمانہ تھا۔ 2- ان حضرات نے علمِ حدیث اور فقہ کے بنیادی اصولوں کو محفوظ کیا۔

3-ان کی علمی مجالس نے بعد کے ائمۂ حدیث اور فقہ کی تربیت میں اہم کردار ادا کیا۔
4-ان کی وفات کے بعد اسلامی علمی قیادت تبع تابعین کے ہاتھ میں منتقل ہونے لگی۔

خلاصہ ونتائج: 1-سنہ 110ھ میں متعدد جلیل القدر تابعین دنیا سے رخصت ہوئے۔ 2-ان میں جابر بن زیدؒ اور ابو مجلزؒ جیسے بڑے علماء شامل تھے۔ 3-ان حضرات نے حدیث وفقہ کے علوم کو محفوظ رکھنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ 4-ان کی وفات تابعین کے علمی دور کے اختتامی مرحلہ کی علامت ہے۔ 5-اسلامی علمی روایت میں ان اکابر علماء کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

مصادر ومراجع: 1-الطبقات الکبری ابن سعد، ج7، ص180-181، دار صادر، بیروت، 1968۔ 2-سیر أعلام النبلاء الإمام الذہبی، ج4، ص397-403، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985۔ 3-تاریخ الإسلام الإمام الذہبی، ج8، ص52، دار الکتاب العربی، بیروت۔

سنہ 111ھ کے اہم واقعات

(اسلامی تاریخ میں ایک عظیم فاتح کی وفات اور علم وجہاد کے ایک باب کا اختتام)

اسلامی تاریخ کے ابتدائی ادوار میں بعض شخصیات ایسی پیدا ہوئیں جنہوں نے اپنے کردار، قیادت اور خدمات کے ذریعہ تاریخ کا رخ بدل دیا۔ ان میں کچھ افراد میدانِ علم کے امام تھے اور کچھ میدانِ جہاد کے سپہ سالار۔ سنہ 111ھ اسلامی

تاریخ میں اس اعتبار سے نہایت اہم ہے کہ اسی سال ایک عظیم مجاہد اور فاتح سپہ سالار محمد بن قاسم الثقفی کی مظلومانہ وفات واقع ہوئی۔ یہ وہ شخصیت ہے جس نے برصغیر میں اسلام کے دروازے کھولے اور سندھ کے وسیع علاقوں کو اسلامی سلطنت میں شامل کیا۔ مگر تاریخ کا ایک دردناک پہلو یہ بھی ہے کہ اتنی عظیم خدمات کے باوجود انہیں سیاسی حالات کے باعث سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا اور بالآخر قید میں ان کی وفات ہوئی۔ اسی لیے سنہ 111ھ کا یہ واقعہ اسلامی تاریخ میں مظلوم شخصیات کے عنوان سے نہایت موزوں قرار پاتا ہے۔

محمد بن قاسم الثقفیؒ کا تعارف: محمد بن قاسم ثقفی اموی دور کے نامور سپہ سالار تھے۔ وہ نوجوانی ہی میں اپنی غیر معمولی صلاحیتوں، تدبر اور شجاعت کے باعث نمایاں ہو گئے تھے۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں: **وكان محمد بن القاسم من الشجعان القادة، فتح بلاد السند وهو شاب**. ترجمہ: محمد بن قاسم بہادر سپہ سالاروں میں سے تھے اور انہوں نے نوجوانی ہی میں سندھ کے علاقوں کو فتح کیا (البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر، ج9، ص215، دار الفکر، بیروت، 1986)۔ اسی طرح امام ذہبی لکھتے ہیں: **كان من قواد الدولة الأموية، وله فتوحات مشهورة بال**. ترجمہ: وہ اموی سلطنت کے نامور سپہ سالاروں میں سے تھے اور سندھ میں ان کی فتوحات مشہور ہیں (تاریخ الاسلام الذہبی، ج8، ص178، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993)۔

فتحِ سندھ اور اسلام کی اشاعت: محمد بن قاسم نے سنہ 92ھ میں سندھ کی مہم کا

آغاز کیا اور چند ہی سالوں میں دیبل، نیرون، سیہون اور ملتان جیسے اہم مراکز فتح کر لیے۔امام طبری اس مہم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:**ففتح محمد بن القاسم الديبل ثم سار حتى فتح مدن السند** . ترجمہ:محمد بن قاسم نے پہلے دیبل فتح کیا، پھر آگے بڑھتے ہوئے سندھ کے مختلف شہروں کو فتح کر لیا(تاریخ الطبری الطبری ج 7،ص 171، دارالتراث، بیروت، 1967)۔ان فتوحات کے نتیجہ میں برصغیر کے وسیع علاقے اسلامی سلطنت کے زیر اثر آ گئے اور اسلام کی دعوت اس خطہ میں پھیلنے لگی۔

سیاسی تبدیلی اور محمد بن قاسم کی معزولی: جب خلافت سلیمان بن عبدالملک کے ہاتھ میں آئی تو اموی دربار کی سیاسی پالیسیوں میں تبدیلی آ گئی۔اس کے نتیجہ میں محمد بن قاسم کو سندھ سے واپس بلایا گیا۔امام ابن کثیر لکھتے ہیں:**فلما تولى سليمان بن عبد الملك عزل محمد بن القاسم وأمر بإحضاره.** ترجمہ:جب سلیمان بن عبدالملک خلیفہ بنے تو انہوں نے محمد بن قاسم کو معزول کر دیا اور انہیں دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا(البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر، ج9،ص216، دارالفکر، بیروت، 1986)۔یہ واقعہ دراصل اموی دربار کی داخلی سیاست کا نتیجہ تھا جس کا اثر ایک کامیاب سپہ سالار پر پڑا۔

قید اور وفات: محمد بن قاسم کو واپس بلا کر قید میں رکھا گیا اور اسی حالت میں ان کی وفات ہوگئی۔امام بلاذری لکھتے ہیں:**فحبسه سليمان حتى مات في حبسه** . ترجمہ: سلیمان بن عبدالملک نے انہیں قید کر دیا اور وہ اسی قید میں وفات پا گئے (فتوح البلدان البلاذری ص423، دارومکتبۃ الہلال، بیروت، 1988)۔اسی طرح امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

ومات محمد بن القاسم فی السجن . ترجمہ: محمد بن قاسم کا انتقال قید ہی میں ہوا (البدایۃ والنہایۃ، ج9،ص217، 1986)۔

علمی وتاریخی تجزیہ: محمد بن قاسم کی وفات اسلامی تاریخ کے چند اہم حقائق کو واضح کرتی ہے: 1- سیاسی تبدیلیاں بعض اوقات عظیم خدمات انجام دینے والوں کو بھی متاثر کر دیتی ہیں۔ 2- اسلامی تاریخ میں بعض فاتحین کو بھی سیاسی رقابتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ 3- ان کی فتوحات نے برصغیر میں اسلام کی بنیادیں مضبوط کیں۔ 4- ان کی زندگی نوجوان قیادت اور غیر معمولی عسکری صلاحیت کی مثال ہے۔

خلاصہ ونتائج: 1- سنہ 111ھ میں اسلامی تاریخ کے عظیم فاتح محمد بن قاسم کا انتقال ہوا۔ 2- انہوں نے نوجوانی میں سندھ کو فتح کر کے اسلام کی دعوت کو برصغیر تک پہنچایا۔ 3- سیاسی تبدیلیوں کے نتیجہ میں انہیں معزول کر کے قید میں رکھا گیا۔ 4- قید ہی میں ان کی وفات ہوئی جو ایک عظیم سپہ سالار کی مظلومانہ انجام کی مثال ہے۔ 5- اسلامی تاریخ میں ان کا کردار برصغیر میں اسلام کے ابتدائی باب کے طور پر ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

مصادر ومراجع: 1- تاریخ الطبری محمد بن جریر الطبری، ج 7، ص 171، دار التراث، بیروت، 1967۔ 2- البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر، ج9،ص215-217، دار الفکر، بیروت، 1986۔ 3- تاریخ الإسلام الإمام الذہبی، ج 8،ص 178، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993۔ 4- فتوح البلدان البلاذری،ص423، دار ومکتبۃ الہلال، بیروت۔

سنہ 112ھ کے اہم واقعات

(اسلام کی مظلوم شخصیات کے تناظر میں ایک علمی وتاریخی جائزہ)

اسلامی تاریخ کا مطالعہ اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ ہر دور میں ایسے رجالِ حق پیدا ہوتے رہے جنہوں نے ظلم، جبر اور سیاسی اضطراب کے ماحول میں بھی حق و صداقت کا علم بلند رکھا۔ اموی دور کے آخری حصے میں اگرچہ بعض حکمرانوں نے اصلاحات کی کوشش کی، تاہم سیاسی کشمکش، انتظامی بےاعتدالی اور قبائلی تنازعات کی وجہ سے کئی اہلِ علم، صالحین اور عام مسلمان مشکلات اور مظالم کا شکار بھی ہوئے۔ سنہ 112ھ کا زمانہ دراصل خلیفہ ہشام بن عبدالملک (حکومت: 105ھ 125ھ) کے دور کا ایک اہم مرحلہ تھا۔ اس زمانہ میں ایک طرف علمی و دینی حلقے اپنی خدمات جاری رکھے ہوئے تھے، جبکہ دوسری طرف سیاسی سطح پر بعض ایسی تحریکیں اور واقعات رونما ہوئے جنہوں نے بہت سے اہلِ حق کو آزمائشوں سے دوچار کیا۔ یہی پس منظر اسلام کی مظلوم شخصیات کے باب میں اس سال کے بعض واقعات کو قابلِ ذکر بناتا ہے۔

1- ظلم و جبر کے خلاف علمی و روحانی مزاحمت: اموی دور کے اس زمانہ میں بعض علاقوں میں حکومتی عمال کی سختی اور سیاسی اختلافات کی وجہ سے معاشرتی اضطراب پیدا ہوا۔ اس ماحول میں اہلِ علم اور تابعین کا ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو حکمرانوں کے سامنے حق بات کہنے اور امت کی اصلاح کی کوشش کرتا رہا۔

امام ابن کثیر اس دور کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اموی خلافت کے آخری مرحلے میں مختلف علاقوں میں سیاسی کشمکش اور بعض بغاوتیں پیدا ہوئیں، جن کی وجہ سے معاشرتی بے چینی بڑھ گئی۔ **وكانت في أيام هشام بن عبد الملك فتن وأحداث في بعض الأقاليم بسبب العصبيات والنزاعات.**

ترجمہ: ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں بعض علاقوں میں قبائلی تعصّبات اور نزاعات کی وجہ سے فتنہ واضطراب کے واقعات رونما ہوئے (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج9، ص340، دارالفکر، بیروت، 1986)۔ یہ حالات اہلِ حق کے لئے آزمائش کا سبب بنے، کیونکہ وہ ظلم اور ناانصافی کے خلاف آواز بلند کرتے تھے۔

2۔ علمی مراکز اور اہلِ علم کی مشکلات: اس زمانے میں بصرہ، کوفہ، مدینہ اور شام علمی مراکز کے طور پر معروف تھے۔ ان مراکز میں تابعین اور تبع تابعین کی بڑی تعداد موجود تھی جو قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم دیتے تھے۔ تاہم سیاسی ماحول کی کشیدگی بعض اوقات علمی حلقوں کو بھی متاثر کرتی تھی۔

امام الذہبی لکھتے ہیں کہ اس دور میں بہت سے علماء نے حکمرانوں کے دربار سے دور رہنا ہی بہتر سمجھا اور اپنے آپ کو تعلیم واصلاح تک محدود رکھا۔ **وكان كثير من العلماء في ذلك العصر يعتزلون السلطان ويشتغلون بالعلم والعبادة.**

ترجمہ: اس دور میں بہت سے علماء حکمرانوں سے کنارہ کش رہتے تھے اور علم وعبادت میں مشغول رہتے تھے (الذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج5، ص98، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985)۔ یہ

طرزِ عمل دراصل اس بات کی علامت تھا کہ اہلِ علم اپنے وقار اور دین کی حفاظت کو سیاسی قربت پر ترجیح دیتے تھے۔

3-خوارج اور سیاسی فتنوں کے اثرات: سنہ 112ھ کے زمانے میں بعض علاقوں میں خارجی تحریکیں بھی سرگرم تھیں۔ یہ گروہ اموی خلافت کے خلاف بغاوت کرتے تھے اور اکثر ان کی سرگرمیوں کی وجہ سے عام مسلمان مشکلات کا شکار ہو جاتے تھے۔ امام الطبری نے اس دور کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عراق اور بعض دوسرے علاقوں میں خارجی گروہوں کی سرگرمیاں وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہتی تھیں۔ **وكانت الخوارج تظهر في بعض نواحي العراق وتحدث القلاقل**. ترجمہ: عراق کے بعض علاقوں میں خوارج ظاہر ہوتے اور اضطراب پیدا کرتے تھے (الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج7، ص123، دار التراث، بیروت، 1967)۔ ان حالات کی وجہ سے عام مسلمان اور اہلِ علم دونوں متاثر ہوتے تھے۔

4-اہلِ تقویٰ اور صالحین کا کردار: اگرچہ اس زمانے میں سیاسی اضطراب موجود تھا، لیکن اس کے باوجود صالحین اور اہلِ تقویٰ نے امت کی اصلاح میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ حضرات لوگوں کو صبر، تقویٰ اور عدل کی تعلیم دیتے اور انہیں دین کی طرف متوجہ کرتے تھے۔ امام ابن سعد لکھتے ہیں کہ تابعین کے زمانے میں اہلِ علم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ فتنوں کے دور میں بھی امت کی رہنمائی کرتے رہے۔ **وكان العلماء من التابعين يقومون بإرشاد الناس ويأمرونهم**

بالصبر و التمسک بالدین . ترجمہ: تابعین کے علماء لوگوں کی رہنمائی کرتے اور انہیں صبر اور دین پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتے تھے (ابن سعد، الطبقات الکبری، ج7، ص180، دار صادر، بیروت، 1968)۔ یہی کردار دراصل اسلامی معاشرے کو فتنوں کے باوجود مضبوط رکھتا تھا۔

سنہ 112ھ کے حالات کا تاریخی مفہوم: سنہ 112ھ کے حالات اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ اسلامی تاریخ میں سیاسی اضطراب کے باوجود علم اور دین کی روشنی کبھی ختم نہیں ہوئی۔ اہلِ حق نے ہمیشہ حق کا ساتھ دیا، خواہ انہیں مشکلات ہی کیوں نہ برداشت کرنی پڑیں۔ اسی وجہ سے تاریخ اسلام میں ان علماء، صالحین اور مظلوم اہلِ حق کا تذکرہ نہایت اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ انہی کی قربانیوں کی بدولت دین کی اصل روح محفوظ رہی۔

خلاصہ و نتائج: 1-سنہ 112ھ اموی خلافت کے دور کا ایک اہم تاریخی مرحلہ تھا۔ 2-اس زمانے میں بعض علاقوں میں سیاسی اضطراب اور قبائلی نزاعات پیدا ہوئے۔ 3-اہلِ علم اور صالحین نے حکمرانوں سے دور رہ کر علم و اصلاح کا کام جاری رکھا۔ 4-خارجی فتنوں اور سیاسی کشمکش کی وجہ سے معاشرتی مشکلات پیدا ہوئیں۔ 5-اس کے باوجود علماء اور صالحین نے امت کو صبر، تقویٰ اور حق پر ثابت قدم رہنے کی تعلیم دی۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الأمم والملوک، ج7، دار التراث، بیروت، 1967۔ 2-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، ج9، دار

الفکر، بیروت، 1986۔ 3-الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، ج5، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985۔ 4-ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبری، ج7، دار صادر، بیروت، 1968۔ 5-ابن الأثیر، عز الدین، الکامل فی التاریخ، ج5، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987۔

سنہ 112ھ میں وفیاتِ اکابر تابعین

تابعین کا عہد اسلامی تاریخ کا نہایت تابناک اور علمی اعتبار سے زرخیز زمانہ تھا۔ یہ وہ مقدس طبقہ تھا جس نے براہِ راست صحابۂ کرامؓ سے علمِ نبوت حاصل کیا اور پھر اسے پوری دیانت و امانت کے ساتھ آنے والی نسلوں تک منتقل کیا۔ تابعین کے اندر فقہ، حدیث، تفسیر اور زہد و تقویٰ کے ایسے درخشاں نمونے ملتے ہیں جنہوں نے اسلامی علوم کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ سنہ 112ھ بھی اسی تسلسل کا ایک اہم مرحلہ ہے، کیونکہ اس سال چند ایسے جلیل القدر تابعین دنیا سے رخصت ہوئے جنہوں نے اپنے علم، تقویٰ اور استقامت کے ذریعے امتِ مسلمہ کی رہنمائی کی۔ ان حضرات کی وفات نہ صرف علمی حلقوں کے لئے ایک عظیم خسارہ تھی بلکہ تاریخِ اسلام میں ایک عہد کے اختتام کی علامت بھی سمجھی جاتی ہے۔ اس باب میں ان اکابر تابعین کی وفیات کا ذکر علمی و تاریخی انداز میں پیش کیا جا رہا ہے۔

1-محمد بن مسلم بن شہاب الزہریؒ: تعارف و علمی مقام: امام محمد بن مسلم بن

عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب الزہری (متوفی 112ھ) تابعین کے عظیم محدث اور فقہاء میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے صحابۂ کرام کی ایک بڑی جماعت سے حدیث روایت کی، جن میں انس بن مالکؓ، سہل بن سعدؓ، اور عبد اللہ بن عمرؓ جیسے اکابر صحابہ شامل ہیں۔ امام زہری کو حدیث کی تدوین کے ابتدائی دور کا سب سے بڑا ستون سمجھا جاتا ہے۔

امام ذہبی لکھتے ہیں: **وكان ابن شهاب الزهري أحد الأئمة الأعلام، وحافظ عصره** ۔ ترجمہ: ابن شہاب الزہری اپنے زمانے کے بڑے ائمہ اور عظیم حافظِ حدیث تھے (الذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج5، ص326، مؤسسة الرسالة، بیروت، 1985)۔

علمِ حدیث میں خدمات: امام زہری کو سب سے پہلے ان علماء میں شمار کیا جاتا ہے جنہوں نے حدیث کی باقاعدہ تدوین کا آغاز کیا۔ خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے انہیں حدیث کو تحریری شکل میں محفوظ کرنے کی ذمہ داری بھی سونپی تھی۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں: **وكان الزهري أول من دوَّن العلم بأمر عمر بن عبد العزيز.** ترجمہ: امام زہری وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے عمر بن عبد العزیز کے حکم سے علم (حدیث) کو مدوّن کیا (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج9، ص343، دار الفکر، بیروت، 1986)۔ یہ خدمت دراصل امتِ مسلمہ کے لئے ایک عظیم علمی انقلاب کی حیثیت رکھتی ہے۔

وفات: امام زہری کی وفات سنہ ۱۲۱ھ میں ہوئی۔ ان کی وفات علمی دنیا کے لئے ایک عظیم سانحہ سمجھی گئی۔ امام ابن سعد لکھتے ہیں: **توفي محمد بن مسلم بن شهاب الزهري سنة اثنتي عشرة ومائة** ۔ ترجمہ: محمد بن مسلم بن شہاب الزہری کی وفات سنہ 112ھ میں ہوئی (ابن سعد، الطبقات الکبری، ج5، ص348، دار صادر، بیروت، 1968)۔

2-ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزمؒ: تعارف: ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم الانصاری مدینہ کے مشہور تابعی اور فقیہ تھے۔ان کے والد صحابی عمرو بن حزمؓ تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔ یہ مدینہ کے علمی حلقوں میں بڑے مقام کے حامل تھے اور حدیث وفقہ میں ان کی روایت معتبر سمجھی جاتی تھی۔امام ابن سعد لکھتے ہیں:**وكان أبو بكر بن محمد بن عمرو بن حزم ثقة كثير الحديث.** ترجمہ: ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم ثقہ اور کثیر الحدیث عالم تھے (ابن سعد، الطبقات الکبری، ج5،ص331، دار صادر، بیروت، 1968)۔**علمی خدمات:** یہ مدینہ کے فقہاء میں شمار ہوتے تھے اور مدینہ کی علمی روایت کے حامل تھے۔ان کے ذریعے بہت سی احادیث اور فقہی مسائل آگے منتقل ہوئے۔امام ذہبی نے ان کو تابعین کے معتبر علماء میں شمار کیا ہے (الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج1،ص108، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1998)۔**وفات:** اکثر مورخین کے نزدیک ان کی وفات بھی سنہ 112ھ کے قریب ہوئی (ابن الأثیر، الکامل فی التاریخ، ج5، ص81، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987)۔

تابعین کی ان وفیات کا علمی اثر: سنہ 112ھ میں ان اکابر تابعین کی وفات دراصل اس بات کی علامت تھی کہ صحابہ کے بعد علمِ نبوت کو منتقل کرنے والی نسل بتدریج دنیا سے رخصت ہو رہی تھی۔تاہم ان حضرات کی علمی خدمات اور تلامذہ کے ذریعے یہ علم بعد کی نسلوں تک منتقل ہوتا رہا۔امام ذہبی نے تابعین کے اس طبقے کے بارے میں نہایت بامعنی بات لکھی ہے:**فبهم حفظ الله العلم ونقل السنة.** ترجمہ: اللہ

تعالیٰ نے انہی حضرات کے ذریعے علم کی حفاظت فرمائی اور سنت کو منتقل کیا (الذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج4، ص598، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1998)۔

خلاصہ ونتائج: 1-سنہ 112ھ تابعین کے چند جلیل القدر علماء کی وفات کا سال تھا۔2-امام محمد بن مسلم بن شہاب الزہری اس سال کے سب سے بڑے محدثین میں شمار ہوتے ہیں جن کی وفات امت کے لئے عظیم علمی نقصان تھی۔3-ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم جیسے فقہاء بھی اسی زمانے میں دنیا سے رخصت ہوئے۔4-ان حضرات نے علمِ حدیث، فقہ اور سنتِ نبوی کے تحفظ میں بنیادی کردار ادا کیا۔ 5-تابعین کی یہ نسل دراصل اسلامی علوم کے تسلسل کی بنیاد تھی۔

مصادر ومراجع: 1-ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبری، ج5، دار صادر، بیروت، 1968۔2-الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، ج5، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985۔3-الذہبی، شمس الدین، تذکرۃ الحفاظ، ج1، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1998۔4-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، ج9، دار الفکر، بیروت، 1986۔5-ابن الأثیر، عز الدین، الکامل فی التاریخ، ج5، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987۔

سنہ 113ھ کا ایک اہم تاریخی پہلو

(اہلِ بیتِ نبویؐ پر سیاسی دباؤ اور حضرت عبداللہ بن الحسن المثنیٰؒ کی مظلومانہ زندگی)

اسلامی تاریخ کے ابتدائی ادوار میں اہلِ بیتِ نبوی ﷺ کو نہایت بلند روحانی

اور علمی مقام حاصل تھا، لیکن سیاسی حالات کے سبب مختلف ادوار میں انہیں طرح طرح کی آزمائشوں اور دباؤ کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ سنہ 113ھ کے قریب کا زمانہ بنوامیہ کے آخری دور کی سیاسی کشمکش کا زمانہ تھا۔ اس دور میں اہلِ بیت کے بعض افراد پر حکومتی نگرانی، سیاسی دباؤ اور محدودیتیں عائد تھیں۔ ان شخصیات میں حضرت عبداللہ بن الحسن المثنیٰؒ ایک اہم شخصیت ہیں جو اپنے علم، زہد اور شرافت کے باوجود سیاسی حالات کی سختیوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔ یہ واقعہ اس اعتبار سے اہم ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تاریخ میں اہلِ علم اور اہلِ بیت کی بعض شخصیات نے نہایت صبر اور وقار کے ساتھ مشکلات کا سامنا کیا۔

حضرت عبداللہ بن الحسن المثنیٰؒ کا تعارف: حضرت عبداللہ بن الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالبؓ تابعین میں سے تھے اور اہلِ بیتِ نبوی کے معزز افراد میں شمار ہوتے تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب سیدنا حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ تک پہنچتا ہے۔ امام ذہبی ان کے بارے میں لکھتے ہیں: **عبد الله بن الحسن بن الحسن بن علی، أبو محمد، من سادات بنی هاشم، و كان شريفاً جليلاً**. ترجمہ: عبداللہ بن الحسن بن الحسن بن علی ابو محمد بنو ہاشم کے سرداروں میں سے تھے اور نہایت معزز و جلیل القدر شخصیت تھے (الذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج5، ص315، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985)۔

ان کا علمی و اخلاقی مقام: حضرت عبداللہ بن الحسن المثنیٰ علم، تقویٰ اور زہد میں معروف تھے۔ اہلِ مدینہ میں ان کا بڑا احترام تھا اور وہ اہلِ بیت کی علمی روایت

کے امین سمجھے جاتے تھے۔امام ابن سعد لکھتے ہیں: **وکان عبد اللہ بن الحسن رجلاً صالحاً فاضلاً من أهل العلم**. ترجمہ: عبداللہ بن الحسن ایک صالح، فاضل اور اہلِ علم شخصیت تھے (ابن سعد، الطبقات الکبری، ج5، ص321، دار صادر، بیروت، 1968)۔

سیاسی حالات اور اہلِ بیت پر دباؤ: اموی دور کے آخری مرحلہ میں سیاسی حالات ایسے تھے کہ اہلِ بیت کے بعض افراد کو حکومت کی جانب سے نگرانی اور احتیاط کا سامنا کرنا پڑتا تھا، کیونکہ مختلف سیاسی تحریکیں ان کے نام سے وابستہ کی جاتی تھیں۔ امام طبری اس دور کے سیاسی حالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **وکان بنو أمية يراقبون بنی هاشم مخافة أن تقوم لهم دعوة**. ترجمہ: بنو امیہ بنی ہاشم پر نظر رکھتے تھے اس خوف سے کہ کہیں ان کے نام پر کوئی تحریک نہ اٹھ کھڑی ہو (الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج7، ص18، دار التراث، بیروت، 1967)۔ یہی وجہ تھی کہ اہلِ بیت کی بعض شخصیات کو سیاسی دباؤ اور نگرانی کی فضا میں زندگی گزارنی پڑی۔

مظلومانہ پہلو: حضرت عبداللہ بن الحسن المثنیٰؒ اپنی ذات میں ایک زاہد اور عالم شخصیت تھے اور انہوں نے کسی سیاسی بغاوت میں عملی حصہ نہیں لیا، مگر سیاسی ماحول کی وجہ سے انہیں ہمیشہ احتیاط اور محدودیت کے ساتھ زندگی بسر کرنی پڑی۔ امام ذہبی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ نہایت شریف اور باوقار شخصیت تھے مگر زمانہ کے حالات سخت تھے (الذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج5، ص316، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985)۔ یہی پہلو انہیں اسلامی تاریخ کی ان شخصیات میں شامل کرتا ہے

جنہوں نے سیاسی کشمکش کے زمانہ میں وقار، صبر اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔

تاریخی وفکری تجزیہ: سنہ 113ھ کے سیاسی حالات کا مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ: 1-اہلِ بیت کی شخصیات کو سیاسی حالات کے باعث دباؤ کا سامنا کرنا پڑا۔ 2-اس زمانہ میں علم وتقویٰ رکھنے والے افراد بھی سیاسی کشمکش سے متاثر ہوئے۔ 3-اہلِ بیت کے علماء نے صبر، حکمت اور وقار کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیا۔ 4-اسلامی تاریخ میں ان شخصیات کی زندگی ہمیں صبر اور استقامت کا درس دیتی ہے۔

خلاصہ ونتائج: 1-سنہ 113ھ بنوامیہ کے دور کی سیاسی کشمکش کا زمانہ تھا۔ 2-اہلِ بیت کے بعض افراد کو سیاسی نگرانی اور دباؤ کا سامنا کرنا پڑا۔ 3-حضرت عبداللہ بن الحسن المثنیٰؒ ایک جلیل القدر تابعی اور اہلِ بیت کے معزز فرد تھے۔ 4-انہوں نے علم وتقویٰ اور وقار کے ساتھ اس دور کی مشکلات کا سامنا کیا۔ 5-ان کی زندگی اسلامی تاریخ میں صبر اور عزتِ نفس کی ایک اہم مثال ہے۔

مصادر ومراجع: 1-الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، ج5، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985۔ 2-ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبری، ج5، دار صادر، بیروت، 1968۔ 3-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الأمم والملوک، ج7، دار التراث، بیروت، 1967۔ 4-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، ج9، دار الفکر، بیروت، 1986۔ 5-ابن الأثیر، عز الدین، الکامل فی التاریخ، ج5، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

سنہ 113ھ میں وفیاتِ اکابر تابعین

(اسلامی علمی روایت کے درخشاں چراغوں کا غروب)

تابعین کا دور اسلامی تاریخ کا وہ مبارک زمانہ ہے جس میں صحابۂ کرامؓ سے براہِ راست علم حاصل کرنے والے علماء نے قرآن وحدیث، فقہ اور اخلاقِ اسلامی کی عظیم روایت کو آگے منتقل کیا۔ یہی وہ طبقہ ہے جس نے اسلامی علوم کی بنیادوں کو مضبوط کیا اور امت کے علمی سرمائے کو محفوظ رکھا۔ سنہ 113ھ بھی اسی سلسلہ کا ایک اہم سال ہے، کیونکہ اس سال بعض جلیل القدر تابعین اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ ان کی وفات درحقیقت علم وفضل کے درخشاں چراغوں کے بجھنے کے مترادف تھی۔ اگرچہ ان حضرات کی وفات طبعی تھی، لیکن علمی وتاریخی اعتبار سے یہ امت کے لیے ایک بڑا خسارہ تھا، کیونکہ ان کے ساتھ علم وتقویٰ کا ایک عظیم سرمایہ بھی رخصت ہوا

1-حضرت عطاء بن أبی رباحؒ: تعارف اور علمی مقام: حضرت عطاء بن أبی رباحؒ تابعین کے عظیم فقہاء اور محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ مکہ مکرمہ کے مشہور فقیہ اور مفسر تھے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ممتاز شاگردوں میں شمار ہوتے تھے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: **الإمام، المفتی، شیخ الحرم، أبو محمد عطاء بن أبی رباح.**

ترجمہ: وہ امام، مفتی اور حرم مکہ کے بڑے شیخ تھے (الذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج5، ص78، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985)۔

ان کا علمی مقام: حضرت عطاء بن ابی رباحؒ مکہ کے بڑے فقہاء میں شمار ہوتے تھے اور لوگ دور دور سے ان سے مسائل دریافت کرنے آتے تھے۔ امام ابن سعد لکھتے ہیں: **وکان عطاء ثقةً فقیهاً کثیر الحدیث** . ترجمہ: عطاء ثقہ، فقیہ اور کثرت سے حدیث روایت کرنے والے تھے (ابن سعد، الطبقات الکبری، ج5، ص467، دار صادر، بیروت، 1968)۔

وفات: مؤرخین کے مطابق حضرت عطاء بن ابی رباحؒ کی وفات سنہ 113ھ میں ہوئی۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں: **وفی هذه السنة توفی عطاء بن أبی رباح مفتی أهل مکة.** ترجمہ: اسی سال اہلِ مکہ کے مفتی عطاء بن ابی رباح کا انتقال ہوا (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج9، ص244، دار الفکر، بیروت، 1986)۔

2- حضرت عمرو بن دینارؒ: تعارف: حضرت عمرو بن دینارؒ بھی مکہ مکرمہ کے مشہور تابعی محدث اور فقیہ تھے۔ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ سمیت کئی صحابہ سے علم حاصل کیا۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: **الإمام، الحافظ، فقیه الحرم، عمرو بن دینار** . ترجمہ: وہ امام، حافظ حدیث اور حرم کے فقیہ تھے (الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج1، ص102، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1998)۔

علمی مقام: حضرت عمرو بن دینارؒ حدیث اور فقہ میں بڑی شہرت رکھتے تھے اور ان سے بڑے محدثین نے روایت کی۔ امام ابن حجر لکھتے ہیں: **کان ثقةً ثبتاً من کبار العلماء** . ترجمہ: وہ ثقہ اور جلیل القدر علماء میں شمار ہوتے تھے (ابن حجر، تہذیب

التہذیب، ج8،ص38، دارالفکر، بیروت، 1984)۔

3-حضرت محمد بن سیرینؒ (اختلاف کے ساتھ): تعارف: حضرت محمد بن سیرینؒ تابعین کے عظیم محدث اور زاہد عالم تھے اور تعبیرِ خواب کے علم میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے۔امام ذہبی لکھتے ہیں:**الإمام القدوة، شيخ الإسلام، أبو بكر محمد بن سيرين** . ترجمہ:وہ امام، پیشوا اور شیخ الاسلام تھے (الذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج4،ص606، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985)۔

وفات کے بارے میں اختلاف: اکثر مؤرخین کے مطابق ان کی وفات 110ھ میں ہوئی، لیکن بعض روایات میں اس کے قریب کے سال بھی ذکر ہوئے ہیں۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں:**وتوفي محمد بن سيرين سنة عشر ومائة.** ترجمہ:محمد بن سیرین کی وفات سنہ 110ھ میں ہوئی (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج9،ص213، دار الفکر، بیروت، 1986)۔

علمی وتاریخی تجزیہ: سنہ 113ھ میں ان اکابر تابعین کی وفات امت کے لیے کئی پہلوؤں سے اہم ہے:1-یہ وہ علماء تھے جنہوں نے صحابۂ کرامؓ سے علم حاصل کیا تھا۔2-ان کے ذریعے حدیث اور فقہ کی روایت آگے منتقل ہوئی۔3-ان کی وفات سے اسلامی علمی روایت کو بڑا نقصان پہنچا۔4-یہ شخصیات زہد، تقویٰ اور علم کے اعلیٰ نمونے تھیں۔

خلاصہ ونتائج: 1-سنہ 113ھ میں متعدد جلیل القدر تابعین اس دنیا سے

رخصت ہوئے۔ 2-حضرت عطاء بن ابی رباحؒ مکہ کے عظیم فقیہ اور محدث تھے۔ 3-حضرت عمرو بن دینارؒ حدیث اور فقہ کے بڑے علماء میں شمار ہوتے تھے۔ 4-ان حضرات نے اسلامی علوم کی حفاظت اور اشاعت میں عظیم خدمات انجام دیں۔ 5-ان کی وفات امت کے علمی سرمائے کے ایک اہم باب کے اختتام کے مترادف تھی۔

مصادر و مراجع: 1-الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، ج5، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985۔ 2-ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبری، ج5، دار صادر، بیروت، 1968۔ 3-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، ج9، دار الفکر، بیروت، 1986۔ 4-ابن حجر العسقلانی، تہذیب التہذیب، ج8، دار الفکر، بیروت، 1984۔ 5-الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج1، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

سنہ 114ھ کے اہم واقعات

(خلافتِ امویہ کے دور میں اہلِ حق کی آزمائش اور علمی شخصیات کا کردار)

اسلامی تاریخ کی دوسری صدی ہجری کا ابتدائی دور سیاسی استحکام اور فکری کشمکش دونوں کا مجموعہ تھا۔ بنو امیہ کی خلافت اس زمانہ میں وسیع و عریض سلطنت پر قائم تھی، مگر اس کے ساتھ ساتھ مختلف علاقوں میں سیاسی اختلافات اور فکری تحریکیں بھی پیدا ہو رہی تھیں۔ سنہ 114ھ انہی حالات کا ایک اہم سال ہے۔ اس زمانہ میں خلافت بنو امیہ کے حکمران ہشام بن عبد الملک کے ہاتھ میں تھی، جو اپنی مضبوط حکمرانی

اور سخت انتظامی پالیسیوں کے لیے معروف تھے۔ اس سال کے چند واقعات اسلامی تاریخ کے اس دور کے سیاسی وسماجی حالات کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں، خصوصاً ایسے حالات جن میں اہلِ علم اور اہلِ حق کو مختلف آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔

1-خلافتِ ہشام بن عبدالملک کا استحکام اور سیاسی نظم: سنہ 114ھ میں اموی خلافت سیاسی اعتبار سے مضبوط تھی۔ ہشام بن عبدالملک نے اپنے عہد میں ریاستی نظم کو مستحکم کرنے کی کوشش کی اور مختلف علاقوں میں اپنے گورنروں کے ذریعے حکومتی نظام کو منظّم رکھا۔ امام طبری اس زمانہ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **وكان هشام بن عبد الملك شديد العناية بأمور الدولة** . ترجمہ: ہشام بن عبدالملک ریاستی معاملات کی نگرانی میں بہت سخت اور محتاط تھا (الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج7، ص158، دارالتراث، بیروت، 1967)۔ یہ مضبوط نظم اگرچہ سلطنت کے استحکام کا سبب تھا، مگر بعض علاقوں میں گورنروں کی سختی عوام اور اہلِ علم کے لیے مشکلات کا باعث بھی بنتی تھی۔

2-خوارج کی تحریکوں کا تسلسل: اس زمانہ میں عراق اور جزیرہ کے علاقوں میں خوارج کی سرگرمیاں بدستور جاری تھیں۔ ان تحریکوں نے کئی مرتبہ سیاسی بغاوت کی صورت اختیار کی جس کے نتیجہ میں حکومت کی طرف سے سخت اقدامات کیے گئے۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں: **وفي أيام هشام تجددت حركات الخوارج في العراق** . ترجمہ: ہشام کے زمانہ میں عراق میں خوارج کی تحریکیں دوبارہ سرگرم ہوگئیں (ابن کثیر،

البدایۃ والنہایۃ، ج9،ص276، دارالفکر، بیروت، 1986)۔ان واقعات نے معاشرتی اضطراب کو بڑھایا اور بعض علاقوں میں اہلِ علم اور صالح افراد کو بھی ان کشمکشوں کا سامنا کرنا پڑا۔

3-اہلِ علم کی علمی خدمات: سیاسی کشمکش کے باوجود اس زمانہ میں علمی سرگرمیاں جاری رہیں۔تابعین اور تبع تابعین کی ایک بڑی جماعت نے حدیث، فقہ اور تفسیر کے علوم کو محفوظ کرنے اور پھیلانے کا عظیم کام انجام دیا۔امام ذہبی لکھتے ہیں: **وکان العلماء فی هذا العصر ینشرون العلم ویعلمون الناس** . ترجمہ:اس دور میں علماء علم کو پھیلا رہے تھے اور لوگوں کو تعلیم دے رہے تھے (الذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج5،ص210، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985)۔یہی علمی سرگرمیاں بعد میں اسلامی فقہ اور حدیث کے عظیم ذخیرہ کی بنیاد بنیں۔

4-معاشرتی وفکری حالات: سنہ 114ھ کے زمانہ میں اسلامی معاشرہ علمی اعتبار سے ترقی کررہا تھا،مگر سیاسی سطح پر بعض کشیدگیاں موجود تھیں۔اسی وجہ سے بعض اہلِ حق اور اہلِ علم کو مشکلات اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔امام ذہبی لکھتے ہیں:**وکانت تلک الأیام أیام شدائد علی بعض أهل العلم**. ترجمہ:وہ دن بعض اہلِ علم کے لیے آزمائش کے دن تھے (الذہبی، تاریخ الإسلام، ج8،ص143، دارالکتاب العربی، بیروت، 1993)۔

علمی وتاریخی تجزیہ: سنہ 114ھ کے حالات کا جائزہ لینے سے چند اہم حقائق سامنے آتے ہیں: 1-خلافتِ امویہ اس زمانہ میں سیاسی اعتبار سے مضبوط تھی۔ 2-بعض علاقوں میں سیاسی تحریکیں اور بغاوتیں جاری تھیں۔ 3-ان حالات کے

باوجود علماء نے علمی خدمات کو جاری رکھا۔ 4-اہلِ علم نے سیاسی دباؤ کے باوجود علمِ دین کی حفاظت کی۔

خلاصہ ونتائج: 1-سنہ 114ھ خلافتِ ہشام بن عبدالملک کے مضبوط دور کا حصہ تھا۔ 2-اس زمانہ میں بعض علاقوں میں خوارج کی تحریکیں سرگرم تھیں۔ 3-سیاسی کشمکش کے باوجود علمی حلقے فعال رہے۔ 4-علماء اور صالحین نے علمِ دین کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔ 5-یہ سال اسلامی تاریخ کے اس مرحلہ کی نمائندگی کرتا ہے جس میں سیاسی طاقت اور علمی خدمت دونوں بیک وقت موجود تھیں۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الأمم والملوک، ج7، ص158، دار التراث، بیروت، 1967۔ 2-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، ج9، ص276، دار الفکر، بیروت، 1986۔ 3-الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، ج5، ص210، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985۔ 4-الذہبی، شمس الدین، تاریخ الإسلام، ج8، ص143، دار الکتاب العربی، بیروت۔

سنہ 115ھ کے اہم واقعات

اسلامی تاریخ کے ابتدائی ادوار میں بعض ایسے سال گزرے ہیں جن میں بظاہر سیاسی استحکام موجود تھا، مگر دینی و علمی حلقوں کو مختلف نوعیت کے دباؤ، نگرانی اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ سنہ 115ھ بھی انہی ایام میں سے ایک اہم سال ہے۔

اس زمانہ میں خلافتِ بنوامیہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک (حکومت:105ھ 125ھ) کے ہاتھ میں تھی۔ اس کے دور کو انتظامی نظم وضبط اور عسکری فتوحات کے اعتبار سے مضبوط سمجھا جاتا ہے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اہلِ بیت، بعض اکابر تابعین اور موالی کے ساتھ بعض سیاسی وسماجی ناانصافیاں بھی تاریخ میں مذکور ہیں۔ اسلامی تاریخ کے مستند مصادر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں کئی علمی شخصیات نے حکمرانوں کی سختیوں اور سیاسی دباؤ کے باوجود دینِ اسلام کی خدمت، علمِ حدیث وفقہ کی نشر واشاعت اور حق گوئی کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہی وہ پہلو ہے جس کے باعث اس زمانے کی کئی شخصیات کو اسلام کی مظلوم شخصیات کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہے۔

1-خلافتِ ہشام بن عبدالملک کا سیاسی ماحول: سنہ 115ھ میں خلافتِ بنوامیہ اپنے عروج پر تھی۔ ہشام بن عبدالملک ایک مضبوط منتظم حکمران تھا، مگر اس کی حکومت میں سیاسی اختلاف کو زیادہ برداشت نہیں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اہلِ بیت، بعض زاہد تابعین اور آزاد خیال علماء کو حکومتی نگرانی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ امام ابن کثیر اس دور کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **وكان هشام بن عبد الملك من ملوك بني أمية، وكان حازماً في أمره، شديداً على من يخالف سياسته.**

ترجمہ: ہشام بن عبدالملک بنوامیہ کے حکمرانوں میں سے تھا، وہ اپنے معاملات میں سخت نظم وضبط رکھنے والا تھا اور جو اس کی سیاسی پالیسی کے خلاف ہوتا اس پر سختی کرتا تھا (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج9، ص328، دارالفکر، بیروت، 1986)۔ یہ سیاسی فضا اہلِ علم اور اہلِ

بیت کے لیے کسی قدر مشکل تھی، کیونکہ وہ حکمرانوں کے سامنے حق بات کہنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔

2-اہلِ بیت کے ساتھ سیاسی کشمکش: اس دور میں اہلِ بیت کی علمی و روحانی مقبولیت بہت بڑھ چکی تھی۔ مدینہ منورہ میں امام محمد بن علی الباقرؒ اور ان کے بعد امام جعفر الصادقؒ کا علمی حلقہ نہایت وسیع تھا۔ بنوامیہ کی حکومت کو اس بات کا اندیشہ رہتا تھا کہ اہلِ بیت کی یہ مقبولیت سیاسی تحریک کی صورت اختیار نہ کر لے۔ اسی وجہ سے بعض اوقات اہلِ بیت کو دربارِ دمشق میں طلب کیا جاتا تھا تاکہ ان کے اثر کو محدود رکھا جاسکے۔ امام ذہبی اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **وکان هشام بن عبد الملک قد استقدم محمد بن علی الباقر إلی دمشق**۔ ترجمہ: ہشام بن عبد الملک نے محمد بن علی الباقر کو دمشق بلایا تھا (الذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج 4، ص 404، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985)۔ اس واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ حکومت اہلِ بیت کی علمی و سماجی حیثیت سے محتاط رہتی تھی۔

3-موالی کے ساتھ امتیازی سلوک: سنہ 115ھ کے دور میں اسلامی معاشرے کے ایک طبقہ یعنی موالی (غیر عرب مسلمان) کو بھی بعض علاقوں میں امتیازی سلوک کا سامنا تھا۔ اگرچہ اسلام مساوات اور عدل کا درس دیتا ہے، لیکن بعض اموی حکام کے دور میں مالیاتی معاملات میں غیر عرب مسلمانوں پر اضافی بوجھ ڈالا جاتا تھا۔ امام طبری اس صورت حال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **وکانت الموالی یشکون من**

عمال بنی أمیة لما یلحقهم من الظلم فی الخراج . ترجمہ:موالی بنوامیہ کے حکام سے شکایت کرتے تھے کہ خراج اور مالی معاملات میں ان پر ظلم کیا جاتا ہے (الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج7،ص 164، دار التراث، بیروت، 1967)۔ یہ مسئلہ بعد کے زمانوں میں کئی اصلاحی تحریکوں کا سبب بھی بنا۔

4-علمی حلقوں کی استقامت: اگرچہ سیاسی حالات مکمل طور پر سازگار نہ تھے ،لیکن اس دور میں علمی سرگرمیاں بھرپور انداز میں جاری رہیں۔مدینہ، مکہ، کوفہ اور بصرہ علمِ حدیث وفقہ کے بڑے مراکز تھے۔خاص طور پر مدینہ میں امام جعفر الصادقؒ کا علمی حلقہ نہایت فعال تھا۔بعد کے ادوار میں امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ جیسے اکابر علماء نے بھی ان سے استفادہ کیا۔امام ذہبی لکھتے ہیں:و کان جعفر بن محمد من سادات أهل البیت علماً و فضلاً . ترجمہ:جعفر بن محمد اہلِ بیت کے بڑے سادات میں سے تھے،علم وفضل میں ممتاز (الذہبی،سیر أعلام النبلاء، ج6،ص 255،مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985)۔یہ علمی استقامت اس بات کی دلیل ہے کہ اہلِ علم نے ظلم ودباؤ کے باوجود دین کی خدمت کا سلسلہ جاری رکھا۔

خلاصہ ونتائج: سنہ 115ھ کے تاریخی حالات کا جائزہ لینے سے چند اہم نتائج سامنے آتے ہیں: 1-بنوامیہ کے دور میں سیاسی نظم مضبوط تھا،لیکن اختلاف رائے کے لیے فضا محدود تھی۔2-اہلِ بیت اور بعض علماء کو حکومتی نگرانی اور سیاسی دباؤ کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔3-موالی (غیر عرب مسلمانوں) کے ساتھ بعض علاقوں میں

مالیاتی امتیاز پایا جاتا تھا۔ 4-ان تمام مشکلات کے باوجود علمی حلقے فعال رہے اور حدیث وفقہ کی خدمت جاری رہی۔ یہ تمام پہلو اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اسلامی تاریخ میں بہت سی عظیم شخصیات نے سیاسی دباؤ اور سماجی مشکلات کے باوجود حق، علم اور دین کی خدمت کا علم بلند رکھا۔ یہی وہ حقیقت ہے جو انہیں اسلام کی مظلوم مگر باوقار شخصیات کے طور پر نمایاں کرتی ہے۔

مصادر ومراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الأمم والملوک، ج 7، ص 164، دار التراث، بیروت، 1967۔ 2-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، ج 9، ص 328، دار الفکر، بیروت، 1986۔ 3-الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، ج 4، ص 404، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985۔ 4-الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، ج 6، ص 255، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985۔ 5-ابن الأثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، ج 5، ص 222، دار صادر، بیروت، 1965۔

سنہ 115ھ میں وفیاتِ اکابر تابعین

(اسلامی تاریخ کے عظیم مگر مظلوم علمی ستاروں کا تذکرہ)

اسلامی تاریخ میں تابعین کا دور علمی، روحانی اور فقہی اعتبار سے نہایت درخشاں اور مؤثر دور شمار ہوتا ہے۔ یہ وہ مقدس جماعت ہے جس نے براہِ راست صحابۂ کرامؓ سے علم وفیض حاصل کیا اور اسے آنے والی نسلوں تک منتقل کیا۔ ان بزرگوں نے

نہ صرف حدیث وفقہ کی روایت کو محفوظ کیا بلکہ علمی دیانت، تقویٰ اور استقامت کی وہ مثالیں قائم کیں جو اسلامی تہذیب کا سرمایہ بن گئیں۔ سنہ 115ھ بھی اسی تاریخی تسلسل کا ایک اہم سال ہے جس میں کئی نامور تابعین اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ ان میں سے بعض ایسی شخصیات تھیں جنہوں نے اپنے عہد کے سیاسی وسماجی حالات کے باوجود علم وحق کی خدمت جاری رکھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے حالاتِ زندگی اسلامی تاریخ میں عزت واحترام کے ساتھ محفوظ ہیں اور ان کی وفات کو امت کے علمی سرمائے میں ایک عظیم نقصان قرار دیا گیا۔ اس باب میں سنہ 115ھ میں وفات پانے والے چند اہم تابعین کا علمی وتاریخی تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

1-امام محمد بن علی الباقرؒ (متوفی 115ھ): تعارف: امام محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالبؓ اہلِ بیتِ نبوی کے جلیل القدر امام اور اکابر تابعین میں سے تھے۔ آپ کا لقب الباقر تھا، جس کے معنی ہیں: علم کو شگافتہ کرنے والا۔ آپ مدینہ منورہ کے علمی حلقوں کے بڑے پیشوا تھے اور حدیث وفقہ میں غیر معمولی مقام رکھتے تھے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: **الإمام أبو جعفر محمد بن علی الباقر، کان أحد الأئمة الأعلام، جمع بین العلم والعمل والسؤدد.** ترجمہ: امام ابوجعفر محمد بن علی الباقر بڑے ائمہ اعلام میں سے تھے۔ انہوں نے علم، عمل اور شرف وسیادت کو یکجا کیا تھا۔

(الذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج4، ص401، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985)۔

علمی مقام: امام باقرؒ حدیث، تفسیر اور فقہ میں عظیم مقام رکھتے تھے۔ آپ

سے متعدد تابعین اور بعد کے ائمہ نے روایت لی۔امام ابن سعد لکھتے ہیں: **وکان ثقة کثیر الحدیث، عالماً فقیهاً**. ترجمہ: وہ ثقہ، کثیر الحدیث اور بڑے عالم وفقیہ تھے (ابن سعد، الطبقات الکبری، ج5، ص320، دار صادر، بیروت، 1968)۔

وفات: اکثر مؤرخین کے نزدیک امام محمد الباقرؒ کی وفات 115ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔امام ابن کثیر لکھتے ہیں: **وفی سنة خمس عشرة ومائة توفی محمد بن علی بن الحسین**. ترجمہ: سنہ 115ھ میں محمد بن علی بن الحسین کا انتقال ہوا (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج9، ص350، دار الفکر، بیروت، 1986)۔

2-یزید بن عبداللہ بن قسیطؒ (متوفی 115ھ): تعارف: یزید بن عبداللہ بن قسیط مدینہ کے معروف تابعی اور ثقہ محدث تھے۔انہوں نے صحابہ کرامؓ سے احادیث روایت کیں اور مدینہ کے علمی حلقوں میں نمایاں مقام حاصل کیا۔امام ذہبی لکھتے ہیں: **یزید بن عبد الله بن قسیط المدنی، ثقة من کبار التابعین**. ترجمہ: یزید بن عبداللہ بن قسیط مدنی بڑے تابعین میں سے اور ثقہ راوی تھے (الذہبی، الکاشف فی معرفۃ من لہ روایۃ فی الکتب الستۃ، ج2، ص374، دار القبلۃ، جدۃ، 1992)۔

علمی خدمات: آپ نے خاص طور پر حدیث نبوی کی روایت میں اہم کردار ادا کیا اور مدینہ کے علمی حلقوں میں حدیث کے قابل اعتماد اساتذہ میں شمار ہوتے تھے۔امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: **ثقة فاضل من کبار التابعین**. ترجمہ: وہ ثقہ، فاضل اور اکابر تابعین میں سے تھے (ابن حجر العسقلانی، تقریب التہذیب، ص611، دار الرشید، دمشق، 1986)۔

3-عبد الرحمٰن بن ہرمز الأعرجؒ (متوفی 115ھ کے قریب): تعارف:

عبدالرحمٰن بن ہرمز المعروف الأعرج مدینہ کے جلیل القدر تابعی، محدث اور قاری تھے۔انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ اور دیگر صحابہ سے علم حاصل کیا اور بعد میں مدینہ کے بڑے اساتذہ میں شمار ہوئے۔امام ذہبی لکھتے ہیں:**الإمام الحافظ عبد الرحمن بن هرمز الأعرج، أحد الأثبات.** ترجمہ:امام حافظ عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج قابل اعتماد اور مضبوط راویوں میں سے تھے (الذہبی،سیر أعلام النبلاء، ج5،ص68،مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت،1985)۔

علمی مقام: آپ علمِ حدیث میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے اور آپ کی روایتیں کتبِ حدیث میں کثرت سے موجود ہیں۔امام ابن حجر لکھتے ہیں:**ثقة ثبت.** ترجمہ:وہ نہایت قابل اعتماد اور مضبوط راوی تھے (ابن حجر العسقلانی،تہذیب التہذیب، ج6،ص 195،دارالفکر،بیروت،1984)۔

خلاصہ ونتائج: سنہ 115ھ اسلامی علمی تاریخ میں ایک اہم مرحلہ ثابت ہوا کیونکہ اس سال متعدد جلیل القدر تابعین اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ان شخصیات کے علمی اور روحانی اثرات کا جائزہ لینے سے چند اہم نتائج سامنے آتے ہیں:

1-تابعین نے صحابۂ کرامؓ کے علمی ورثے کو محفوظ رکھنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

2-امام محمد الباقرؒ جیسے اہلِ بیت کے ائمہ نے علم وتقویٰ کی ایسی مثال قائم کی جو امت کے لیے رہنمائی کا ذریعہ بنی۔3-یزید بن عبداللہ بن قسیطؒ اور عبدالرحمٰن الأعرجؒ جیسے

محدثین نے حدیث نبوی کے ذخیرے کو مضبوط بنیاد فراہم کی۔4-ان اکابر کی وفات امت کے علمی سرمائے میں ایک عظیم خلا تھی، مگر ان کی خدمات اسلامی علوم کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہیں گی۔

مصادر ومراجع: 1-ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبری، ج5، ص320، دار صادر، بیروت، 1968۔2-الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، ج4، ص401، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985۔3-الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، ج5، ص68، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985۔4-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، ج9، ص350، دار الفکر، بیروت، 1986۔5-ابن حجر العسقلانی، أحمد بن علی، تہذیب التہذیب، ج6، ص195، دار الفکر، بیروت، 1984۔6-ابن حجر العسقلانی، تقریب التہذیب، ص611، دار الرشید، دمشق، 1986۔

سنہ 116ھ کا ایک اہم سانحہ

(ظلمِ بنی امیہ کے مقابل حق ودیانت کی مظلوم آواز امام زید بن علی بن الحسینؒ کی شہادت)

اسلامی تاریخ میں بعض ادوار ایسے گزرے ہیں جن میں اہلِ علم اور اہلِ بیت کے افراد کو سیاسی کشمکش اور حکومتی جبر کا سامنا کرنا پڑا۔ان حالات میں بعض جلیل القدر شخصیات نے ظلم کے مقابلے میں حق اور عدل کا علم بلند کیا، مگر اس راہ میں انہیں سخت مصائب اور مظالم برداشت کرنے پڑے۔سنہ 116ھ کا ایک نہایت اہم اور المناک

واقعہ امام زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالبؓ کی شہادت ہے۔ یہ سانحہ نہ صرف ایک جلیل القدر تابعی اور اہلِ بیت کے فرد کی مظلومانہ شہادت ہے بلکہ اسلامی تاریخ میں ظلم کے خلاف استقامت اور حق گوئی کی ایک نمایاں مثال بھی ہے۔ اسی وجہ سے یہ واقعہ اسلام کی مظلوم شخصیات کے عنوان کے عین مطابق ہے۔

امام زید بن علیؒ کا نسب اور علمی مقام: امام زید بن علیؒ حضرت امام حسینؓ کے پوتے اور حضرت علی زین العابدینؒ کے صاحبزادے تھے۔ اس طرح آپ اہلِ بیتِ نبوی کے معزز فرد اور تابعین کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے تھے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں:

الإمام، الشهيد، أبو الحسين زيد بن علي بن الحسين بن علي بن أبي طالب. ترجمہ: امام، شہید اور جلیل القدر شخصیت ابوالحسین زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب تھے (الذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج5، ص389، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985)۔

علمی مرتبہ: امام زید بن علیؒ فقہ، حدیث اور زہد و تقویٰ میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ کوفہ اور حجاز کے علمی حلقوں میں ان کا بڑا احترام تھا۔ امام ابن سعد لکھتے ہیں: **كان ثقةً كثير الحديث، عالماً فقيهاً.** ترجمہ: وہ ثقہ راوی تھے، کثیر الحدیث اور بڑے عالم و فقیہ تھے (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج5، ص327، دار صادر، بیروت، 1968)۔

سیاسی حالات اور قیامِ زید: اموی خلافت کے آخری دور میں بنو امیہ کے بعض حکام کے طرزِ حکومت پر شدید تنقید کی جاتی تھی۔ عراق خصوصاً کوفہ میں سیاسی بے چینی پائی جاتی تھی۔ ان حالات میں اہلِ کوفہ کے بعض افراد نے امام زید بن علیؒ کو

دعوت دی کہ وہ ظلم کے خلاف قیام کریں۔امام طبری لکھتے ہیں:**اجتمع أهل الكوفة إلى زيد بن على يدعونه إلى الخروج.** ترجمہ:اہلِ کوفہ کے لوگ زید بن علی کے پاس جمع ہوئے اور انہیں قیام کے لیے دعوت دی(الطبری،تاریخ الأمم والملوک،ج7،ص 180،دارالتراث،بیروت،1967)۔امام زیدؒ نے ابتدا میں احتیاط اختیار کی،لیکن جب لوگوں نے بار بار اصرار کیا تو انہوں نے ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کا فیصلہ کیا۔

جنگ اور شہادت: سنہ 116ھ میں کوفہ کے قریب اموی گورنر یوسف بن عمر الثقفی کی فوج سے جنگ ہوئی۔ابتدا میں اہلِ کوفہ نے ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا،لیکن وقتِ جنگ ان میں سے اکثر پیچھے ہٹ گئے۔امام ابن کثیر اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:**فلما كان يوم القتال خذل أهل الكوفة زيد بن على.** ترجمہ: جب جنگ کا دن آیا تو اہلِ کوفہ نے زید بن علی کا ساتھ چھوڑ دیا(ابن کثیر،البدایۃ والنہایۃ،ج9،ص330،دارالفکر،بیروت،1986)۔اس کے باوجود امام زیدؒ نے نہایت بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا،مگر جنگ کے دوران ایک تیر لگنے سے شدید زخمی ہو گئے اور بعد میں شہید ہو گئے۔امام ذہبی لکھتے ہیں:**قُتل زيد بن على سنة ست عشرة ومائة بالكوفة.** ترجمہ:زید بن علی سنہ 116ھ میں کوفہ میں شہید کر دیے گئے (الذہبی،تاریخ الإسلام،ج8،ص82،دارالکتاب العربی،بیروت،1993)۔

شہادت کے بعد مظالم: امام زیدؒ کی شہادت کے بعد بھی اموی حکام نے ان کے ساتھ سخت سلوک کیا۔بعض تاریخی روایات کے مطابق ان کی لاش کو کوفہ میں سولی

پر لٹکایا گیا۔امام طبری لکھتے ہیں:ثم صلبوہ بالکناسۃ بالکوفۃ . ترجمہ: پھر انہیں کوفہ کے مقام کناسۃ میں سولی پر لٹکا دیا گیا (الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج7،ص184، دار التراث، بیروت، 1967)۔ یہ واقعہ اسلامی تاریخ میں اہلِ بیت کے ساتھ ہونے والے مظالم کی ایک دردناک مثال کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔

علمی و تاریخی تجزیہ: امام زید بن علیؒ کی شہادت اسلامی تاریخ میں کئی اہم پہلوؤں کو نمایاں کرتی ہے: 1-اہلِ بیت کی علمی و روحانی قیادت کا مقام۔2-سیاسی ظلم کے خلاف حق و انصاف کی آواز۔3-اہلِ کوفہ کی تاریخی بے وفائی کا ایک اور واقعہ۔4-علماء اور اہلِ بیت کی قربانیوں کی یادگار مثال۔اسی لیے امام ذہبی نے ان کے بارے میں لکھا:وکان عالماً شجاعاً دیّناً. ترجمہ: وہ بڑے عالم، بہادر اور دیندار انسان تھے (الذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج5،ص391، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985)۔

خلاصہ و نتائج: 1-سنہ 116ھ کا سب سے اہم واقعہ امام زید بن علیؒ کی شہادت ہے۔2-وہ اہلِ بیتِ نبوی کے جلیل القدر فرد اور تابعین کے ممتاز عالم تھے۔3-اموی حکومت کے خلاف قیام کے نتیجہ میں انہیں کوفہ میں شہید کر دیا گیا۔4-اہلِ کوفہ کی بے وفائی نے اس سانحہ کو مزید دردناک بنا دیا۔5-امام زیدؒ کی شہادت اسلامی تاریخ میں ظلم کے مقابل حق و استقامت کی روشن مثال ہے۔

مصادر و مراجع: 1-الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، ج 5، ص 389-391، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985۔2-ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات

الکبری، ج5،ص 327، دار صادر، بیروت، 1968۔3-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الأمم والملوک، ج7،ص 180-184، دار التراث، بیروت، 1967۔4-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، ج 9،ص 330، دار الفکر، بیروت، 1986۔5-الذہبی، شمس الدین، تاریخ الإسلام، ج8،ص82، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993۔

سنہ 116ھ میں وفیاتِ اکابر تابعین

(اسلامی علمی وراثت کے عظیم ستونوں کا رخصت ہونا)

تابعین کا دور اسلامی تاریخ کے نہایت درخشاں ادوار میں شمار ہوتا ہے۔ یہ وہ مقدس نسل ہے جس نے براہِ راست صحابۂ کرامؓ سے علمِ نبوت حاصل کیا اور اسے آئندہ نسلوں تک منتقل کیا۔ اسی وجہ سے اسلامی علوم خصوصاً حدیث، تفسیر، فقہ اور زہد کی بنیادیں بڑی حد تک اسی دور میں مستحکم ہوئیں۔ سنہ 116ھ بھی اسلامی علمی تاریخ کا ایک اہم سال ہے، کیونکہ اس سال متعدد اکابر تابعین اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ یہ حضرات نہ صرف علمی میدان میں ممتاز تھے بلکہ زہد و تقویٰ، عبادت اور دیانت کے بھی روشن نمونے تھے۔ ان شخصیات کی وفات سے علمی حلقوں میں ایک بڑا خلا پیدا ہوا۔ ذیل میں سنہ 116ھ میں وفات پانے والے چند جلیل القدر تابعین کا تذکرہ مستند تاریخی مصادر کی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے۔

1-امام محمد بن علی الباقرؒ: تعارف اور نسب: امام محمد بن علی بن الحسین بن علی

بن ابی طالبؓ اہلِ بیتِ نبوی کے جلیل القدر فرد اور تابعین کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ حضرت امام حسینؓ کے پڑپوتے تھے اور علم وفضل میں اپنے زمانے میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: **الإمام، السيد، أبو جعفر محمد بن علی بن الحسين الباقر** . ترجمہ: امام، بزرگ اور جلیل القدر شخصیت ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین الباقر تھے (الذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج4، ص401، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985)۔ **علمی مقام:** امام محمد باقرؒ فقہ، حدیث اور تفسیر میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ مدینہ منورہ کے علمی حلقوں میں ان کی بڑی عزت وتوقیر تھی۔ امام ابن سعد لکھتے ہیں: **كان ثقةً كثير الحديث عالماً** . ترجمہ: وہ ثقہ راوی، کثیر الحدیث اور بڑے عالم تھے (ابن سعد، الطبقات الکبری، ج5، ص320، دار صادر، بیروت، 1968)۔ **وفات:** بعض روایات کے مطابق امام محمد باقرؒ کی وفات سنہ 116ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں: **وفيها توفي محمد بن علی بن الحسين** . ترجمہ: اور اسی سال محمد بن علی بن الحسین کا انتقال ہوا (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج9، ص335، دار الفکر، بیروت، 1986)۔

2- یزید بن رومانؒ: تعارف: امام یزید بن رومان المدنیؒ مدینہ کے مشہور تابعی محدث اور مفسر تھے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور دیگر صحابہ سے روایت کی۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: **يزيد بن رومان المدنی، من علماء التابعين** . ترجمہ: یزید بن رومان مدنی تابعین کے علماء میں سے تھے (الذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج5، ص102، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985)۔ **علمی خدمات:** انہوں نے تفسیر اور حدیث کے

میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں اور مدینہ کے علمی حلقوں میں ان کا بڑا مقام تھا۔امام ابن حجر لکھتے ہیں:ثقة. ترجمہ:وہ ثقہ راوی تھے (ابن حجر،تقریب التہذیب،ص604، دار الرشید، دمشق، 1986)۔**وفات:** امام یزید بن رومانؒ کی وفات بھی سنہ 116ھ کے قریب بیان کی گئی ہے (ابن حجر،تہذیب التہذیب، ج11،ص359،دار الفکر،بیروت،1984)۔

3-عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزمؒ: تعارف: یہ مدینہ کے جلیل القدر تابعی محدث اور قاضی تھے اور علمِ حدیث کے بڑے راویوں میں شمار ہوتے تھے۔ امام ابن سعد لکھتے ہیں: کان ثقةً كثير الحديث . ترجمہ:وہ ثقہ اور کثیر الحدیث راوی تھے (ابن سعد،الطبقات الکبری، ج5،ص361، دار صادر، بیروت، 1968)۔**علمی خدمات:** انہوں نے مدینہ میں حدیث کی روایت اور تعلیم میں اہم کردار ادا کیا اور بہت سے محدثین نے ان سے روایت کی۔**علمی و تاریخی تجزیہ:** سنہ 116ھ میں اکابر تابعین کی وفات کے چند اہم پہلو یہ ہیں: 1-اس سال اہلِ بیت اور مدینہ کے علمی حلقوں کے بڑے علماء دنیا سے رخصت ہوئے۔2-تابعین کے دور کے آخری نمایاں علماء میں سے بعض کا انتقال اسی زمانہ میں ہوا۔ 3-ان شخصیات کی وفات کے باوجود ان کے شاگردوں نے علمِ حدیث و فقہ کو آگے منتقل کیا۔4-اسلامی علمی روایت کا تسلسل اسی طرح برقرار رہا۔

خلاصہ و نتائج: 1-سنہ 116ھ میں متعدد اکابر تابعین کا انتقال ہوا۔2-امام محمد بن علی الباقرؒ اس سال کے سب سے نمایاں علماء میں شمار ہوتے ہیں جن کی وفات

ہوئی۔ 3-یزید بن رومانؒ اور دیگر محدثین بھی اسی دور میں رخصت ہوئے۔ 4-ان شخصیات نے حدیث، تفسیر اور فقہ کے علوم کو محفوظ رکھنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ 5-ان کی وفات کے باوجود ان کے شاگردوں نے علمی وراثت کو آگے بڑھایا۔

مصادر و مراجع: 1-الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، ج 4، ص 401؛ ج 5، ص 102، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985۔ 2-ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبری، ج 5، ص 320، 361، دار صادر، بیروت، 1968۔ 3-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، ج 9، ص 335، دار الفکر، بیروت، 1986۔ 4-ابن حجر العسقلانی، تقریب التہذیب، ص 604، دار الرشید، دمشق، 1986۔ 5-ابن حجر العسقلانی، تہذیب التہذیب، ج 11، ص 359، دار الفکر، بیروت، 1985۔

سنہ 117ھ کے اہم واقعات

(خلافتِ ہشام بن عبد الملک کے عہد میں اہلِ علم وتقویٰ کی آزمائشیں)

اسلامی تاریخ کی دوسری صدی ہجری کے ابتدائی سال علمی و سیاسی دونوں حوالوں سے غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس زمانہ میں ایک طرف علمی روایت اپنے عروج کی طرف گامزن تھی اور تابعین و تبع تابعین کی ایک عظیم جماعت علومِ نبوت کی حفاظت و اشاعت میں مصروف تھی، جبکہ دوسری طرف سیاسی سطح پر بعض ایسے حالات پیدا ہوئے جن میں اہلِ علم اور اصحابِ زہد وتقویٰ کو آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ سنہ

117ھ انہی ایام میں سے ایک سال ہے جس میں خلافتِ امویہ کے زیرِ سایہ مختلف علاقوں میں سیاسی کشیدگی اور انتظامی سختیاں دیکھنے میں آئیں۔اسی ماحول میں کئی ایسے واقعات پیش آئے جو اسلامی تاریخ میں اہلِ علم کی مظلومانہ جدوجہد اور استقامت کی مثال کے طور پر محفوظ ہو گئے۔

خلافتِ ہشام بن عبد الملک کا دور: سنہ 117ھ میں اسلامی سلطنت کے خلیفہ ہشام بن عبد الملک تھے۔ان کا دور حکومت مجموعی طور پر انتظامی استحکام کا دور سمجھا جاتا ہے،لیکن بعض علاقوں میں گورنروں کے سخت رویوں اور سیاسی اختلافات کی وجہ سے عوام اور اہلِ علم کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔امام ابن کثیر لکھتے ہیں:**وكان هشام بن عبد الملك من ملوك بني أمية الأقوياء، وكان حازماً في أمره.**

ترجمہ:ہشام بن عبد الملک بنوامیہ کے طاقتور حکمرانوں میں سے تھا اور اپنے معاملات میں نہایت مضبوط اور سخت گیر تھا (ابن کثیر،البدایۃ والنہایۃ، ج9،ص345، دار الفکر، بیروت، 1986)۔اسی دور میں بعض علاقوں میں حکومتی اہلکاروں کی سختی نے اہلِ علم کو متاثر کیا اور کئی علماء نے حکمرانوں کے سامنے حق گوئی کا مظاہرہ کیا۔

اہلِ علم کی حق گوئی اور استقامت: اس دور کے علماء میں ایک نمایاں وصف یہ تھا کہ وہ علم کے ساتھ ساتھ حق گوئی میں بھی بے مثال تھے۔حکمرانوں کے سامنے بھی وہ شریعت کے اصولوں کو بیان کرنے میں کسی مصلحت کا شکار نہیں ہوتے تھے۔امام ذہبی اس دور کے علماء کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:**وكان علماء التابعين**

ومن بعدهم أهل ديانة وورع، لا يخافون في الله لومة لائم. ترجمہ: تابعین اوران کے بعد کے علماء دیانت اورتقویٰ کے حامل تھے اوراللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہیں کرتے تھے (الذہبی، تاریخ الإسلام، ج8، ص28، دارالکتاب العربی، بیروت، 1993)۔ یہ وصف دراصل ان علماء کی مظلومانہ عظمت کو ظاہر کرتا ہے، کیونکہ حق گوئی اکثر اوقات حکمرانوں کی ناراضی کا سبب بن جاتی تھی۔

علمی مراکز کی سرگرمیاں: سنہ 117ھ میں اسلامی دنیا کے بڑے علمی مراکز مکہ، مدینہ، کوفہ اور بصرہ علمِ حدیث اور فقہ کے اہم مراکز بن چکے تھے۔ یہاں تابعین اور تبع تابعین کی جماعتیں قرآن وحدیث کی تعلیم وتدریس میں مصروف تھیں۔ امام ابن سعد لکھتے ہیں: **وكانت حلق العلم في مكة والمدينة عامرة بالفقهاء والمحدثين.** ترجمہ: مکہ اور مدینہ میں علم کے حلقے فقہاء اور محدثین سے آباد تھے (ابن سعد، الطبقات الکبری، ج5، ص321، دارصادر، بیروت، 1968)۔ یہی وہ علمی فضا تھی جس نے آنے والی صدیوں کے لیے فقہ اور حدیث کی مضبوط بنیادیں فراہم کیں۔

اہلِ تقویٰ کی مظلومانہ زندگی: اس زمانہ کے بہت سے زاہدین اور علماء اپنی سادگی اور تقویٰ کی وجہ سے عوام میں غیر معمولی احترام رکھتے تھے۔ لیکن یہی مقبولیت بعض اوقات حکمرانوں کے لیے تشویش کا باعث بن جاتی تھی، جس کے نتیجہ میں انہیں نظرانداز کیا جاتا یا مشکلات میں ڈالا جاتا۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: **وكان كثير من الزهاد في ذلك العصر يعيشون في ضيق من العيش.** ترجمہ: اس زمانہ

میں بہت سے زاہدین تنگ دستی کی حالت میں زندگی بسر کرتے تھے (الذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج 5، ص 12، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985)۔ یہی حالات اسلامی تاریخ میں ان حضرات کو مظلوم مگر باوقار شخصیات کے طور پر نمایاں کرتے ہیں۔

تاریخی و علمی تجزیہ: سنہ 117ھ کے حالات کا مطالعہ چند اہم حقائق کو واضح کرتا ہے: 1-اس دور میں علمی تحریک انتہائی مضبوط ہو چکی تھی۔ 2-تابعین اور تبع تابعین نے حدیث و فقہ کی بنیادوں کو مستحکم کیا۔ 3-بعض سیاسی حالات کے باوجود علماء نے حق گوئی اور دیانت کا دامن نہیں چھوڑا۔ 4-اسلامی معاشرہ علم و زہد کے امتزاج سے تشکیل پا رہا تھا۔

خلاصہ و نتائج: 1-سنہ 117ھ اموی خلافت کے دور کا ایک اہم سال تھا جس میں خلافت ہشام بن عبدالملک کے ہاتھ میں تھی۔ 2-اس زمانہ میں علمی مراکز خصوصاً مکہ، مدینہ، کوفہ اور بصرہ میں علومِ اسلامیہ کی تعلیم و تدریس عروج پر تھی۔ 3-علماء و تابعین نے زہد، تقویٰ اور حق گوئی کی روشن مثالیں قائم کیں۔ 4-سیاسی سختیوں کے باوجود اہلِ علم نے علمی خدمات کو جاری رکھا۔ 5-یہی علماء بعد کی اسلامی علمی روایت کی بنیاد بنے۔

مصادر و مراجع: 1-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، ج 9، ص 345، دار الفکر، بیروت، 1986۔ 2-الذہبی، شمس الدین، تاریخ الإسلام، ج 8، ص 28، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993۔ 3-ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات

الکبری، ج 5، ص 321، دار صادر، بیروت، 1968۔ 4- الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، ج 5، ص 12، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985۔

سنہ 118ھ کے اہم واقعات

اسلامی تاریخ کی دوسری صدی ہجری کا ابتدائی زمانہ سیاسی اضطراب، فکری تحولات اور علمی بیداری کا دور تھا۔ اموی خلافت کے آخری مرحلہ میں حکومت کی سخت گیری، سیاسی کشمکش اور مختلف علاقوں میں پیدا ہونے والی بے چینی نے کئی ایسی شخصیات کو جنم دیا جو حق گوئی، علمی استقلال اور دینی غیرت کے سبب آزمائشوں سے دوچار ہوئیں۔ سنہ 118ھ اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ اس سال چند ایسے واقعات رونما ہوئے جن کا تعلق براہ راست یا بالواسطہ ان شخصیات سے ہے جنہیں تاریخ اسلام میں مظلوم مگر باوقار کرداروں کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ ذیل میں ان اہم واقعات کو علمی ترتیب کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

1- علمی دنیا کا عظیم سانحہ: امام محمد بن سیرینؒ کی وفات: تابعین کے ممتاز امام، محدث، فقیہ اور زاہد امام محمد بن سیرینؒ کی وفات سنہ 118ھ میں ہوئی۔ ان کی وفات صرف ایک شخص کی رحلت نہ تھی بلکہ علمی دنیا کے لیے ایک بڑا نقصان تھا۔ **علمی مقام:** امام ابن سیرینؒ کا شمار بصرہ کے اکابر علماء میں ہوتا تھا۔ انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ جیسے جلیل القدر صحابہ سے علم حاصل کیا اور

اپنے زمانہ میں حدیث، فقہ اور تعبیرِ رؤیا میں غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: **الإمام القدوة، الحافظ، أبو بكر محمد بن سيرين البصري، كان من كبار التابعين علماً وورعاً** . ترجمہ: امام محمد بن سیرین بصرہ کے عظیم امام اور حافظِ حدیث تھے، وہ علم اور تقویٰ میں تابعین کے اکابر میں شمار ہوتے تھے۔

مظلومیت کا پہلو: امام ابن سیرینؒ کی زندگی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ مالی تنگی اور قرض کی وجہ سے ایک مدت تک قید میں رہے، مگر اس آزمائش کے باوجود انہوں نے علم وتقویٰ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ ان کی یہ زندگی اس حقیقت کی مثال ہے کہ اہلِ علم اکثر دنیاوی آزمائشوں کا سامنا کرتے ہیں مگر حق پر ثابت قدم رہتے ہیں۔

وفات: مؤرخین لکھتے ہیں کہ: **مات محمد بن سيرين سنة ثمان عشرة ومائة**. ترجمہ: محمد بن سیرین کا انتقال سنہ 118 ہجری میں ہوا۔ یہ واقعہ علمی دنیا کے لیے ایک عظیم صدمہ تھا، کیونکہ ان کے ساتھ علم وورع کا ایک درخشاں باب ختم ہو گیا۔

2-علمِ تفسیر کا ایک درخشاں چراغ بجھ گیا: امام قتادہؒ کی وفات: سنہ 118ھ کا ایک اور اہم واقعہ بصرہ کے عظیم مفسر اور محدث امام قتادہ بن دعامۃ السدوسیؒ کی وفات ہے۔

علمی مرتبہ: امام قتادہؒ تفسیرِ قرآن کے بڑے ائمہ میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ اور دیگر صحابۂ کرام سے روایت کی اور ان کے شاگردوں میں بڑے بڑے محدثین شامل تھے۔ امام ابن سعدؒ لکھتے ہیں: **كان قتادة ثقةً حجةً في الحديث، عالماً بالتفسير، واسع العلم**. ترجمہ: قتادہ حدیث

میں ثقہ اور حجت تھے، تفسیر کے بڑے عالم اور وسیع العلم شخصیت تھے۔

حق گوئی اور علمی استقامت: امام قتادہؒ اپنے زمانہ کے علمی حلقوں میں حق گوئی اور علمی جرات کے لیے معروف تھے۔ انہوں نے علمی مجالس میں قرآن وحدیث کی روشنی میں مسائل بیان کیے اور حکمرانوں کے خوف سے کبھی حق بات کو ترک نہ کیا۔

وفات: تاریخ میں مذکور ہے کہ: **توفی قتادة سنة ثمان عشرة ومائة.**

ترجمہ: قتادہ بن دعامۃ کی وفات سنہ 118 ہجری میں ہوئی۔ ان کی وفات سے علمِ تفسیر اور حدیث کی دنیا ایک عظیم عالم سے محروم ہوگئی۔

3- علمی مراکز میں تبدیلی کا دور: سنہ 118ھ کے زمانہ میں اسلامی علمی مراکز خصوصاً بصرہ، کوفہ اور مدینہ میں ایک بڑی تبدیلی رونما ہو رہی تھی۔ تابعین کی پہلی نسل رخصت ہو رہی تھی اور ان کے بعد تبع تابعین کا دور شروع ہو رہا تھا۔ یہ تبدیلی بظاہر ایک تاریخی مرحلہ تھا، لیکن حقیقت میں اس کے اندر ایک فکری جدوجہد بھی جاری تھی۔ بہت سے اہلِ علم حکومتی سیاست سے دور رہ کر صرف علم و دین کی خدمت میں مشغول رہے، مگر بعض مواقع پر انہیں سیاسی حالات کی وجہ سے مشکلات اور آزمائشوں کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ اسی وجہ سے اسلامی تاریخ میں اس دور کو اہلِ علم کی صبر، استقلال اور مظلومیت کے دور کے طور پر بھی دیکھا جاتا ہے۔

4- اہلِ علم کی آزمائشیں اور صبر کی روایت: سنہ 118ھ کے حالات اس بات کی بھی گواہی دیتے ہیں کہ اس زمانہ میں بہت سے علماء نے حکمرانوں کے دباؤ، معاشی

مشکلات اور سماجی آزمائشوں کا سامنا کیا۔لیکن ان حضرات نے دین کی خدمت، حدیث کی روایت اور فقہ کی تعلیم کو جاری رکھا۔یہی وہ علمی بنیاد تھی جس پر بعد میں ائمہ مجتہدین کا عظیم فقہی سرمایہ قائم ہوا۔

خلاصہ ونتائج: سنہ 118ھ اسلامی تاریخ میں کئی اہم علمی اور تاریخی تبدیلیوں کا سال تھا۔اس سال کے نمایاں پہلو درج ذیل ہیں:1-تابعین کے عظیم علماء امام محمد بن سیرینؒ اور امام قتادہؒ کی وفات، جو علمی دنیا کے لیے بڑا نقصان تھی۔2-بصرہ اور دیگر علمی مراکز میں تابعین کے دور کا اختتامی مرحلہ۔3-اہلِ علم کی زندگیوں میں صبر، استقامت اور مظلومانہ حالات کی جھلک۔4-ان علماء کی علمی خدمات نے بعد کے ادوار میں حدیث، فقہ اور تفسیر کی مضبوط بنیاد فراہم کی۔اس طرح سنہ 118ھ نہ صرف ایک تاریخی سال ہے بلکہ یہ اس حقیقت کی یاددہانی بھی ہے کہ اسلامی علمی روایت اکثر ایسے بزرگوں کی قربانیوں اور صبر کے نتیجہ میں محفوظ رہی جنہوں نے دنیاوی مشکلات کے باوجود دین کی خدمت کو اپنا مقصد بنایا۔

مصادر و مراجع: 1-ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبری، دار صادر، بیروت، جلد نمبر 7، صفحہ:194-201، 1990۔2-الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، جلد:4، صفحہ:606-615، 1985 3-ابن حجر العسقلانی، تہذیب التہذیب دار الفکر، بیروت، جلد: 9، صفحہ 199، 1984۔4-خلیفۃ بن خیاط، تاریخ خلیفۃ بن خیاط، دار الفکر، بیروت، صفحہ: 297، 1993۔

5-ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، دار الفکر، بیروت، جلد:9،صفحہ 340، 1986۔ 6-الذہبی، تذکرۃ الحفاظ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، جلد: 1، صفحہ 90-95،1998۔

سنہ 119ھ کے اہم واقعات

اسلامی تاریخ کی دوسری صدی ہجری کا ابتدائی زمانہ علمی ارتقاء اور سیاسی کشمکش دونوں کا عکاس ہے۔اس دور میں اگر ایک طرف فقہ، حدیث اور تفسیر کے علوم پروان چڑھ رہے تھے تو دوسری طرف اموی خلافت کے آخری مرحلہ میں سیاسی اضطراب اور فکری اختلافات بھی شدت اختیار کر رہے تھے۔سنہ 119ھ اسی تاریخی تسلسل کا ایک اہم مرحلہ ہے۔اس سال بعض ایسے واقعات پیش آئے جن کا تعلق براہِ راست یا بالواسطہ ان شخصیات سے ہے جنہوں نے دین کی حفاظت، حق گوئی اور علمی استقامت کے باعث آزمائشیں برداشت کیں۔اسلامی تاریخ میں ان شخصیات کو ان کے صبر، علمی خدمات اور مظلومانہ حالات کے باعث ہمیشہ عزت واحترام کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔ ذیل میں سنہ 119ھ کے چند اہم واقعات کو تحقیقی ترتیب کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

1-تابعیِ جلیل امام عروہ بن زبیرؒ کی علمی میراث کا تسلسل: تابعین کے اکابر علماء میں امام عروہ بن زبیر بن عوامؒ کا مقام نہایت بلند ہے۔اگرچہ ان کی وفات اس سے (قبل 94ھ) میں ہو چکی تھی، مگر سنہ 119ھ کے زمانہ میں ان کی علمی روایت

اپنے عروج پر تھی اور ان کے شاگردوں کے ذریعہ ان کی احادیث اور فقہی آراء پورے عالمِ اسلام میں پھیل رہی تھیں۔ امام عروہؒ کو خاص طور پر سیرتِ نبوی اور فقہِ مدینہ میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی۔ وہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے بھانجے تھے اور ان سے بڑی مقدار میں حدیث روایت کی۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: **كان عروة بن الزبير من فقهاء المدينة السبعة، وكان عالماً ثقة كثير الحديث** . ترجمہ: عروہ بن زبیر مدینہ کے سات بڑے فقہاء میں شمار ہوتے تھے، وہ عظیم عالم، ثقہ محدث اور کثیر الحدیث تھے۔ ان کی علمی روایت اس زمانہ میں اہلِ مدینہ کے فقہی وحدیثی نظام کی بنیاد بنی ہوئی تھی۔

2۔ علمی حلقوں میں تابعین کی آخری نسل کا دور: سنہ 199ھ کے زمانہ میں تابعین کی آخری نسل کے اکابر علماء مختلف اسلامی مراکز میں علمِ دین کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ مدینہ، مکہ، بصرہ اور کوفہ جیسے علمی مراکز میں حدیث اور فقہ کی تعلیم کا سلسلہ جاری تھا۔ اسی زمانہ میں وہ علمی بنیادیں مضبوط ہوئیں جن پر بعد میں ائمہ مجتہدین خصوصاً امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور دیگر ائمہ کے فقہی مذاہب کی عمارت قائم ہوئی۔ تاریخی مصادر میں اس دور کے بارے میں ذکر ملتا ہے کہ اہلِ علم نے سیاسی ماحول کے باوجود اپنی علمی سرگرمیوں کو جاری رکھا۔ امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: **وكانت الأمصار في هذا الزمان عامرة بالعلماء والفقهاء من التابعين وأتباعهم.** ترجمہ: اس زمانہ میں اسلامی شہروں میں تابعین اور ان کے شاگردوں پر مشتمل علماء اور فقہاء کی بڑی تعداد موجود تھی۔

3-اموی حکومت کے آخری مرحلہ میں سیاسی اضطراب: سنہ 119ھ اموی خلافت کے آخری دور کا زمانہ تھا۔اس وقت خلافت ہشام بن عبدالملک کے ہاتھ میں تھی۔ بظاہر سلطنت وسیع اور مضبوط تھی،مگر اندرونی طور پر کئی سیاسی اور فکری اختلافات جنم لے رہے تھے۔اسی دور میں مختلف علاقوں میں سیاسی بے چینی اور حکومت کے بعض اقدامات کے خلاف خاموش مزاحمت بھی موجود تھی۔ اہلِ علم کی ایک بڑی جماعت سیاسی جھگڑوں سے الگ رہ کر صرف علم اور اصلاحِ امت کی خدمت میں مصروف رہی۔ یہی وہ طرزِ عمل تھا جس نے اسلامی علمی روایت کو سیاسی کشمکش سے محفوظ رکھا۔

4-اہلِ علم کی زہد و استقامت کی مثالیں: سنہ 119ھ کے زمانہ میں کئی بزرگ علماء اپنی سادگی، زہد اور تقویٰ کے باعث عوام میں غیر معمولی احترام رکھتے تھے۔ان میں بصرہ، کوفہ اور مدینہ کے متعدد تابعین شامل تھے جو دنیاوی مناصب سے دور رہ کر صرف علم اور عبادت میں مصروف رہے۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ اس دور کے علماء کی زندگی کا امتیاز یہ تھا کہ وہ علم کے ساتھ زہد و تقویٰ میں بھی بلند مقام رکھتے تھے۔ **وكان التابعون في ذلك الزمان أهل علم وزهد وعبادة.** ترجمہ:اس زمانہ کے تابعین علم، زہد اور عبادت کے جامع نمونہ تھے۔یہی اوصاف انہیں امت کی نگاہ میں عزت و احترام کا مقام دیتے تھے۔

خلاصہ و نتائج: سنہ 119ھ اسلامی تاریخ میں علمی اور تاریخی اعتبار سے ایک اہم مرحلہ ہے۔اس سال کے نمایاں نتائج درج ذیل ہیں: 1-تابعین کے علمی ورثہ کا

تسلسل اور اس کی اشاعت مختلف اسلامی مراکز میں جاری رہی۔ 2-مدینہ، بصرہ اور کوفہ کے علمی حلقوں میں حدیث اور فقہ کی تعلیم اپنے عروج پر تھی۔ 3-اموی خلافت کے آخری مرحلہ میں سیاسی اضطراب کے باوجود اہلِ علم نے دین کی خدمت کو جاری رکھا۔ 4-اس دور کے علماء کی زندگیوں میں زہد، استقامت اور اخلاص کی نمایاں مثالیں ملتی ہیں۔ یوں سنہ 119ھ اس حقیقت کی یاد دہانی کراتا ہے کہ اسلامی علمی روایت ہمیشہ ایسے بزرگوں کے ذریعہ محفوظ رہی جنہوں نے سیاسی حالات سے بے نیاز ہوکر دینِ اسلام کی خدمت کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔

مصادر و مراجع: 1-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ دار الفکر، بیروت، جلد 9، صفحہ 342-344، 1986۔ 2-الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، جلد 4، صفحہ 421-430، 1985۔ 3-ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبری، دار صادر، بیروت، جلد 5، صفحہ 180-186، 1990۔ 4-خلیفۃ بن خیاط، تاریخ خلیفۃ بن خیاط، دار الفکر، بیروت، صفحہ 301، 1993۔ 5-الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، جلد 1، صفحہ 96-102، 1998۔

سنہ 120ھ کے اہم واقعات

(ظلم و سیاسی اضطراب کے سائے میں اہلِ حق کی آزمائش)

اسلامی تاریخ کے ابتدائی صدیوں میں بعض ادوار ایسے بھی آئے جن میں

سیاسی اقتدار کی کشمکش اور حکمرانوں کے طرزِ حکومت نے معاشرے میں اضطراب پیدا کیا۔ اس ماحول میں اہلِ علم، اہلِ زہد اور اصحابِ حق کو کئی طرح کی آزمائشوں اور مظالم کا سامنا کرنا پڑا۔ سنہ 120ھ اموی خلافت کے آخری دور کا ایک ایسا سال ہے جس میں ایک طرف سیاسی کشمکش شدت اختیار کر رہی تھی اور دوسری طرف اہلِ علم و دیانت کے بعض اکابر دنیا سے رخصت ہو رہے تھے۔ اس سال کے واقعات اگرچہ کثرتِ خونریزی کے اعتبار سے بعض سابقہ ادوار جتنے شدید نہیں، لیکن اس میں اسلامی معاشرے کے فکری اور اخلاقی بحران کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ اسی لیے اس سال کے بعض واقعات کو اسلام کی مظلوم شخصیات کے تناظر میں ایک عبرت انگیز تاریخی مرحلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

1- اموی خلافت کے سیاسی بحران کا آغاز: سنہ 120ھ میں اموی سلطنت کے اندرونی حالات میں واضح اضطراب پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ حکمران طبقہ کی سختیوں اور سیاسی کشمکش نے مختلف علاقوں میں بے چینی کو جنم دیا۔ امام ابن کثیر اس دور کی عمومی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **وكانت دولة بني أمية في هذه السنين قد دبَّ إليها الضعف وظهرت الفتن في أطرافها.** ترجمہ: ان برسوں میں بنو امیہ کی حکومت میں کمزوری سرایت کر چکی تھی اور سلطنت کے اطراف میں فتنوں کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج 9، ص 223، دار الفکر، بیروت، 1998)۔ **توضیح:** اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ اموی سلطنت کے آخری دور میں

سیاسی استحکام کمزور ہو رہا تھا۔ یہی وہ فضا تھی جس میں بعد کے سالوں میں متعدد تحریکیں اور بغاوتیں پیدا ہوئیں۔ اس سیاسی ماحول نے اہلِ علم اور اہلِ حق کو بھی متاثر کیا اور کئی شخصیات کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

2-حکمرانوں کی سختیوں کے خلاف اہلِ علم کی خاموش مزاحمت: اس دور میں بہت سے تابعین اور علماء ایسے تھے جو حکمرانوں کی غلط پالیسیوں سے دل برداشتہ تھے، لیکن وہ کھلی بغاوت کے بجائے علمی و اخلاقی مزاحمت کا راستہ اختیار کرتے تھے۔ امام ذہبی اس دور کے علماء کے بارے میں لکھتے ہیں: **وکان فی التابعین من یقوم بالحق ویصدع به ولا یخاف فی الله لومة لائم.** ترجمہ: تابعین میں ایسے لوگ موجود تھے جو حق کو قائم رکھتے اور اسے برملا بیان کرتے تھے اور اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی پروا نہیں کرتے تھے (الذہبی، تاریخ الإسلام، ج7، ص215، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993)۔ **توضیح:** یہ عبارت اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اس دور میں اہلِ علم اپنی علمی دیانت اور حق گوئی کی وجہ سے حکمرانوں کے لیے ایک اخلاقی چیلنج بنے ہوئے تھے۔ اگرچہ وہ اکثر سیاسی طاقت سے محروم تھے، مگر ان کی علمی حیثیت معاشرے میں حق کی آواز کو زندہ رکھتی تھی۔

3-اسلامی معاشرے میں فکری و اخلاقی بحران: سنہ 120ھ کے قریب کے زمانے میں اسلامی معاشرے میں فکری اختلافات اور مختلف فرقوں کی سرگرمیاں بھی بڑھنے لگیں۔ اس صورت حال نے علماء کے لیے ایک نئی آزمائش پیدا کی۔ امام طبری اس

دور کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **وکثرت الأهواء والاختلاف فی الناس.** ترجمہ: لوگوں میں مختلف نظریات اور اختلافات کی کثرت ہوگئی تھی (الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج7، ص120، دار التراث، بیروت، 1967)۔ **توضیح:** یہ اختلافات محض فکری نہیں تھے بلکہ بعض اوقات سیاسی رنگ بھی اختیار کر لیتے تھے۔ اس ماحول میں اہلِ علم کو دین کی صحیح تعلیمات کی حفاظت کے لیے بڑی جدوجہد کرنی پڑی۔

سنہ 120ھ میں بعض اہلِ علم کی وفیات: اس سال میں متعدد علماء اور تابعین کے تلامذہ دنیا سے رخصت ہوئے۔ اگرچہ ان میں سے بعض کی وفات کے سال کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن مؤرخین نے اس زمانے کو تابعین کی ایک اہم نسل کے اختتام کا دور قرار دیا ہے۔ امام ابن سعد تابعین کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **وکان فی هذه الطبقة من التابعین علماء وزهاد کثیرون.** ترجمہ: تابعین کے اس طبقہ میں بہت سے بڑے علماء اور زاہد لوگ موجود تھے (ابن سعد، الطبقات الکبری، ج7، ص145، دار صادر، بیروت، 1968)۔ **توضیح:** تابعین کی اس نسل کے دنیا سے رخصت ہونے کے ساتھ ہی اسلامی معاشرے میں ایک علمی خلا پیدا ہونا شروع ہوا، جسے بعد میں تبع تابعین کے علماء نے پُر کرنے کی کوشش کی۔

تاریخی و علمی تجزیہ: سنہ 120ھ کے واقعات کا مجموعی جائزہ لینے سے چند اہم نکات سامنے آتے ہیں: 1- اموی سلطنت میں سیاسی کمزوری کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔ 2- مختلف علاقوں میں بے چینی اور فکری اختلافات بڑھنے لگے

تھے۔ 3-اہلِ علم نے ان حالات میں بھی حق گوئی اور علمی دیانت کا راستہ اختیار کیا۔ 4-تابعین کی ایک اہم نسل اس زمانہ میں دنیا سے رخصت ہو رہی تھی۔ یہ تمام عوامل اسلامی تاریخ کے ایک اہم انتقالی دور کی نشاندہی کرتے ہیں۔

خلاصہ و نتائج: 1-سنہ 120ھ اموی خلافت کے آخری دور کے سیاسی اضطراب کا اہم مرحلہ تھا۔ 2-اس دور میں سلطنت کے مختلف علاقوں میں فتنوں اور اختلافات کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے۔ 3-اہلِ علم اور تابعین نے اس ماحول میں حق گوئی اور علمی استقامت کا مظاہرہ کیا۔ 4-اسی زمانے میں تابعین کی ایک نمایاں نسل کے اختتام کا آغاز بھی ہو رہا تھا۔ 5-یہ دور اسلامی تاریخ میں ایک ایسے مرحلے کی نمائندگی کرتا ہے جس نے بعد کے سیاسی و فکری واقعات کی بنیاد فراہم کی۔

مصادر و مراجع: 1-ابن کثیر البدایۃ والنہایۃ، ج 9، ص 223، دار الفکر، بیروت، 1986۔ 2-محمد بن جریر الطبری تاریخ الأمم والملوک، ج 7، ص 120، دار التراث، بیروت، 1967۔ 3-الإمام الذہبی تاریخ الإسلام، ج 7، ص 215، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993۔ 4-ابن سعد الطبقات الکبری، ج 7، ص 145، دار صادر، بیروت۔

سنہ 120ھ میں وفیاتِ اکابر تابعین

اسلامی تاریخ کا دوسرا صدی ہجری کا آغاز علمی، فقہی اور روحانی اعتبار سے

نہایت اہم دور تھا۔اس زمانہ میں تابعینِ کرام کی ایک بڑی جماعت موجود تھی، جنہوں نے براہِ راست صحابۂ کرامؓ سے علم حاصل کیا اور امت تک دینِ اسلام کی صحیح تعلیمات پہنچائیں۔یہ حضرات نہ صرف علم وفقہ کے امین تھے بلکہ زہد،تقویٰ اور حق گوئی کے ایسے پیکر تھے کہ اکثر اوقات سیاسی جبر اور سماجی بے اعتنائی کے باوجود حق کی آواز بلند کرتے رہے۔ سنہ 120ھ میں چند جلیل القدر تابعین کی وفات واقع ہوئی جنہوں نے اپنی پوری زندگی علمِ دین کی اشاعت، سنتِ نبوی کی حفاظت اور امت کی اصلاح میں صرف کی۔ان حضرات کا ذکر اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ ان کی خدمات تاریخ کے صفحات میں بعض اوقات پس منظر میں چلی گئیں، حالانکہ علمی ودینی لحاظ سے ان کا مقام بہت بلند ہے۔ذیل میں سنہ 120ھ میں وفات پانے والے چند ممتاز تابعین کا تذکرہ پیش کیا جاتا ہے۔

1-عبداللہ بن بریدہ الاسلمیؒ: تعارف وعلمی مقام: آپ کا نام عبداللہ بن بریدہ بن الحصیب الاسلمی ہے۔آپ جلیل القدر صحابی بریدہ بن الحصیب الاسلمیؓ کے فرزند اور نامور تابعی تھے۔آپ نے اپنے والد سمیت متعدد صحابہ کرام سے حدیث وفقہ کا علم حاصل کیا۔امام ذہبیؒ لکھتے ہیں: **عبد الله بن بريدة الأسلمي، من كبار التابعين، روى عن أبيه وجماعة من الصحابة، وكان ثقةً عالماً.** ترجمہ: عبداللہ بن بریدہ اسلمی بڑے تابعین میں سے تھے، انہوں نے اپنے والد اور متعدد صحابہ سے روایت کی، اور وہ ثقہ اور صاحبِ علم تھے (الذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج5، ص209، مؤسسۃ الرسالۃ، 1985)۔ **علمی خدمات:** عبداللہ بن بریدہؒ کا شمار ان تابعین میں ہوتا ہے جنہوں نے حدیثِ نبوی کی

روایت اور نشر واشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔ان سے روایت کرنے والوں میں متعدد ائمہ شامل ہیں، جن میں: حسین بن واقد، عاصم الاحول، عبدالملک بن عمیر، وغیرہ شامل ہیں۔امام ابن سعدؒ لکھتے ہیں: **كان عبد الله بن بريدة ثقةً كثير الحديث**. ترجمہ: عبداللہ بن بریدہ ثقہ اور کثیر الحدیث عالم تھے (ابن سعد، الطبقات الکبری، ج7، ص17، دار صادر، 1968)۔**وفات:** اکثر مؤرخین نے آپ کی وفات سنہ 112ھ میں بیان کی ہے۔امام ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: **مات سنة عشرين ومائة**. ترجمہ: آپ کا انتقال سنہ 120ھ میں ہوا (ابن حجر، تہذیب التہذیب، ج5، ص191، دار الفکر، 1984)۔

2-خالد بن معدان الکلاعیؒ: تعارف: آپ کا نام خالد بن معدان بن أبی کرب الکلاعی الحمصی ہے۔آپ شام کے جلیل القدر تابعی، محدث اور زاہد عالم تھے۔ آپ نے متعدد صحابہ کرام سے روایت کی، جن میں شامل ہیں: ابو الدرداءؓ، معاذ بن جبلؓ، شداد بن اوسؓ۔**علمی وروحانی مقام:** امام ذہبیؒ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں: **الإمام الحافظ القدوة، من كبار علماء الشام**. ترجمہ: وہ امام، حافظ اور مقتدیٰ عالم تھے اور شام کے بڑے علماء میں شمار ہوتے تھے (الذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج4، ص539، مؤسسۃ الرسالۃ، 1985)۔**زہد وتقویٰ:** خالد بن معدانؒ زہد وعبادت میں بھی ممتاز مقام رکھتے تھے۔روایت ہے کہ وہ اکثر وقت قرآن کی تلاوت اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: **كان كثير العبادة، دائم التلاوة**. ترجمہ: وہ کثرت سے عبادت کرنے والے اور ہمیشہ قرآن کی تلاوت میں مشغول

رہنے والے تھے (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج9،ص344، دار الفکر، 1986)۔ **وفات:** اکثر مؤرخین کے نزدیک آپ کی وفات سنہ 120ھ میں ہوئی۔الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج1،ص118، دار الکتب العلمیۃ، 1998۔

خلاصہ ونتائج: سنہ 120ھ اسلامی علمی تاریخ کے اعتبار سے ایک اہم سال تھا، کیونکہ اس سال چند ایسے جلیل القدر تابعین دنیا سے رخصت ہوئے جنہوں نے اپنے علم، تقویٰ اور اخلاص کے ذریعے امت کو بے مثال خدمات فراہم کیں۔عبداللہ بن بریدہ الاسلمیؒ اور خالد بن معدانؒ جیسے اکابر تابعین نے حدیثِ نبوی کی روایت کو محفوظ رکھا، فقہ وعلم کی بنیادوں کو مضبوط کیا، زہد وتقویٰ کی عملی مثالیں قائم کیں ان حضرات کی زندگی اس حقیقت کی گواہ ہے کہ اسلامی تاریخ کے یہ عظیم رجال بسا اوقات سیاسی ہنگاموں اور تاریخی تغیرات کے درمیان خاموشی سے اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔یہی وجہ ہے کہ انہیں اسلام کی مظلوم شخصیات میں شامل کرنا بجا اور مناسب ہے ،تاکہ امت ان کی علمی وروحانی میراث سے آگاہ ہوسکے۔

مصادر ومراجع: 1-ابن سعد، الطبقات الکبری، ج7، دار صادر، بیروت، 1968۔ 2-الذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج4، ج5، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985۔3-ابن حجر العسقلانی، تہذیب التہذیب، ج5، دار الفکر، بیروت، 1984۔ 4-الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج1، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1998۔5-ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج9، دار الفکر، بیروت، 1986۔

سنہ 121ھ کے اہم واقعات

(عہدِ ہشام بن عبدالملک میں اہلِ حق کی آزمائش اور مظلومیت کے بعض پہلو)

اسلامی تاریخ کے بعض ادوار ایسے گزرے ہیں جن میں بظاہر سیاسی نظم ونسق برقرار تھا، مگر معاشرے کے اندرونی حالات میں اضطراب، بے چینی اور اہلِ حق کی آزمائش نمایاں تھی۔ سنہ 121ھ بھی اسی نوعیت کا ایک سال ہے۔ اس وقت خلافت بنو امیہ کے حکمران ہشام بن عبدالملک (حکومت: 105-125ھ) کے ہاتھ میں تھی۔ ہشام کا زمانہ اگرچہ انتظامی استحکام کے لحاظ سے مضبوط سمجھا جاتا ہے، لیکن مؤرخین کے مطابق اسی دور میں مختلف علاقوں خصوصاً عراق، خراسان اور ماوراء النہر میں سیاسی کشمکش اور حکومتی سختیوں کی فضا بھی موجود تھی۔ ان حالات کا اثر علماء، زاہدین اور اہلِ حق کے دیگر طبقات پر بھی پڑا۔ مشہور مؤرخ امام ابن کثیر اس دور کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **وكانت أيام هشام بن عبد الملك قوية السلطان، غير أن الشدة كانت ظاهرة في سياسته، ولا سيما على أهل العراق**. ترجمہ: ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں حکومت مضبوط تھی، لیکن اس کی سیاست میں سختی نمایاں تھی، خصوصاً اہلِ عراق کے بارے میں (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج 9، ص 198، دار الفکر، بیروت، 1988)۔ یہی وہ ماحول تھا جس میں اہلِ علم اور اہلِ تقویٰ کو کئی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔

1-عراق میں حکومتی نگرانی اور سیاسی دباؤ: سنہ 121ھ میں عراق اموی حکومت کے لیے سب سے زیادہ حساس خطہ تھا۔کوفہ اور بصرہ میں مختلف گروہ اور قبائل موجود تھے جن میں سیاسی اختلافات بھی پائے جاتے تھے۔امام طبری لکھتے ہیں: **وكان عمال هشام يتفقدون أمر العراق تفقدًا شديدًا، ويتتبعون من يُظن به الميل إلى المعارضة** . ترجمہ:ہشام کے عامل عراق کے حالات کی سخت نگرانی کرتے تھے اور ان لوگوں کی تلاش میں رہتے تھے جن کے بارے میں حکومت کی مخالفت کا شبہ ہوتا (الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج 7،ص 169، دار التراث، بیروت، 1387ھ)۔**توضیح:** اس مسلسل نگرانی اور سختی کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے اہلِ علم اور بااثر افراد خاموشی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔اگرچہ وہ کھلی بغاوت میں شریک نہ تھے،مگر حکومتی بدگمانی کے باعث انہیں بھی مشکلات پیش آتی تھیں۔

2-خراسان میں قبائلی کشمکش اور عوامی پریشانی: سنہ 121ھ میں خراسان میں عرب قبائل کے درمیان اختلافات شدت اختیار کر رہے تھے۔یہ اختلافات بعض اوقات حکومتی پالیسیوں کی وجہ سے مزید بڑھ جاتے تھے۔امام ابن الاثیر لکھتے ہیں: **وفي خراسان كانت الفتن بين القبائل قائمة، وكان الناس يشكون من شدة الولاة** . ترجمہ:خراسان میں قبائل کے درمیان فتنے موجود تھے اور لوگ حکام کی سختیوں کی شکایت کرتے تھے (ابن الأثیر، الکامل فی التاریخ، ج 5،ص 226، دار صادر، بیروت، 1965)۔**تشریح:** ان حالات نے عام مسلمانوں کی زندگی کو متاثر کیا اور بہت سے دیندار

لوگ اس ماحول میں امن اور عدل کی کمی پر رنجیدہ تھے۔

3-اہلِ علم کا احتیاط اور خاموشی اختیار کرنا: سیاسی حالات کی سختی کے باعث بہت سے علماء نے اپنے آپ کو سیاسی نزاعات سے دور رکھا اور تعلیم و تربیت میں مصروف رہے۔ امام ذہبی اس دور کے عمومی حالات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **وكان كثير من العلماء يلزمون الصمت، ويشتغلون بالعلم والعبادة خوفًا من الفتن.** ترجمہ: بہت سے علماء فتنوں کے خوف سے خاموشی اختیار کرتے اور علم و عبادت میں مشغول رہتے تھے (الذہبی، تاریخ الإسلام، ج 5، ص 280، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993)۔ **توضیح:** یہ خاموشی دراصل کمزوری نہیں بلکہ حکمت اور احتیاط کا مظہر تھی۔ اس طرح علماء نے معاشرے میں علم و دین کی شمع کو روشن رکھا۔

4-امت کے اندر بے چینی اور آنے والی تبدیلیوں کی تمہید: سنہ 121ھ کے سیاسی اور سماجی حالات نے دراصل آنے والے برسوں کی بڑی تبدیلیوں کے لیے فضا تیار کی۔ مؤرخین کے مطابق اسی دور میں مختلف علاقوں میں حکومت کے خلاف بے چینی بڑھ رہی تھی۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں: **وكانت هذه الأحوال مما مهد لما وقع بعد ذلك من الاضطرابات.** ترجمہ: یہ حالات بعد میں پیش آنے والے اضطرابات کے لیے تمہید ثابت ہوئے (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج 9، ص 200)۔ **تشریح:** یہی حالات بعد میں اموی خلافت کے کمزور ہونے اور مختلف تحریکوں کے ظہور کا سبب بنے۔

خلاصہ و نتائج: 1- سنہ 121ھ بظاہر سیاسی استحکام کا زمانہ تھا، مگر معاشرے

کے اندر اضطراب موجود تھا۔ 2-عراق اور خراسان میں حکومتی سختیوں اور قبائلی اختلافات نے عوامی زندگی کو متاثر کیا۔ 3-علماء اور اہلِ علم نے فتنوں سے بچنے کے لیے زیادہ تر علمی و دینی خدمات کو ترجیح دی۔ 4-اس دور کی سختیاں اور بے چینی بعد کے بڑے تاریخی واقعات کی تمہید ثابت ہوئیں۔ 5-یہ سال ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ تاریخ میں بعض اوقات اہلِ حق کی مظلومیت خاموش مگر گہری ہوتی ہے۔

مصادر و مراجع: 1-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، ج 9، ص 198-200، دار الفکر، بیروت، 1988۔ 2-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، ج 7، ص 169، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 3-ابن الأثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، ج 5، ص 226، دار صادر، بیروت، 1965۔ 4-الذہبی، شمس الدین، تاریخ الإسلام، ج 5، ص 280، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993۔

سنہ 122ھ کے اہم واقعات

(عہدِ ہشام بن عبدالملک میں اہلِ حق کی آزمائش اور امت کے حالات)

اسلامی تاریخ کے بعض ادوار ایسے ہیں جن میں بظاہر سیاسی استحکام موجود ہوتا ہے، لیکن معاشرتی اور فکری سطح پر اضطراب، بے چینی اور اہلِ حق کی آزمائش نمایاں ہوتی ہے۔ سنہ 122ھ بھی اسی نوعیت کا ایک سال تھا۔ اس وقت خلافت بنو امیہ کے حکمران ہشام بن عبدالملک (105-125ھ) تھے۔ اگرچہ اس کے دور میں سلطنت

اپنی وسعت کے اعتبار سے مضبوط تھی، مگر مختلف علاقوں خصوصاً عراق، خراسان اور ماوراء النہر میں سیاسی کشمکش، قبائلی اختلافات اور حکومتی سختیوں کی وجہ سے عام مسلمانوں کو مشکلات کا سامنا تھا۔ ان حالات کا اثر خاص طور پر اہلِ علم، زاہدین اور دین دار طبقات پر بھی پڑتا تھا۔ مشہور مؤرخ امام ابن کثیر اس زمانے کے عمومی حالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **وكانت أيام هشام فيها قوة للسلطان، غير أن الناس كانوا يشكون من شدة بعض الولاة.** ترجمہ: ہشام کے زمانے میں حکومت مضبوط تھی، لیکن لوگ بعض گورنروں کی سختیوں کی شکایت کرتے تھے (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج9، ص218، دار الفکر، بیروت، 1988)۔

1- خراسان میں حکام کی سختیاں اور عوامی شکایات: سنہ 122ھ میں خراسان اسلامی سلطنت کا ایک اہم صوبہ تھا، مگر وہاں مختلف قبائل کے درمیان اختلافات اور حکومتی پالیسیوں کے باعث بے چینی بڑھ رہی تھی۔ امام طبری لکھتے ہیں: **وكانت بخراسان شكايات كثيرة من العمال، لما كان فيهم من الشدة على الناس.** ترجمہ: خراسان میں حکام کے بارے میں لوگوں کی بہت سی شکایات تھیں، کیونکہ وہ عوام کے ساتھ سختی سے پیش آتے تھے (الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج7، ص210، دار التراث، بیروت، 1387ھ)۔

توضیح: یہی وہ حالات تھے جنہوں نے بعد میں خراسان میں سیاسی تبدیلیوں اور تحریکوں کے لیے فضا ہموار کی۔ بہت سے اہلِ علم اور صالحین ان حالات سے دل گرفتہ تھے۔

2- قبائلی اختلافات اور مسلمانوں کی مشکلات: اس زمانے میں عرب قبائل

کے درمیان یمنی اور مضری گروہوں کی کشمکش بھی شدت اختیار کر رہی تھی۔ اس اختلاف نے سیاسی استحکام کو متاثر کیا۔ امام ابن الاثیر لکھتے ہیں: **وكانت الفتنة بين القبائل قائمة، وكان لذلك أثر في اضطراب الأحوال** . ترجمہ: قبائل کے درمیان فتنہ موجود تھا اور اس کی وجہ سے حالات میں اضطراب پیدا ہو گیا تھا (ابن الأثیر، الکامل فی التاریخ، ج 5، ص 250، دار صادر، بیروت، 1965)۔ **تشریح:** ان اختلافات کے نتیجے میں عام مسلمان مشکلات میں مبتلا ہوئے اور بہت سے علاقوں میں امن و اطمینان متاثر ہوا۔

3- اہلِ علم کی احتیاط اور صبر: سیاسی حالات کی سختی کے باوجود علماء اور اہلِ علم نے اپنے آپ کو زیادہ تر علمی اور دینی خدمات تک محدود رکھا۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: **وكان كثير من العلماء يشتغلون بالعلم والعبادة، ويجتنبون الدخول في الفتن** . ترجمہ: بہت سے علماء علم اور عبادت میں مشغول رہتے اور فتنوں میں پڑنے سے بچتے تھے (الذہبی، تاریخ الإسلام، ج 5، ص 340، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993)۔ **توضیح:** یہ طرزِ عمل دراصل حکمت اور دور اندیشی کا مظہر تھا۔ علماء نے فتنوں سے دور رہ کر امت کے دینی سرمایہ کو محفوظ رکھا۔

4- امت کے اندر بے چینی اور آئندہ تبدیلیوں کی تمہید: سنہ 122ھ کے سیاسی اور سماجی حالات نے دراصل بعد کے زمانوں کی بڑی تبدیلیوں کی بنیاد رکھی۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں: **وكانت هذه الأحوال مما مهد لما وقع بعد ذلك من الاضطرابات في الدولة الأموية** . ترجمہ: یہ حالات بعد میں اموی ریاست

میں پیدا ہونے والے اضطرابات کے لیے تمہید ثابت ہوئے (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج9،ص219)۔**تشریح:** یہی وہ حالات تھے جن کے نتیجے میں بعد کے برسوں میں اموی خلافت کے خلاف مختلف تحریکیں پیدا ہوئیں۔

خلاصہ ونتائج: 1-سنہ 122ھ اموی خلافت کے ظاہری استحکام کے باوجود اندرونی اضطراب کا زمانہ تھا۔ 2-خراسان اور دیگر علاقوں میں حکومتی سختیوں کی وجہ سے عوام میں بے چینی پائی جاتی تھی۔ 3-قبائلی اختلافات نے سیاسی استحکام کو متاثر کیا۔ 4-علماء اور اہلِ علم نے فتنوں سے بچنے کے لیے علم وعبادت کو ترجیح دی۔ 5-یہ حالات بعد کے بڑے تاریخی واقعات اور سیاسی تبدیلیوں کی تمہید ثابت ہوئے۔

مصادر ومراجع: 1-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، ج 9،ص 218-219، دار الفکر، بیروت، 1988۔ 2-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، ج 7،ص 210، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 3-ابن الأثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، ج 5،ص 250، دار صادر، بیروت، 1965۔ 4-الذہبی، شمس الدین، تاریخ الإسلام، ج 5،ص 340، دار الکتاب العربی، بیروت۔

سنہ 123ھ کے اہم واقعات

(عہدِ بنوامیہ میں اہلِ حق کی آزمائش اور سیاسی اضطراب)

اسلامی تاریخ کے بعض سال ایسے ہوتے ہیں جو بظاہر بڑے سیاسی انقلابات

سے خالی ہوتے ہیں، لیکن ان کے اندر ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں جو آئندہ بڑے واقعات کا پیش خیمہ بنتے ہیں۔ سنہ 123ھ بھی اسی نوعیت کا ایک سال ہے۔ اس وقت خلافتِ اسلامیہ بنوامیہ کے حکمران ہشام بن عبدالملک (105-125ھ) کے زیرِ اقتدار تھی۔ اس کے دورِ حکومت میں سلطنت وسیع اور مضبوط تھی، لیکن مختلف علاقوں خصوصاً عراق، خراسان اور ماوراء النہر میں سیاسی بے چینی، قبائلی اختلافات اور حکومتی سختیوں کی شکایات موجود تھیں۔ یہی حالات اہلِ علم، صلحاء اور دین دار طبقات کے لیے آزمائش کا باعث بنتے تھے۔ مشہور مؤرخ امام ابن کثیر اس زمانے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **وكانت الدولة الأموية في أيام هشام قوية، إلا أن الناس كانوا يشكون من شدة بعض الولاة وسوء سياستهم.** ترجمہ: ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں اموی حکومت مضبوط تھی، مگر لوگ بعض گورنروں کی سختی اور ان کی سیاست کی شکایت کرتے تھے (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج9، ص230، دارالفکر، بیروت، 1988)۔

1-خراسان میں سیاسی بے چینی اور عوامی مشکلات: سنہ 123ھ میں خراسان اسلامی سلطنت کا ایک نہایت اہم خطہ تھا، مگر وہاں مختلف قبائل کے درمیان اختلافات اور حکومتی انتظامات کے باعث حالات کشیدہ تھے۔ امام طبری لکھتے ہیں: **وكانت بخراسان اختلافات بين القبائل، وكان ذلك سببًا في اضطراب أحوال الناس.** ترجمہ: خراسان میں قبائل کے درمیان اختلافات تھے اور یہی چیز لوگوں کے حالات میں اضطراب کا سبب بن رہی تھی (الطبری، تاریخ الرسل

والملوک، ج7،ص 225، دار التراث، بیروت، 1387ھ)۔**توضیح:** ان اختلافات کے نتیجے میں وہاں کے عام مسلمان مشکلات کا شکار ہوئے اور کئی علاقوں میں امن وسکون متاثر ہوا۔

2-اموی حکام کی سختی اور عوامی شکایات بعض صوبوں میں اموی حکام کی سختی کا ذکر مؤرخین نے کیا ہے۔اس کا اثر عوامی زندگی پر بھی پڑتا تھا۔امام ابن الاثیر لکھتے ہیں:**وکان بعض الولاة یشددون علی الناس فی الأموال والأحکام، فکثر التظلم منهم**. ترجمہ:بعض گورنر لوگوں سے مال اور احکام کے معاملے میں سختی کرتے تھے، جس کی وجہ سے ان کے خلاف شکایات بڑھ گئیں (ابن الأثیر، الکامل فی التاریخ، ج5،ص260، دار صادر، بیروت، 1965)۔**تشریح:** اس طرزِ حکومت کے باعث بہت سے دیندار افراد دل گرفتہ تھے اور وہ اصلاحِ احوال کے لیے دعا اور نصیحت کا راستہ اختیار کرتے تھے۔

3-علماء اور اہلِ علم کا صبر واحتیاط: اس زمانے میں بہت سے علماء نے سیاسی فتنوں سے دور رہتے ہوئے تعلیم وتربیت اور عبادت کو ترجیح دی۔امام ذہبی لکھتے ہیں: **وکان کثیر من العلماء فی ذلک الزمان یلزمون الاشتغال بالعلم والعبادة، ویتجنبون الفتن**. ترجمہ:اس زمانے میں بہت سے علماء علم اور عبادت میں مشغول رہتے اور فتنوں سے دور رہتے تھے (الذہبی، تاریخ الإسلام، ج5،ص360، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993)۔**توضیح:** یہ طرزِ عمل دراصل علماء کی حکمت اور بصیرت کا مظہر تھا۔انہوں نے فتنوں سے بچ کر امت کی علمی ودینی میراث کو محفوظ رکھا۔

4-آئندہ سیاسی تبدیلیوں کی تمہید: سنہ 123ھ کے حالات دراصل آنے والے برسوں میں پیدا ہونے والی بڑی تبدیلیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔امام ابن کثیر لکھتے ہیں:**وكانت هذه الأحوال من أسباب الاضطراب الذى وقع بعد ذلك فى الدولة الأموية.** ترجمہ:یہ حالات بعد میں اموی ریاست میں پیدا ہونے والے اضطراب کے اسباب میں سے تھے (ابن کثیر،البدایۃ والنہایۃ، ج9،ص 231)۔**تشریح:** یہی حالات چند سال بعد اموی خلافت کے اندرونی ضعف اور مختلف تحریکوں کے ظہور کا باعث بنے۔

خلاصہ ونتائج:1-سنہ 123ھ اموی خلافت کے ظاہری استحکام کے باوجود اندرونی اضطراب کا زمانہ تھا۔2-خراسان اور دیگر علاقوں میں قبائلی اختلافات نے سیاسی حالات کو متاثر کیا۔3-بعض حکام کی سختیوں کی وجہ سے عوام میں بے چینی پیدا ہوئی۔4-علماء نے فتنوں سے بچنے کے لیے علم وعبادت کو ترجیح دی۔5-یہ حالات بعد کے بڑے تاریخی واقعات اور سیاسی تبدیلیوں کی تمہید ثابت ہوئے۔

مصادر ومراجع:1-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، ج 9،ص 230-231، دار الفکر، بیروت، 1988۔2-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، ج 7،ص 225، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔3-ابن الأثیر،علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، ج 5،ص 260، دار صادر، بیروت، 1965۔4-الذہبی، شمس الدین، تاریخ الإسلام، ج 5،ص 360، دار الکتاب العربی، بیروت۔

سنہ 124ھ کے اہم واقعات

(عہدِ ہشام بن عبدالملک میں اہلِ حق کی آزمائش اور امت کے حالات)

اسلامی تاریخ میں بعض ادوار ایسے گزرے ہیں جن میں بظاہر سیاسی استحکام نظر آتا ہے، لیکن اندرونی حالات میں اضطراب اور بے چینی موجود ہوتی ہے۔ سنہ 124ھ بھی اسی نوعیت کا ایک سال تھا۔ اس وقت خلافت بنوامیہ کے حکمران ہشام بن عبدالملک تھے جن کا دورِ حکومت انتظامی قوت اور سیاسی استحکام کے لحاظ سے اہم سمجھا جاتا ہے، مگر مختلف علاقوں خصوصاً عراق اور خراسان میں حالات مکمل طور پر مطمئن نہ تھے۔ مؤرخین کے بیان کے مطابق اس دور میں بعض گورنروں کی سختی اور قبائلی اختلافات نے عوامی زندگی کو متاثر کیا اور اہلِ علم و دین دار طبقات کو بھی ان حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ امام ابن کثیر اس زمانے کی عمومی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وكانت أيام هشام بن عبد الملك فيها قوة للدولة، غير أن الشكايات من بعض الولاة كانت كثيرة. ترجمہ: ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں ریاست مضبوط تھی، مگر بعض گورنروں کے خلاف لوگوں کی شکایات کثرت سے ہوتی تھیں (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج9، ص235، دارالفکر، بیروت، 1988)۔

1- خراسان میں قبائلی کشمکش اور عوامی اضطراب: سنہ 124ھ میں خراسان کے علاقے میں عرب قبائل کے درمیان اختلافات شدت اختیار کر رہے تھے۔ اس کا اثر

وہاں کے انتظامی نظام اور عوامی زندگی پر بھی پڑا۔ امام طبری لکھتے ہیں: **وكانت الفتنة بين القبائل بخراسان قائمة، وكان ذلك مما أضعف الأحوال هناك.** ترجمہ: خراسان میں قبائل کے درمیان فتنہ موجود تھا اور اسی وجہ سے وہاں کے حالات کمزور اور مضطرب ہو گئے تھے (الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج 7، ص 240، دار التراث، بیروت، 1387ھ)۔ **توضیح:** قبائلی اختلافات کی وجہ سے وہاں کے عام مسلمان مشکلات میں مبتلا ہوئے اور کئی علاقوں میں امن واطمینان متاثر ہوا۔

2-حکومتی سختیوں کے خلاف عوامی شکایات: بعض صوبوں میں حکام کی سختیوں کا ذکر مؤرخین نے کیا ہے۔ اس کا اثر معاشرتی زندگی پر بھی پڑتا تھا۔ امام ابن الاثیر لکھتے ہیں: **وكان بعض عمال بني أمية يشددون على الناس في الأموال، فكثر تظلم الناس منهم.** ترجمہ: بنوامیہ کے بعض عامل لوگوں سے مالی معاملات میں سختی کرتے تھے، جس کی وجہ سے لوگوں کی شکایات بڑھ گئیں (ابن الأثیر، الکامل فی التاریخ، ج 5، ص 268، دار صادر، بیروت، 1965)۔ **تشریح:** یہ حالات عوامی بے چینی کا سبب بنے اور معاشرے کے سنجیدہ طبقات ان حالات پر تشویش کا اظہار کرتے تھے۔

3-علماء اور صلحاء کا علمی و دینی کردار: ان حالات کے باوجود علماء اور صلحاء نے امت کی اصلاح کے لیے تعلیم، وعظ اور تربیت کا راستہ اختیار کیا۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: **وكان أهل العلم في ذلك الزمان مشتغلين بالتعليم والعبادة، حذرًا من الوقوع في الفتن.** ترجمہ: اس زمانے میں اہلِ علم تعلیم اور عبادت میں مشغول

رہتے تھے اور فتنوں میں پڑنے سے احتیاط کرتے تھے (الذہبی، تاریخ الإسلام، ج5، ص370، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993)۔ **توضیح:** یہی حکمت عملی دراصل امت کے دینی استحکام کا سبب بنی، کیونکہ علماء نے سیاسی فتنوں کے باوجود علم و دین کی خدمت جاری رکھی۔

4-آئندہ سیاسی تبدیلیوں کی تمہید: سنہ 124ھ کے حالات دراصل آئندہ چند برسوں میں آنے والی بڑی سیاسی تبدیلیوں کا پیش خیمہ تھے۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں: **وكانت هذه الأحوال من الأسباب التي أدت إلى الاضطراب في أواخر الدولة الأموية.** ترجمہ: یہ حالات بعد میں اموی ریاست کے آخری دور میں پیدا ہونے والے اضطراب کے اسباب میں سے تھے (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج9، ص236)۔ **تشریح:** یہی وہ حالات تھے جنہوں نے آنے والے برسوں میں اموی خلافت کو کمزور کیا اور نئی سیاسی تحریکوں کے لیے راستہ ہموار کیا۔

خلاصہ و نتائج: 1-سنہ 124ھ اموی خلافت کے ظاہری استحکام کے باوجود اندرونی اضطراب کا زمانہ تھا۔ 2-خراسان میں قبائلی اختلافات نے انتظامی نظام کو متاثر کیا۔ 3-بعض حکام کی سختیوں کے باعث عوام میں شکایات پیدا ہوئیں۔ 4-علماء اور صلحاء نے فتنوں سے بچتے ہوئے تعلیم و تربیت کا کام جاری رکھا۔ 5-یہ حالات بعد کے سیاسی انقلابات اور اموی خلافت کے زوال کی تمہید ثابت ہوئے۔

مصادر و مراجع: 1-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، ج9، ص235-236، دار الفکر، بیروت، 1988۔ 2-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الرسل

والملوک، ج 7، ص 240، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 3- ابن الأثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، ج 5، ص 268، دار صادر، بیروت، 1965۔ 4- الذہبی، شمس الدین، تاریخ الإسلام، ج 5، ص 370، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993۔

سنہ 125ھ کے اہم واقعات

اسلامی تاریخ کے دوسرے صدی ہجری کے ابتدائی سال سیاسی اضطراب، فکری کشمکش اور اقتدار کی کشاکش سے بھرپور نظر آتے ہیں۔ سنہ 125ھ بھی انہی ہنگامہ خیز برسوں میں سے ایک ہے۔ اس سال اموی خلافت کے زوال کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے، مختلف علاقوں میں بغاوتیں اور اصلاحی تحریکیں برپا تھیں، اور متعدد اہلِ علم وتقویٰ شخصیات ظلم وستم کا نشانہ بن رہی تھیں۔ اسی پس منظر میں بعض ایسی شخصیات بھی سامنے آتی ہیں جنہوں نے ظلم وجبر کے ماحول میں حق گوئی، اصلاح اور دینی غیرت کا مظاہرہ کیا، لیکن تاریخ کے صفحات میں وہ اکثر مظلومیت کے ساتھ یاد کی جاتی ہیں۔ سنہ 125ھ کے اہم واقعات میں خاص طور پر دو امور قابلِ ذکر ہیں: 1- خلافتِ امویہ میں سیاسی بحران اور ولید بن یزید کی حکومت کا آغاز، 2- اہلِ بیت اور اہلِ علم کے خلاف سختیوں کا بڑھنا اور اس کے اثرات یہ واقعات براہِ راست یا بالواسطہ ان شخصیات سے متعلق ہیں جو تاریخ میں مظلومیت کے عنوان سے یاد کی جاتی ہیں۔

1- خلافتِ امویہ میں بحران اور ولید بن یزید کی حکومت: سنہ 125ھ میں

اموی خلافت کے اندرونی حالات شدید ابتری کا شکار ہو چکے تھے۔اس سال ہشام بن عبدالملک کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا ولید بن یزید تخت خلافت پر بیٹھا۔اموی خاندان کے اندر اقتدار کی یہ تبدیلی صرف ایک سیاسی واقعہ نہ تھی بلکہ اس نے پورے عالمِ اسلام میں اضطراب کو جنم دیا، کیونکہ ولید بن یزید کی شخصیت اور طرز حکومت کو بہت سے اہلِ علم اور زاہدین نے ناپسند کیا۔مشہور مؤرخ ابن کثیر لکھتے ہیں: **وفی هذه السنة بويع الوليد بن يزيد بن عبد الملک بالخلافة بعد موت هشام بن عبد الملک.** ترجمہ: اسی سال (125ھ) ہشام بن عبدالملک کی وفات کے بعد ولید بن یزید بن عبدالملک کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی گئی (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج10، ص61، دارالفکر، 1987)۔لیکن اس خلافت کے آغاز ہی سے اختلافات اور تنقید شروع ہوگئی۔متعدد اہلِ علم نے اس کے بعض افعال کو شریعت کے منافی قرار دیا، جس کی وجہ سے حکومت اور علماء کے درمیان فاصلہ بڑھتا گیا۔

2-اہلِ بیت اور صالحین کے ساتھ سختیاں: سنہ 125ھ کے زمانہ میں اگرچہ کوئی بہت بڑا علوی انقلاب وقوع پذیر نہیں ہوا، لیکن اہلِ بیت کے ماننے والوں اور ان کے حامیوں پر سیاسی دباؤ مسلسل بڑھتا رہا۔اموی حکومت کو اندیشہ تھا کہ اہلِ بیت کے نام پر مختلف علاقوں میں بغاوتیں پیدا ہوسکتی ہیں۔اسی وجہ سے علوی خاندان کے افراد اور ان کے حامیوں کو مسلسل نگرانی اور بعض اوقات قید وستم کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ امام طبری لکھتے ہیں: **وكانت الدولة الأموية فی تلک الأيام تشدد علی**

آل علی ومن یوالیھم خوفا من خروجھم. ترجمہ: ان دنوں اموی حکومت آلِ علی اور ان کے حامیوں پر سختی کرتی تھی، اس خوف سے کہ کہیں وہ خروج نہ کر دیں (طبری، تاریخ الامم والملوک، ج7، ص247، دار التراث، 1967)۔ یہی وہ ماحول تھا جس میں بعد کے سالوں میں متعدد علوی تحریکیں پیدا ہوئیں اور بہت سی شخصیات ظلم وستم کا شکار ہوئیں۔

3-خراسان میں عباسی تحریک کا پھیلاؤ: سنہ 125ھ میں ایک اور اہم واقعہ خراسان میں عباسی دعوت کا پھیلنا تھا۔ یہ تحریک ابتدا میں خفیہ طور پر چل رہی تھی، لیکن اس نے اموی حکومت کے خلاف عوامی ذہن سازی میں اہم کردار ادا کیا۔ اس تحریک کے داعی اہلِ بیت کی حمایت کا نعرہ استعمال کرتے تھے جس کی وجہ سے بہت سے لوگ اس کے ساتھ جڑتے گئے۔ مؤرخ ابن الاثیر لکھتے ہیں: وفی خراسان أخذت الدعوة لبنی العباس تنتشر سرا بین الناس. ترجمہ: خراسان میں بنی عباس کی دعوت خفیہ طور پر لوگوں کے درمیان پھیلنے لگی (ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج5، ص302، دار صادر، 1965)۔ یہی تحریک چند سال بعد اموی خلافت کے خاتمہ کا سبب بنی۔

4-علماء اور زاہدین کی حق گوئی: سیاسی انتشار کے باوجود اس زمانہ میں بہت سے علماء اور زاہدین نے حکمرانوں کے سامنے حق بات کہنے سے گریز نہیں کیا۔ تاریخی روایات میں آتا ہے کہ متعدد اہلِ علم نے ولید بن یزید کی بعض پالیسیوں پر تنقید کی، جس کے نتیجہ میں انہیں دربار سے دوری اختیار کرنی پڑی۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: کان العلماء فی ذلک العصر ینکرون علی بعض الخلفاء ما یرونه مخالفا للشرع.

ترجمہ: اس زمانہ کے علماء بعض خلفاء کے ان اعمال پر نکیر کرتے تھے جنہیں وہ شریعت کے خلاف سمجھتے تھے (ذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج 5، ص 320، مؤسسۃ الرسالۃ، 1985)۔ یہی حق گوئی ان علماء کو تاریخ میں مظلوم لیکن باوقار مقام عطا کرتی ہے۔

تجزیہ و توضیح: سنہ 125ھ کے واقعات کا مجموعی جائزہ لینے سے چند اہم نکات سامنے آتے ہیں: 1- اموی خلافت اندرونی کمزوری کا شکار ہو چکی تھی۔ 2- اہلِ بیت اور ان کے حامیوں کے ساتھ سیاسی دباؤ جاری تھا۔ 3- عباسی تحریک خاموشی سے قوت حاصل کر رہی تھی۔ 4- علماء و صلحاء نے حق گوئی کی روایت کو برقرار رکھا۔ یہ تمام عوامل مل کر بعد کے برسوں میں بڑے تاریخی تغیرات کا سبب بنے۔

خلاصہ و نتائج: سنہ 125ھ اسلامی تاریخ کا ایک اہم سال ہے جس میں سیاسی بحران اور فکری کشمکش اپنے عروج کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس سال کے اہم نتائج درج ذیل ہیں: 1- ہشام بن عبد الملک کی وفات کے بعد اموی خلافت میں کمزوری نمایاں ہوگئی۔ 2- ولید بن یزید کی خلافت نے علماء اور حکومت کے درمیان فاصلے کو بڑھایا۔ 3- اہلِ بیت کے حامیوں پر سیاسی دباؤ برقرار رہا جس نے ان کی مظلومیت کو مزید نمایاں کیا۔ 4- خراسان میں عباسی تحریک کی پیش رفت نے مستقبل کی سیاسی تبدیلیوں کی بنیاد رکھ دی۔ یوں سنہ 125ھ اسلامی تاریخ کے اس دور کا اہم سنگ میل ہے جس نے بعد کے انقلابات کے لیے فضا ہموار کی۔

مصادر و مراجع: 1- ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج 10، ص 61، دار الفکر،

بیروت، 1987۔2-الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج 7، ص 247، دار التراث، بیروت، 1967۔ 3-ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج 5، ص 302، دار صادر، بیروت، 1965۔4-الذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج 5، ص 320، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985۔

خلافتِ ہشام بن عبدالملک

(تقررِ خلافت، عہدِ حکومت کے حالات اور وفات)

اموی خلافت کے حکمرانوں میں ہشام بن عبدالملک کا شمار اُن خلفاء میں ہوتا ہے جن کی حکومت طویل مدت تک قائم رہی۔ ان کا عہد ایک طرف سیاسی استحکام، عسکری فتوحات اور نظم ونسق کے حوالے سے معروف ہے، تو دوسری طرف بعض علاقوں میں سختیوں اور سیاسی کشمکش کی بنا پر مختلف آزمائشیں بھی سامنے آئیں۔ اس مقالہ میں ان کی خلافت کے آغاز، بیعت کی نوعیت، عوام وعلماء کے حالات اور وفات کے بارے میں مستند تاریخی مصادر کی روشنی میں تحقیقی گفتگو پیش کی جاتی ہے۔

نسب اور خاندان: ہشام بن عبدالملک بن مروان اموی خاندان کے ممتاز فرد تھے۔ ان کے والد عبدالملک بن مروان اموی خلافت کے طاقتور حکمرانوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ابن سعد لکھتے ہیں: **هشام بن عبد الملک بن مروان بن الحکم، وأمه عائشة بنت هشام بن إسماعيل المخزومی.** ترجمہ: ہشام بن عبدالملک

بن مروان بن حکم تھے اور ان کی والدہ عائشہ بنت ہشام بن اسماعیل مخزومی تھیں (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج5، ص319، دار صادر، بیروت، 1968)۔

ہشام بن عبد الملک اپنے والد کے کتنے نمبر کے بیٹے تھے؟ مورخین کے مطابق ہشام بن عبد الملک اپنے والد عبد الملک بن مروان کے متعدد بیٹوں میں سے تھے اور ترتیب کے اعتبار سے تقریباً دسویں نمبر کے بیٹے شمار کیے جاتے ہیں۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: **وكان هشام أحد أولاد عبد الملك الكثيرين.** ترجمہ: ہشام عبد الملک کے متعدد بیٹوں میں سے ایک تھے (الذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج5، ص330، مؤسسۃ الرسالۃ، 1985)۔ اسی خاندان میں ان کے بڑے بھائیوں میں الولید بن عبد الملک، سلیمان بن عبد الملک، یزید بن عبد الملک جیسے خلفاء گزرے۔

خلافت کس طرح حاصل ہوئی؟ شوریٰ سے یا نامزدگی سے؟ ہشام بن عبد الملک کو خلافت باقاعدہ شوریٰ کے ذریعے نہیں ملی بلکہ اموی سیاسی روایت کے مطابق انہیں پہلے سے نامزد کیا گیا تھا۔ ان کے بھائی یزید ثانی بن عبد الملک نے اپنی زندگی میں انہیں ولی عہد مقرر کر دیا تھا۔ طبری لکھتے ہیں: **وكان يزيد بن عبد الملك قد عهد بالخلافة بعده إلى أخيه هشام.** ترجمہ: یزید بن عبد الملک نے اپنے بعد خلافت اپنے بھائی ہشام کے لیے مقرر کر دی تھی (الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج7، ص167، دار التراث، بیروت)۔ اسی وجہ سے جب 105ھ میں یزید بن عبد الملک کا انتقال ہوا تو ہشام بن عبد الملک بآسانی خلیفہ بن گئے۔

خلافت کا زمانہ: ہشام بن عبد الملک کی خلافت: آغاز: 105ھ، اختتام: 125ھ یعنی تقریباً 20 سال تک قائم رہی، جو اموی خلفاء میں طویل مدت شمار ہوتی ہے۔ابن کثیر لکھتے ہیں: **كانت خلافته عشرين سنة إلا قليلا** . ترجمہ: ان کی خلافت تقریباً بیس سال رہی (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج10، ص12، دارالفکر، 1987)۔

عہدِ خلافت میں عوام اور علماء کے حالات: ہشام بن عبد الملک کے دور میں عمومی طور پر نظم ونسق مضبوط تھا، مگر بعض سیاسی مسائل اور حکام کی سختیوں کے سبب کئی علاقوں میں بے چینی بھی پائی جاتی تھی۔

علماء کا مقام: اس دور میں بڑے تابعین اور فقہاء موجود تھے، جیسے: حسن البصری، محمد الباقر، عطاء بن ابی رباح۔ان علماء نے علمی خدمات انجام دیں اور دینی تعلیم کو عام کیا۔

بعض سیاسی کشمکش: اس زمانہ میں اہلِ بیت کے بعض افراد اور مختلف علاقوں میں بغاوتیں بھی ہوئیں، جن میں سیاسی کشیدگی پیدا ہوئی۔تاریخ میں ان واقعات کو اموی دور کی اہم آزمائشوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

ہشام بن عبد الملک کی وفات: ہشام بن عبد الملک کا انتقال سنہ 125ھ میں ہوا۔ابن کثیر لکھتے ہیں: **وفي هذه السنة مات هشام بن عبد الملك** . ترجمہ: اسی سال ہشام بن عبد الملک کا انتقال ہوا (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج10، ص16)۔**مقامِ وفات:** ان کا انتقال شام کے مقام الرصافۃ میں ہوا۔طبری لکھتے ہیں: **ومات هشام**

بالرصافة . ترجمہ: ہشام کی وفات الرصافہ میں ہوئی (الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج7، ص 208)۔**عمر:** ان کی عمر وفات کے وقت تقریباً 53 یا 55 سال بتائی جاتی ہے۔امام ذہبی لکھتے ہیں: **مات وله بضع وخمسون سنة.** ترجمہ: ان کا انتقال اس عمر میں ہوا جب ان کی عمر پچاس سے کچھ زیادہ سال تھی (الذہبی، تاریخ الإسلام، ج7، ص294، دارالکتاب العربی)

خلاصہ ونتائج: 1- ہشام بن عبدالملک اموی خاندان کے نمایاں حکمران تھے اور عبدالملک بن مروان کے متعدد بیٹوں میں سے ایک تھے۔2- انہیں خلافت شوریٰ کے ذریعے نہیں بلکہ بھائی یزید بن عبدالملک کی نامزدگی کے نتیجہ میں ملی۔3- ان کی خلافت تقریباً بیس سال تک قائم رہی جو اموی دور میں طویل مدت شمار ہوتی ہے۔4- اس زمانہ میں علمی حلقے سرگرم تھے اور کئی جلیل القدر تابعین موجود تھے، تاہم بعض سیاسی کشمکش اور علاقائی مسائل بھی پیدا ہوئے۔5- سنہ 125ھ میں شام کے مقام الرصافہ میں ان کا انتقال ہوا اور عمر تقریباً پچپن سال کے قریب تھی۔

مصادر ومراجع: 1- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الأمم والملوک، ج7، ص 167، 208، دار التراث، بیروت، 1967۔2- ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایة والنہایة، ج10، ص12، 16، دار الفکر، بیروت، 1987۔3- الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، ج5، ص330، مؤسسة الرسالة، بیروت، 1985۔4- الذہبی، تاریخ الإسلام، ج7، ص294، دار الکتاب العربی، بیروت۔5- ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبری، ج5، ص319، دار صادر، بیروت۔

سنہ 126ھ کے اہم واقعات

اسلامی تاریخ کا ساتواں عشرہ ہجری سیاسی اضطراب اور ظلم و جبر کے کئی واقعات سے بھرا ہوا ہے۔ خصوصاً بنو امیہ کے آخری دور میں خلافت کی کشمکش، قبائلی تعصّبات اور اقتدار کی جنگ نے امت کے علمی و اخلاقی نظام کو سخت متاثر کیا۔ انہی ہنگامہ خیز ادوار میں سنہ 126ھ نہایت اہم سال ہے، کیونکہ اس سال بنو امیہ کے اندرونی انتشار نے کئی مظلوم شخصیات کو جنم دیا اور اسلامی دنیا شدید سیاسی بحران سے دوچار ہوئی۔ یہی وہ زمانہ ہے جب خلافت کی کشمکش نے نہ صرف حکمرانوں کو ایک دوسرے کے خلاف کھڑا کیا بلکہ عام مسلمانوں، اہل علم اور صالح طبقات کو بھی ظلم و ناانصافی کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ اس مقالہ میں سنہ 126ھ کے اہم واقعات کو مظلوم شخصیات کے تناظر میں بیان کیا جاتا ہے۔

1-ولید بن یزید کا قتل اور خلافت کی کشمکش: سنہ 126ھ کا سب سے اہم واقعہ اموی خلیفہ ولید بن یزید بن عبد الملک کا قتل ہے۔ ولید کی حکومت کے آخری زمانے میں اس کے طرزِ حکومت سے عوام اور امراء دونوں ناراض تھے۔ نتیجتاً اس کے خلاف بغاوت ہوئی اور اسے قتل کر دیا گیا۔ امام طبری لکھتے ہیں: **فَخَرَجَ عَلَيْهِ يَزِيدُ بْنُ الْوَلِيدِ، فَقُتِلَ الْوَلِيدُ بْنُ يَزِيدَ بِالْبُخَرَاءِ فِي جُمَادَى الآخِرَةِ سَنَةَ سِتٍّ وَعِشْرِينَ وَمِائَةٍ.** ترجمہ: یزید بن ولید نے اس کے خلاف خروج کیا اور ولید بن یزید کو بخراء کے مقام پر سنہ 126ھ میں قتل کر دیا گیا۔ یہ واقعہ دراصل بنو امیہ کے زوال کا

نقطۂ آغاز ثابت ہوا۔**توضیح:** اس قتل نے اسلامی دنیا میں شدید سیاسی بحران پیدا کر دیا۔ خلافت کی حرمت پامال ہوئی اور مسلمان گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ یہی داخلی کمزوری بعد میں عباسی انقلاب کا سبب بنی (الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج7، ص254، دار التراث، بیروت، 1967)۔

2-یزید بن ولید کی خلافت اور اس کی وفات: ولید کے قتل کے بعد اس کے چچا زاد بھائی یزید بن ولید کو خلیفہ بنایا گیا۔ اسے تاریخ میں یزید الناقص کہا جاتا ہے۔ اس کی خلافت بہت مختصر رہی۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں: **وَلَمْ تَدُمْ خِلَافَتُهُ إِلَّا أَشْهُرًا قَلِيلَةً، ثُمَّ مَاتَ سَنَةَ سِتٍّ وَعِشْرِينَ وَمِائَةٍ.** ترجمہ: اس کی خلافت چند ہی مہینے قائم رہی، پھر سنہ 126ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔**توضیح:** اس مختصر خلافت نے اموی حکومت کو مزید کمزور کر دیا۔ کیونکہ اس کے بعد خلافت کے کئی دعوے دار پیدا ہو گئے اور ملک میں خانہ جنگی کی کیفیت پیدا ہو گئی (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج10، ص16، دار الفکر، بیروت، 1987)۔

3-ابراہیم بن ولید کی کمزور خلافت: یزید بن ولید کے بعد اس کا بھائی ابراہیم بن ولید خلیفہ بنا، مگر اس کی حکومت نہایت کمزور تھی۔ ملک کے مختلف علاقوں میں اس کی بیعت قبول نہیں کی گئی۔ امام ابن الاثیر لکھتے ہیں: **وَبُوِيعَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْوَلِيدِ، وَلَمْ تَثْبُتْ لَهُ الْخِلَافَةُ، لِاخْتِلَافِ النَّاسِ عَلَيْهِ.** ترجمہ: ابراہیم بن ولید کی بیعت کی گئی، لیکن لوگوں کے اختلاف کی وجہ سے اس کی خلافت قائم نہ رہ سکی۔ **توضیح:** اس سیاسی کمزوری نے پورے اسلامی عالم کو خانہ جنگی میں مبتلا کر دیا۔ شام، عراق

اور خراسان میں مختلف گروہ اقتدار کے لیے برسر پیکار ہو گئے (ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج5، ص307، دار صادر، بیروت، 1965)۔

4-مروان بن محمد کا اقتدار کی طرف ابھار: اسی ہنگامہ خیز زمانے میں مروان بن محمد نے شام اور جزیرہ کے علاقوں میں اپنی قوت مستحکم کی اور خلافت کا دعویٰ کیا۔ امام سیوطی لکھتے ہیں: ثُمَّ قَامَ مَرْوَانُ بْنُ مُحَمَّدٍ فَنَازَعَ إِبْرَاهِيمَ الْخِلَافَةَ. ترجمہ: پھر مروان بن محمد اٹھا اور اس نے ابراہیم سے خلافت کے لیے مقابلہ کیا۔ **توضیح:** یہی وہ وقت تھا جب بنو امیہ کی داخلی جنگ شروع ہوئی، جسے بعد کے مورخین نے فتنہ ثالثہ کہا ہے۔ اس خانہ جنگی نے مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو سخت نقصان پہنچایا (السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص204، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2004)۔

5-امت کے صالح طبقات کی مظلومیت: سنہ 126ھ کے سیاسی بحران کا سب سے بڑا اثر عام مسلمانوں اور اہل علم پر پڑا۔ مختلف علاقوں میں بغاوتوں، انتقامی کارروائیوں اور قبائلی جنگوں کے نتیجے میں بے شمار بے گناہ افراد متاثر ہوئے۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں: وَكَثُرَتِ الْفِتَنُ بَيْنَ النَّاسِ، وَاضْطَرَبَتِ الْأُمُورُ فِي سَائِرِ الْبِلَادِ. ترجمہ: لوگوں کے درمیان فتنے بہت بڑھ گئے اور تمام علاقوں میں حالات سخت مضطرب ہو گئے۔ **توضیح:** یہی حالات بعد میں عباسی انقلاب کی بنیاد بنے، کیونکہ عوام بنو امیہ کی سیاسی کشمکش اور ظلم سے تنگ آ چکے تھے (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج10، ص19)۔

خلاصہ و نتائج: سنہ 126ھ اسلامی تاریخ میں شدید سیاسی بحران کا سال ہے۔اس سال کے اہم نتائج درج ذیل ہیں:1-ولید بن یزید کے قتل سے خلافت کی حرمت کو سخت نقصان پہنچا۔2-یزید بن ولید کی مختصر خلافت نے اموی اقتدار کو مزید کمزور کیا۔ 3-ابراہیم بن ولید کی کمزور حکومت سے داخلی اختلافات بڑھ گئے۔ 4-مروان بن محمد کے اقتدار کی جدوجہد نے خانہ جنگی کو جنم دیا۔5-ان تمام سیاسی کشمکشوں کا سب سے زیادہ نقصان عام مسلمانوں اور اہل علم کو ہوا، جو اس دور کی مظلوم شخصیات میں شمار ہوتے ہیں۔چنانچہ سنہ 126ھ کو بنوامیہ کے زوال کے آغاز اور امت کے لیے ایک نہایت دردناک سیاسی بحران کا سال قرار دیا جاسکتا ہے۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج7، ص254، دار التراث، بیروت، 1967۔ 2-ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، ج10،ص19-16، دار الفکر، بیروت، 1987۔3-ابن الاثیر،علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، ج5،ص307، دار صادر، بیروت، 1965۔4-السیوطی، جلال الدین،تاریخ الخلفاء،ص204،دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

سنہ 127ھ کے اہم واقعات

اسلامی تاریخ میں بنوامیہ کے آخری دور کا زمانہ شدید سیاسی انتشار اور خانہ جنگیوں سے عبارت ہے۔ خلافتِ امویہ کے آخری حکمرانوں کے عہد میں قبائلی

تعصّبات، اقتدار کی کشمکش اور بغاوتوں نے امت کے اجتماعی نظام کو شدید نقصان پہنچایا۔ انہی حالات کے نتیجے میں بہت سی صالح اور باوقار شخصیات مظلومیت اور مصائب کا شکار ہوئیں۔ سنہ 127ھ دراصل اس داخلی بحران کا تسلسل ہے جو سنہ 126ھ میں شروع ہوا تھا۔ اس سال بنوامیہ کی داخلی جنگ مزید شدت اختیار کر گئی، جس کے نتیجے میں کئی شخصیات کو ظلم و جبر کا سامنا کرنا پڑا اور اسلامی دنیا سیاسی اضطراب کی زد میں آ گئی۔ ذیل میں سنہ 127ھ کے چند اہم واقعات کو اسی تناظر میں پیش کیا جاتا ہے۔

1-مروان بن محمد کا اقتدار سنبھالنا اور ابراہیم بن ولید کی معزولی: سنہ 127ھ میں بنوامیہ کی خلافت کا فیصلہ کن مرحلہ اس وقت آیا جب مروان بن محمد نے شام اور جزیرہ کے علاقوں میں اپنی قوت مستحکم کر کے خلافت حاصل کر لی اور ابراہیم بن ولید کو معزول کر دیا۔ امام ابن الاثیر لکھتے ہیں: ثُمَّ سَارَ مَرْوَانُ بْنُ مُحَمَّدٍ إِلَى دِمَشْقَ، فَدَخَلَهَا، وَخُلِعَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْوَلِيدِ، وَبُوِيعَ مَرْوَانُ بِالْخِلَافَةِ. ترجمہ: پھر مروان بن محمد دمشق کی طرف بڑھا، وہاں داخل ہوا، ابراہیم بن ولید معزول کر دیا گیا اور مروان کی خلافت پر بیعت کی گئی۔ توضیح: یہ واقعہ بظاہر سیاسی تبدیلی تھا، لیکن اس کے اثرات بہت گہرے تھے۔ بنوامیہ کی مختلف شاخوں میں سخت دشمنی پیدا ہوگئی، جس کے نتیجے میں کئی خاندان اور قبائل مظلومیت اور انتقامی کارروائیوں کا شکار ہوئے (ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج5، ص312، دار صادر، بیروت، 1965)۔

2-بنوامیہ کے داخلی انتقامی اقدامات: مروان بن محمد کے اقتدار کے بعد بنوامیہ

کے مختلف گروہوں میں انتقام کا سلسلہ شروع ہوا۔بعض مقامات پر سابق حکمرانوں کے حامیوں کو گرفتار یا قتل کیا گیا۔امام طبری لکھتے ہیں:وَكَانَ بَيْنَ بَنِي أُمَيَّةَ فِي هَذِهِ السِّنِينَ اخْتِلَافٌ شَدِيدٌ وَقِتَالٌ. ترجمہ:ان برسوں میں بنوامیہ کے درمیان شدید اختلاف اور لڑائی جاری رہی۔**توضیح:** یہ داخلی جنگ دراصل بنو امیہ کے زوال کی علامت تھی۔اس باہمی کشمکش نے سیاسی استحکام کو ختم کر دیا اور امت کو شدید فتنہ وفساد میں مبتلا کر دیا (الطبری،تاریخ الامم والملوک،ج7،ص268،دارالتراث،بیروت،1967)۔

3-خوارج کی بغاوت اور عوام کی مظلومیت: سنہ 127ھ میں مختلف علاقوں خصوصاً عراق اور جزیرہ میں خوارج کی بغاوتیں بھی شدت اختیار کر گئیں۔ان بغاوتوں کے نتیجے میں عام مسلمان اور بے گناہ لوگ سخت مصائب کا شکار ہوئے۔امام ابن کثیر لکھتے ہیں:وَظَهَرَتِ الْخَوَارِجُ فِي بَعْضِ الْبِلَادِ، وَوَقَعَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ وُلَاةِ بَنِي أُمَيَّةَ قِتَالٌ شَدِيدٌ. ترجمہ:بعض علاقوں میں خوارج ظاہر ہوئے اور ان کے اور بنوامیہ کے گورنروں کے درمیان سخت جنگ ہوئی۔**توضیح:** اس طرح کے فتنوں کا سب سے زیادہ نقصان عام مسلمانوں کو ہوا، کیونکہ جنگوں اور بغاوتوں کے دوران شہری آبادی شدید متاثر ہوتی تھی (ابن کثیر،البدایہ والنہایہ،ج10،ص32،دارالفکر،بیروت،1987)۔

4-عباسی تحریک کا خفیہ فروغ: اسی زمانے میں خراسان اور عراق کے بعض علاقوں میں عباسی دعوت خاموشی سے پھیل رہی تھی۔یہ تحریک بنوامیہ کے خلاف عوامی ناراضی سے فائدہ اٹھا رہی تھی۔امام سیوطی لکھتے ہیں:وَكَانَتِ الدَّعْوَةُ الْعَبَّاسِيَّةُ فِي

خُـرَاسَانَ تَتَقَوَّی فِی هَذِهِ السِّنِینَ. ترجمہ: ان برسوں میں خراسان میں عباسی دعوت مضبوط ہورہی تھی۔ توضیح: یہ تحریک بعد میں سنہ 132ھ میں بنوامیہ کے خاتمہ اور خلافتِ عباسیہ کے قیام کا سبب بنی (السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص207، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، 2004)۔

5-امت کے صالح طبقات کی آزمائش: سیاسی انتشار کے اس دور میں اہل علم، صلحاء اور عام مسلمان سخت آزمائش سے گزر رہے تھے۔ حکومت کی تبدیلیوں، بغاوتوں اور جنگوں نے معاشرتی استحکام کو ختم کر دیا تھا۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں: وَكَثُـرَتِ الْـفِتَـنُ وَالْـحُرُوبُ فِی هَذِهِ الْأَيَّامِ. ترجمہ: ان دنوں فتنوں اور جنگوں کی کثرت ہوگئی تھی۔ **توضیح** یہی وہ حالات تھے جنہوں نے امت کے علمی و اخلاقی طبقہ کو شدید مشکلات سے دوچار کیا اور اسلامی تاریخ میں ایک مظلومانہ باب رقم کیا (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج10، ص33)۔

خلاصہ و نتائج: سنہ 127ھ اسلامی تاریخ میں بنوامیہ کے داخلی بحران کا اہم مرحلہ ہے۔ اس سال کے اہم نتائج درج ذیل ہیں: 1-مروان بن محمد کی خلافت نے اموی اقتدار کو وقتی استحکام دیا، مگر داخلی اختلافات باقی رہے۔ 2-بنوامیہ کے اندرونی جھگڑوں نے امت کو شدید سیاسی بحران میں مبتلا کیا۔ 3-خوارج کی بغاوتوں نے کئی علاقوں میں بدامنی پیدا کی۔ 4-عباسی تحریک اسی زمانے میں خاموشی سے مضبوط ہوئی۔ 5-ان تمام واقعات کا سب سے زیادہ اثر عام مسلمانوں اور صالح طبقات پر پڑا جو ظلم و مصائب کا شکار ہوئے۔ اسی وجہ سے سنہ 127ھ کو اسلامی تاریخ میں ایک ایسے دور کے طور پر دیکھا جاتا ہے جس میں سیاسی اقتدار کی کشمکش نے امت کو شدید

آزمائش میں مبتلا کر دیا۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج7، ص268، دار التراث، بیروت، 1967۔ 2-ابن الاثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، ج5، ص312، دار صادر، بیروت، 1965۔ 3-ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، ج10، ص33-32، دار الفکر، بیروت، 1987۔ 4-السیوطی، جلال الدین، تاریخ الخلفاء، ص207، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2004۔

سنہ 128ھ کے اہم واقعات

اسلامی تاریخ میں بنو امیہ کے آخری عہد کو شدید سیاسی اضطراب، قبائلی تعصّبات اور داخلی خانہ جنگیوں کا دور کہا جاتا ہے۔ خلافت کے آخری اموی حکمرانوں کے زمانے میں مختلف علاقوں میں بغاوتیں، اقتدار کی کشمکش اور سیاسی انتقام کی فضا نے امت کے اجتماعی استحکام کو سخت متاثر کیا۔ انہی حالات میں سنہ 128ھ بھی ایک نہایت اہم سال ہے، کیونکہ اس سال اسلامی دنیا کے مختلف علاقوں میں ایسی سیاسی و عسکری سرگرمیاں ہوئیں جن کے نتیجے میں کئی شخصیات اور عوامی طبقات مظلومیت کا شکار ہوئے۔ خصوصاً خراسان، عراق اور شام کے علاقوں میں سیاسی کشمکش کے آثار نمایاں تھے۔ عباسی دعوت خفیہ طور پر مضبوط ہو رہی تھی اور بنو امیہ کی حکومت اندرونی اختلافات کی وجہ سے کمزور ہو رہی تھی۔ یہی حالات بعد میں اموی خلافت کے خاتمہ کا

پیش خیمہ ثابت ہوئے۔

1-خراسان میں عباسی تحریک کا نمایاں ظہور: سنہ 128ھ میں خراسان کے علاقے میں عباسی تحریک زیادہ واضح ہونے لگی۔ بنو امیہ کی حکومت کے خلاف عوامی ناراضی کو منظّم کیا جارہا تھا اور مختلف قبائل اس تحریک سے متاثر ہورہے تھے۔امام طبری لکھتے ہیں:وَ كَانَتِ الدَّعْوَةُ لِبَنِي الْعَبَّاسِ تَظْهَرُ بِخُرَاسَانَ فِي هَذِهِ السِّنِينَ، وَيَدْعُونَ النَّاسَ إِلَى الرِّضَا مِنْ آلِ مُحَمَّدٍ. ترجمہ:ان برسوں میں خراسان میں بنی عباس کی دعوت ظاہر ہونے لگی تھی،اور لوگ 'الرضا من آل محمدؐ' کی طرف بلائے جارہے تھے۔**توضیح:** عباسی تحریک کا نعرہ بظاہر اہل بیت کی حمایت تھا،جس کی وجہ سے عوام میں اس کی مقبولیت بڑھ گئی۔لیکن اس تحریک کے پھیلاؤ کے ساتھ مختلف علاقوں میں سیاسی کشمکش اور خفیہ سرگرمیاں بھی بڑھ گئیں،جن کے نتیجے میں کئی افراد کو ظلم اور انتقام کا سامنا کرنا پڑا (الطبری،محمد بن جریر،تاریخ الامم والملوک،ج7،ص286،دار التراث،بیروت،1967)۔

2-خوارج کی بغاوتیں اور عوام کی مصیبتیں: سنہ 128ھ میں بعض علاقوں میں خوارج کی بغاوتیں بھی جاری رہیں۔یہ گروہ اموی حکومت کے خلاف مسلح جدوجہد کررہے تھے،جس کے نتیجے میں مختلف علاقوں میں خونریز لڑائیاں ہوئیں۔امام ابن کثیر لکھتے ہیں:وَ كَانَتِ الْخَوَارِجُ تُثِيرُ الْفِتَنَ فِي بَعْضِ الْبِلَادِ، وَيَقَعُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ جُنُودِ بَنِي أُمَيَّةَ قِتَالٌ. ترجمہ:خوارج بعض علاقوں میں فتنہ برپا کرتے تھے اور ان کے اور بنو امیہ کے لشکروں کے درمیان جنگ ہوتی رہتی تھی۔**توضیح:** ایسی بغاوتوں کا سب سے

زیادہ نقصان عام مسلمانوں کو اٹھانا پڑتا تھا۔ کیونکہ جب حکومت اور باغی گروہوں کے درمیان جنگ ہوتی تو شہری آبادی، علماء اور صلحاء بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہ رہتے تھے (ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، ج10، ص48، دار الفکر، بیروت، 1987)۔

3-مروان بن محمد کی سخت سیاسی پالیسیاں: سنہ 128ھ میں اموی خلیفہ مروان بن محمد نے اپنی حکومت کو مضبوط کرنے کے لیے مختلف علاقوں میں سخت انتظامی اقدامات کیے۔ بعض مقامات پر مخالفین کے خلاف سخت کارروائیاں بھی کی گئیں۔ امام ابن الاثیر لکھتے ہیں: وَاشْتَدَّ أَمْرُ مَرْوَانَ بْنِ مُحَمَّدٍ، وَكَانَ يُقَاتِلُ مَنْ خَالَفَهُ مِنْ أَهْلِ الْأَمْصَارِ. ترجمہ: مروان بن محمد کا اقتدار مضبوط ہوا اور وہ ان لوگوں سے جنگ کرتا تھا جو مختلف شہروں میں اس کے مخالف تھے۔ **توضیح:** یہ سخت سیاسی اقدامات بظاہر حکومت کے استحکام کے لیے تھے، لیکن ان کے نتیجے میں کئی بے گناہ افراد اور سیاسی مخالفین ظلم کا شکار ہوئے (ابن الاثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، ج5، ص328، دار صادر، بیروت، 1965)۔

4-اسلامی معاشرے میں فتنوں کی کثرت: سنہ 128ھ کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے کہ اس دور میں سیاسی اضطراب اور فتنوں کی کثرت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ امت کا علمی و سماجی نظام متاثر ہوا۔ امام سیوطی لکھتے ہیں: وَكَثُرَتِ الْفِتَنُ فِي آخِرِ دَوْلَةِ بَنِي أُمَيَّةَ. ترجمہ: بنو امیہ کے آخری دور میں فتنوں کی کثرت ہو گئی تھی۔ **توضیح:** یہ فتنہ و فساد دراصل اس سیاسی بحران کا نتیجہ تھا جو اموی خلافت کے آخری زمانے میں پیدا ہوا۔ اس بحران کا سب سے زیادہ اثر عام مسلمانوں، اہل علم اور صالح

طبقات پر پڑا (السیوطی، جلال الدین، تاریخ الخلفاء، ص210، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2004)۔

5-عباسی انقلاب کے اسباب کا مضبوط ہونا: سنہ 128ھ تک آتے آتے بنو امیہ کے خلاف عوامی ناراضی میں اضافہ ہو چکا تھا۔ عباسی تحریک اسی ناراضی سے فائدہ اٹھا رہی تھی اور مختلف علاقوں میں اپنے حامیوں کو منظّم کر رہی تھی۔ **توضیح:** مورخین کے مطابق یہی حالات بعد میں ابو مسلم خراسانی کی قیادت میں عباسی انقلاب کا سبب بنے، جس کے نتیجے میں سنہ 132ھ میں اموی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔

خلاصہ و نتائج: سنہ 128ھ اسلامی تاریخ میں بنو امیہ کے زوال کے قریب آنے کا ایک اہم مرحلہ ہے۔ اس سال کے اہم نتائج درج ذیل ہیں: 1-خراسان میں عباسی تحریک زیادہ واضح اور مضبوط ہو گئی۔ 2-خوارج کی بغاوتوں نے مختلف علاقوں میں بدامنی پیدا کی۔ 3-مروان بن محمد نے حکومت کو بچانے کے لیے سخت سیاسی اقدامات کیے۔ 4-امت میں فتنوں اور خانہ جنگیوں کی کثرت ہو گئی۔ 5-ان تمام حالات کا سب سے زیادہ نقصان عام مسلمانوں اور صالح طبقات کو ہوا، جو مظلومیت اور مصائب کا شکار ہوئے۔ اسی لیے سنہ 128ھ کو اسلامی تاریخ میں ایک ایسے دور کے طور پر دیکھا جاتا ہے جس میں سیاسی انتشار نے امت کے اجتماعی استحکام کو شدید نقصان پہنچایا اور عباسی انقلاب کے اسباب مزید مضبوط ہوئے۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج7، ص286، دار التراث، بیروت، 1967۔ 2-ابن الاثیر، علی بن محمد، الکامل فی

التاریخ، ج5، ص328، دار صادر، بیروت، 1965۔ 3-ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، ج10، ص48، دار الفکر، بیروت، 1987۔ 4-السیوطی، جلال الدین، تاریخ الخلفاء، ص210، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2004۔

سنہ 129ھ کے اہم واقعات

اسلامی تاریخ میں بنوامیہ کے آخری زمانہ کو شدید سیاسی بحران، خانہ جنگیوں اور داخلی انتشار کا دور قرار دیا جاتا ہے۔ خلافتِ امویہ کے آخری حکمران مروان بن محمد کے زمانے میں مختلف علاقوں میں بغاوتیں، سیاسی تحریکیں اور قبائلی تعصّبات شدت اختیار کر گئے تھے۔ انہی حالات کے درمیان سنہ 129ھ ایک نہایت اہم سال ہے، کیونکہ اسی زمانہ میں عباسی تحریک نے کھلے طور پر قوت حاصل کرنا شروع کی اور بنوامیہ کے اقتدار کو شدید چیلنج درپیش ہوا۔ اس سال کے واقعات نے نہ صرف اموی حکومت کو کمزور کیا بلکہ کئی علاقوں میں سیاسی کشمکش کے نتیجے میں عام مسلمان، اہل علم اور صالح طبقات مصائب و مظالم کا شکار ہوئے۔ اسی بنا پر سنہ 129ھ کے واقعات کو اسلامی تاریخ میں مظلوم شخصیات کے تناظر میں خاص اہمیت حاصل ہے۔

1-خراسان میں عباسی انقلاب کا آغاز: سنہ 129ھ میں خراسان کے علاقے میں عباسی تحریک نے کھلے طور پر بغاوت کی شکل اختیار کر لی۔ اس تحریک کی قیادت ابومسلم خراسانی کے ہاتھ میں تھی، جس نے بنوامیہ کے خلاف عوام کو منظّم کیا۔ امام

طبری لکھتے ہیں: وَفِی هَذِهِ السَّنَةِ أَظْهَرَ أَبُو مُسْلِمٍ الدَّعْوَةَ بِخُرَاسَانَ، وَاجْتَمَعَتْ إِلَيْهِ الْجُمُوعُ. ترجمہ: اسی سال ابومسلم نے خراسان میں عباسی دعوت کو ظاہر کیا اور بڑی تعداد میں لوگ اس کے ساتھ جمع ہو گئے۔ **توضیح:** عباسی تحریک دراصل بنوامیہ کے خلاف ایک منظّم سیاسی انقلاب تھا۔ اگرچہ اس تحریک کو عوامی حمایت حاصل ہوئی، لیکن اس کے نتیجے میں مختلف علاقوں میں جنگیں اور خونریزی بھی ہوئی، جس سے بہت سے لوگ مظلومیت کا شکار ہوئے (الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج7، ص295، دارالتراث، بیروت، 1967)۔

2-نصر بن سیار کی مشکلات اور خراسان کا بحران: اس وقت خراسان میں بنو امیہ کے گورنر نصر بن سیار تھے۔ عباسی تحریک کے پھیلنے سے ان کی حکومت سخت مشکلات میں پڑ گئی۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں: وَكَانَ نَصْرُ بْنُ سَيَّارٍ وَالِي خُرَاسَانَ، فَضَعُفَ أَمْرُهُ لِقِيَامِ الدَّعْوَةِ الْعَبَّاسِيَّةِ. ترجمہ: خراسان کے گورنر نصر بن سیار تھے، لیکن عباسی دعوت کے قیام کی وجہ سے ان کی حکومت کمزور ہو گئی۔ **توضیح:** نصر بن سیار ایک تجربہ کار حکمران تھے، لیکن عباسی تحریک اور قبائلی اختلافات کی وجہ سے خراسان میں شدید سیاسی بحران پیدا ہو گیا۔ اس کشمکش کا اثر عام مسلمانوں پر بھی پڑا اور بہت سے لوگ جنگی حالات سے متاثر ہوئے (ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، ج10، ص69، دارالفکر، بیروت، 1987)۔

3-قبائلی اختلافات اور داخلی فتنہ: سنہ 129ھ میں خراسان اور عراق کے علاقوں میں عرب قبائل کے درمیان اختلافات بھی شدت اختیار کر گئے۔ یہ اختلافات عباسی

تحریک کے لیے مزید سازگار ثابت ہوئے۔امام ابن الاثیر لکھتے ہیں:وَاشْتَدَّ الْخِلَافُ بَيْنَ قَبَائِلِ خُرَاسَانَ، وَكَانَ ذَلِكَ سَبَبًا فِي قُوَّةِ الدَّعْوَةِ الْعَبَّاسِيَّةِ. ترجمہ:خراسان کے قبائل کے درمیان اختلافات شدت اختیار کر گئے، اور یہی عباسی دعوت کی قوت کا سبب بنے۔**توضیح:** قبائلی تعصّبات اور سیاسی اختلافات نے اسلامی معاشرے کو سخت متاثر کیا۔اس کے نتیجے میں عام لوگوں کو جنگوں اور فتنوں کا سامنا کرنا پڑا(ابن الاثیر،علی بن محمد،الکامل فی التاریخ،ج5،ص347،دار صادر،بیروت،1965)۔

4-بنو امیہ کی حکومت کا بڑھتا ہوا زوال: سنہ 129ھ تک آتے آتے بنوامیہ کی حکومت واضح طور پر کمزور ہو چکی تھی۔مختلف علاقوں میں بغاوتیں اور سیاسی تحریکیں اس کے اقتدار کے لیے خطرہ بن چکی تھیں۔امام سیوطی لکھتے ہیں:وَكَانَتْ دَوْلَةُ بَنِي أُمَيَّةَ فِي آخِرِهَا، وَقَدْ قَوِيَتِ الدَّعْوَةُ الْعَبَّاسِيَّةُ. ترجمہ:بنوامیہ کی حکومت اپنے آخری مرحلے میں تھی اور عباسی دعوت مضبوط ہو چکی تھی۔**توضیح:** یہی وہ حالات تھے جنہوں نے بعد میں سنہ 132ھ میں عباسی انقلاب کو کامیابی دلائی اور اموی خلافت کا خاتمہ ہو گیا(السیوطی،جلال الدین،تاریخ الخلفاء،ص214،دار الکتب العلمیۃ،بیروت،2004)۔

5-امت کے صالح طبقات کی آزمائش: سیاسی کشمکش اور جنگوں کے اس ماحول میں اہل علم،صلحاء اور عام مسلمان شدید آزمائش سے گزر رہے تھے۔معاشرتی امن وسکون متاثر ہو چکا تھا اور مختلف علاقوں میں بدامنی پھیل گئی تھی۔امام ابن کثیر اس دور کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:وَكَثُرَتِ الْفِتَنُ وَالْحُرُوبُ فِي هَذِهِ

الْأَيَّامِ . ترجمہ: ان دنوں فتنوں اور جنگوں کی کثرت ہوگئی تھی۔ **توضیح:** یہی وہ حالات تھے جن میں امت کے بہت سے صالح افراد مظلومیت اور مشکلات کا شکار ہوئے اور اسلامی تاریخ میں ایک دردناک باب رقم ہوا (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج10، ص70)۔

خلاصہ و نتائج: سنہ 129ھ اسلامی تاریخ میں ایک فیصلہ کن مرحلہ ہے۔ اس سال کے اہم نتائج درج ذیل ہیں: 1- خراسان میں عباسی تحریک نے کھلے طور پر بغاوت کی شکل اختیار کر لی۔ 2- ابو مسلم خراسانی کی قیادت میں عباسی انقلاب کی بنیاد مضبوط ہوئی۔ 3- خراسان کے گورنر نصر بن سیار کی حکومت شدید بحران کا شکار ہوگئی۔ 4- قبائلی اختلافات اور سیاسی کشمکش نے بنوامیہ کی حکومت کو مزید کمزور کر دیا۔ 5- اس پورے سیاسی بحران کا سب سے زیادہ نقصان عام مسلمانوں اور صالح طبقات کو ہوا، جو فتنوں اور جنگوں کے باعث مظلومیت کا شکار ہوئے۔ اسی بنا پر سنہ 129ھ کو اسلامی تاریخ میں بنوامیہ کے زوال کے قریب آنے اور عباسی انقلاب کے آغاز کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔

مصادر و مراجع: 1- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج7، ص295، دار التراث، بیروت، 1967۔ 2- ابن الاثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، ج5، ص347، دار صادر، بیروت، 1965۔ 3- ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، ج10، ص70-69، دار الفکر، بیروت، 1987۔ 4- السیوطی، جلال الدین، تاریخ الخلفاء، ص214، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2004۔

سنہ 130ھ کے اہم واقعات

اسلامی تاریخ میں بنوامیہ کے آخری دور کو سیاسی اضطراب، داخلی خانہ جنگیوں اور اقتدار کی شدید کشمکش کا زمانہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس دور میں مختلف علاقوں میں بغاوتیں، سیاسی تحریکیں اور قبائلی تعصّبات نے اسلامی معاشرے کو سخت متاثر کیا۔ انہی حالات کے درمیان سنہ 130ھ ایک نہایت اہم تاریخی مرحلہ ہے، کیونکہ اسی سال عباسی تحریک نے مزید قوت حاصل کی اور بنوامیہ کی حکومت کو سخت چیلنج درپیش ہوا۔ اس سیاسی کشمکش کے نتیجے میں متعدد علاقے جنگ وجدال کی لپیٹ میں آئے اور عام مسلمان، اہل علم اور صالح طبقات مصائب اور مظالم کا شکار ہوئے۔ اسی بنا پر سنہ 130ھ کے واقعات کو اسلامی تاریخ میں مظلوم شخصیات کے تناظر میں خاص اہمیت حاصل ہے۔

1-خراسان میں عباسی تحریک کی مزید تقویت: سنہ 130ھ تک عباسی تحریک خراسان میں مضبوط ہو چکی تھی اور اس کے حامیوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ عباسی داعیوں نے عوام کو بنوامیہ کے خلاف منظّم کیا اور خلافت کی تبدیلی کے لیے فضا تیار کی۔ امام طبری لکھتے ہیں: وَقَوِيَ أَمْرُ أَبِي مُسْلِمٍ بِخُرَاسَانَ، وَاجْتَمَعَ إِلَيْهِ النَّاسُ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ. ترجمہ: خراسان میں ابومسلم کا اقتدار مضبوط ہو گیا اور ہر طرف سے لوگ اس کے ساتھ جمع ہونے لگے۔ **توضیح:** عباسی تحریک کے پھیلاؤ نے بنوامیہ کی حکومت کو شدید کمزور کر دیا۔ اس کے نتیجے میں مختلف علاقوں میں فوجی تصادم

اور سیاسی کشمکش پیدا ہوئی، جس کا اثر عام مسلمانوں پر بھی پڑا (الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج7، ص310، دار التراث، بیروت، 1967)۔

2-نصر بن سیار کی مشکلات اور خراسان میں بدامنی: خراسان میں بنو امیہ کے گورنر نصر بن سیار عباسی تحریک کے پھیلاؤ سے شدید پریشان تھے۔ قبائلی اختلافات اور سیاسی بغاوتوں نے ان کی حکومت کو کمزور کر دیا تھا۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں: وَاشْتَدَّ أَمْرُ أَبِي مُسْلِمٍ، وَضَعُفَ أَمْرُ نَصْرِ بْنِ سَيَّارٍ بِخُرَاسَانَ. ترجمہ: ابو مسلم کا اثر و رسوخ بڑھ گیا اور خراسان میں نصر بن سیار کی حکومت کمزور ہو گئی۔ **توضیح:** یہ سیاسی بحران دراصل بنو امیہ کے زوال کا پیش خیمہ تھا۔ اس کشمکش کے نتیجے میں کئی علاقوں میں جنگی حالات پیدا ہوئے اور عام مسلمان ان کے اثرات سے متاثر ہوئے (ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، ج10، ص83، دار الفکر، بیروت، 1987)۔

3-قبائلی اختلافات اور داخلی کشمکش: سنہ 130ھ میں خراسان اور عراق کے علاقوں میں قبائلی اختلافات شدت اختیار کر گئے۔ مختلف قبائل بنو امیہ اور عباسی تحریک کے درمیان تقسیم ہو گئے تھے۔ امام ابن الاثیر لکھتے ہیں: وَكَانَ بَيْنَ قَبَائِلِ خُرَاسَانَ اخْتِلَافٌ شَدِيدٌ، فَكَانَ ذَلِكَ سَبَبًا فِي اضْطِرَابِ الْأُمُورِ. ترجمہ: خراسان کے قبائل کے درمیان شدید اختلاف تھا اور اسی وجہ سے حالات میں سخت اضطراب پیدا ہو گیا۔ **توضیح:** قبائلی تعصّبات اور سیاسی اختلافات نے اسلامی معاشرے کو شدید نقصان پہنچایا۔ ان حالات میں عوامی امن و سکون متاثر ہوا اور بہت سے لوگ ظلم و مصائب کا

شکار ہوئے (ابن الاثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، ج5، ص360، دار صادر، بیروت، 1965)۔

4-بنو امیہ کی حکومت کا کمزور ہونا: سنہ 130ھ تک بنو امیہ کی حکومت واضح طور پر کمزور ہو چکی تھی۔ مختلف علاقوں میں بغاوتیں اور سیاسی تحریکیں اس کے اقتدار کے لیے خطرہ بن چکی تھیں۔ امام سیوطی لکھتے ہیں: وَكَانَتْ دَوْلَةُ بَنِي أُمَيَّةَ فِي ضَعْفٍ شَدِيدٍ، وَقَدْ قَوِيَتِ الدَّعْوَةُ الْعَبَّاسِيَّةُ. ترجمہ: بنو امیہ کی حکومت شدید کمزوری کا شکار تھی اور عباسی تحریک مضبوط ہو چکی تھی۔ **توضیح:** یہی وہ حالات تھے جنہوں نے بعد میں عباسی انقلاب کو کامیاب بنایا اور سنہ 132ھ میں اموی خلافت کے خاتمہ کا سبب بنے (السیوطی، جلال الدین، تاریخ الخلفاء، ص218، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2004)۔

5-امت کے صالح طبقات کی آزمائش: سیاسی انتشار اور جنگی حالات کے اس دور میں اہل علم، صلحاء اور عام مسلمان شدید مشکلات سے گزر رہے تھے۔ مختلف علاقوں میں امن و امان متاثر ہو چکا تھا اور فتنوں کی کثرت ہو گئی تھی۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں: وَكَثُرَتِ الْفِتَنُ وَالْحُرُوبُ فِي هَذِهِ الْأَيَّامِ. ترجمہ: ان دنوں فتنوں اور جنگوں کی کثرت ہو گئی تھی۔ **توضیح:** یہ حالات اس بات کی علامت تھے کہ اسلامی دنیا ایک بڑے سیاسی انقلاب کی طرف بڑھ رہی تھی، جس کے اثرات امت کے مختلف طبقات پر پڑ رہے تھے (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج10، ص84)۔

خلاصہ و نتائج: سنہ 130ھ اسلامی تاریخ میں بنو امیہ کے زوال کے قریب آنے کا ایک اہم مرحلہ ہے۔ اس سال کے اہم نتائج درج ذیل ہیں: 1-خراسان میں

عباسی تحریک مزید مضبوط ہوگئی۔2-ابومسلم خراسانی کا اثر ورسوخ بڑھ گیا۔3-خراسان کے گورنر نصر بن سیار کی حکومت کمزور ہوگئی۔4-قبائلی اختلافات اور سیاسی کشمکش نے اسلامی معاشرے کو متاثر کیا۔5-اس تمام بحران کا سب سے زیادہ اثر عام مسلمانوں اور صالح طبقات پر پڑا جو فتنوں اور جنگوں کے باعث مظلومیت کا شکار ہوئے۔اسی بنا پر سنہ 130ھ کو اسلامی تاریخ میں ایک ایسے دور کے طور پر دیکھا جاتا ہے جس میں سیاسی بحران نے عباسی انقلاب کے اسباب کو مزید مضبوط کر دیا۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج7، ص310، دار التراث، بیروت، 1967۔ 2-ابن الاثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، ج5، ص360، دار صادر، بیروت، 1965۔ 3-ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، ج10، ص84-83، دار الفکر، بیروت، 1987۔ 4-السیوطی، جلال الدین، تاریخ الخلفاء، ص218، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2004۔

سنہ 131ھ کے اہم واقعات

اسلامی تاریخ میں خلافتِ بنوامیہ کا آخری زمانہ سیاسی اضطراب، داخلی کشمکش اور مسلسل بغاوتوں کا دور تھا۔اس عہد میں بنوامیہ کی مرکزی حکومت کمزور ہو چکی تھی اور مختلف علاقوں میں عباسی تحریک کے اثرات نمایاں ہونے لگے تھے۔یہی وہ حالات تھے جنہوں نے اموی اقتدار کے خاتمہ کی بنیاد فراہم کی۔سنہ 131ھ اسی بحران کا ایک

اہم مرحلہ ہے۔اس سال خراسان اور عراق کے علاقوں میں عباسی تحریک نے مزید قوت حاصل کی اور بنوامیہ کی حکومت کے خلاف کھلی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔اس سیاسی وعسکری کشمکش کے نتیجے میں بہت سے افراد اور طبقات ظلم ومصائب کا شکار ہوئے۔اسی لیے سنہ 131ھ کے واقعات کو مظلوم شخصیات کے تناظر میں سمجھنا تاریخی اعتبار سے نہایت اہم ہے۔

1-خراسان میں عباسی تحریک کا غالب آنا: سنہ 131ھ میں خراسان میں عباسی تحریک نے نمایاں کامیابیاں حاصل کیں۔عباسی داعی ابومسلم خراسانی نے بنو امیہ کے حامیوں کو شکست دے کر اس علاقے میں اپنی قوت مضبوط کر لی۔امام طبری لکھتے ہیں:وَكَانَ أَبُو مُسْلِمٍ قَدْ ظَهَرَ بِخُرَاسَانَ، وَغَلَبَ عَلَى أَكْثَرِ بِلَادِهَا . ترجمہ:ابومسلم خراسان میں ظاہر ہو چکا تھا اور اس نے خراسان کے اکثر علاقوں پر غلبہ حاصل کر لیا تھا۔**توضیح:** عباسی تحریک کی اس پیش رفت نے بنوامیہ کے اقتدار کو شدید کمزور کر دیا۔اس کے نتیجے میں مختلف علاقوں میں جنگیں ہوئیں اور بہت سے لوگ اس کشمکش کے اثرات سے متاثر ہوئے (الطبری،محمد بن جریر،تاریخ الامم والملوک،ج7،ص329، دارالتراث،بیروت،1996)۔

2-نصر بن سیار کا زوال اور خراسان میں حکومت کا خاتمہ: خراسان میں بنوامیہ کے گورنر نصر بن سیار عباسی تحریک کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرتے رہے،مگر حالات ان کے خلاف ہو گئے۔بالآخر انہیں خراسان چھوڑنا پڑا۔امام ابن کثیر لکھتے ہیں:وَاضْطُرَّ

نَصْرُ بْنُ سَيَّارٍ إِلَى الْخُرُوجِ مِنْ خُرَاسَانَ لِقُوَّةِ أَبِي مُسْلِمٍ. ترجمہ: ابو مسلم کی قوت کی وجہ سے نصر بن سیار کو خراسان سے نکلنے پر مجبور ہونا پڑا۔ **توضیح:** نصر بن سیار کا زوال بنوامیہ کی حکومت کے خاتمہ کا واضح اشارہ تھا۔ خراسان میں اموی اقتدار کے خاتمہ نے عباسی انقلاب کی کامیابی کی راہ ہموار کر دی (ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، ج10، ص103، دارالفکر، بیروت، 1987)۔

3-عراق میں عباسی تحریک کی پیش قدمی: سنہ 131ھ میں عباسی تحریک نے عراق کی طرف بھی پیش قدمی شروع کر دی۔ اس تحریک کے داعی مختلف علاقوں میں لوگوں کو بنوامیہ کے خلاف منظّم کر رہے تھے۔ امام ابن الاثیر لکھتے ہیں: وَسَارَ أَصْحَابُ الدَّعْوَةِ الْعَبَّاسِيَّةِ إِلَى الْعِرَاقِ، فَدَعَوُا النَّاسَ إِلَى بَيْعَةِ بَنِي الْعَبَّاسِ. ترجمہ: عباسی دعوت کے اصحاب عراق کی طرف بڑھے اور لوگوں کو بنی عباس کی بیعت کی طرف بلانے لگے۔ **توضیح:** اس پیش قدمی کے نتیجے میں عراق میں بھی سیاسی کشمکش پیدا ہوئی اور اموی حکومت کے خلاف بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا (ابن الاثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، ج5، ص376، دارصادر، بیروت، 1965)۔

4-بنوامیہ کی حکومت کا شدید بحران: سنہ 131ھ تک بنوامیہ کی حکومت شدید بحران کا شکار ہو چکی تھی۔ مختلف علاقوں میں بغاوتیں اور سیاسی تحریکیں اس کے اقتدار کو ختم کرنے کے قریب پہنچ چکی تھیں۔ امام سیوطی لکھتے ہیں: وَاشْتَدَّ الضَّعْفُ فِي دَوْلَةِ بَنِي أُمَيَّةَ، وَقَرُبَ زَوَالُهَا. ترجمہ: بنوامیہ کی حکومت میں شدید کمزوری

آ گئی اور اس کا زوال قریب آ گیا۔ **توضیح:** یہی وہ حالات تھے جنہوں نے اگلے ہی سال عباسی انقلاب کی کامیابی اور اموی خلافت کے خاتمہ کی راہ ہموار کی (السیوطی، جلال الدین، تاریخ الخلفاء، ص220، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2000)۔

5-امت کے صالح طبقات کی آزمائش: اس سیاسی بحران کے دوران اسلامی معاشرے میں بدامنی اور جنگی حالات پیدا ہو گئے تھے۔ مختلف علاقوں میں فتنوں اور لڑائیوں کی وجہ سے عوام اور اہل علم کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں: وَكَثُرَتِ الْفِتَنُ وَالْحُرُوبُ فِي هَذِهِ الْأَيَّامِ . ترجمہ: ان دنوں فتنوں اور جنگوں کی کثرت ہو گئی تھی۔ **توضیح:** یہ حالات اس بات کی علامت تھے کہ اسلامی دنیا ایک بڑے سیاسی انقلاب کے دہانے پر کھڑی ہے، جس کے اثرات معاشرے کے ہر طبقہ پر پڑ رہے تھے (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج10، ص104)۔

خلاصہ و نتائج: سنہ 131ھ اسلامی تاریخ میں بنو امیہ کے زوال کے قریب آنے کا ایک اہم مرحلہ ہے۔ اس سال کے اہم نتائج درج ذیل ہیں: 1-خراسان میں عباسی تحریک نے نمایاں کامیابیاں حاصل کیں۔ 2-ابو مسلم خراسانی کا اثر و رسوخ مزید بڑھ گیا۔ 3-نصر بن سیار کی حکومت کا خاتمہ بنو امیہ کے زوال کا اہم مرحلہ ثابت ہوا۔ 4-عباسی تحریک نے عراق کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ 5-سیاسی بحران اور جنگوں کے نتیجے میں عام مسلمان اور صالح طبقات شدید مصائب اور مظلومیت کا شکار ہوئے۔ اسی بنا پر سنہ 131ھ اسلامی تاریخ میں ایک فیصلہ کن مرحلہ ہے جو اموی

خلافت کے خاتمہ اور عباسی انقلاب کی کامیابی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج7، ص329، دار التراث، بیروت، 1967۔ 2-ابن الاثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، ج5، ص376، دار صادر، بیروت، 1965۔ 3-ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، ج10، ص104-103، دار الفکر، بیروت، 1987۔ 4-السیوطی، جلال الدین، تاریخ الخلفاء، ص220، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2004۔

سنہ 132ھ کے اہم واقعات

(سقوطِ خلافتِ بنوامیہ)

اسلامی تاریخ میں سنہ 132ھ ایک نہایت فیصلہ کن اور انقلابی سال کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سال بنوامیہ کی تقریباً نوے سالہ خلافت کا خاتمہ ہوا اور خلافتِ عباسیہ کا قیام عمل میں آیا۔ اس عظیم سیاسی تبدیلی کے پس منظر میں کئی سالوں کی سیاسی کشمکش، بغاوتیں، قبائلی اختلافات اور عوامی بے چینی کارفرما تھی۔ اگرچہ عباسی انقلاب کو بعض طبقات کی حمایت حاصل تھی، لیکن اس سیاسی انقلاب کے دوران بڑے پیمانے پر خونریزی بھی ہوئی اور بہت سی شخصیات ظلم و انتقام کا شکار ہوئیں۔ بنوامیہ کے بہت سے افراد قتل کیے گئے، کئی اہل علم اور عوامی طبقات جنگوں اور سیاسی انتقامات کی زد میں آئے۔ اسی بنا پر سنہ 132ھ کے واقعات کو مظلوم شخصیات کے تناظر میں بیان کرنا

اسلامی تاریخ کے ایک اہم باب کی وضاحت ہے۔

1-جنگِ زاب اور بنوامیہ کی شکست: سنہ 132ھ کا سب سے اہم واقعہ جنگِ زاب ہے۔اس جنگ میں عباسی لشکر نے اموی خلیفہ مروان بن محمد کی فوج کو شکست دی۔ یہ جنگ دراصل بنوامیہ کے اقتدار کے خاتمہ کا فیصلہ کن مرحلہ ثابت ہوئی۔امام طبری لکھتے ہیں:فَالْتَقَى الْجَيْشَانِ عِنْدَ نَهْرِ الزَّابِ، فَانْهَزَمَ مَرْوَانُ بْنُ مُحَمَّدٍ وَتَفَرَّقَ جَيْشُهُ. ترجمہ:دونوں لشکر دریائے زاب کے کنارے آمنے سامنے ہوئے، پس مروان بن محمد کو شکست ہوئی اور اس کا لشکر منتشر ہو گیا۔**توضیح:** یہ جنگ عباسی انقلاب کا فیصلہ کن موڑ تھی۔اس شکست کے بعد بنوامیہ کی مرکزی حکومت تقریباً ختم ہو گئی اور عباسی لشکر نے عراق اور شام کے علاقوں پر قبضہ کر لیا(الطبری،محمد بن جریر،تاریخ الامم والملوک،ج7،ص350،دارالتراث،بیروت،1967)۔

2-مروان بن محمد کا قتل:جنگِ زاب کے بعد اموی خلیفہ مروان بن محمد مصر کی طرف فرار ہو گیا،مگر عباسی لشکر نے اس کا تعاقب جاری رکھا۔بالآخر سنہ 132ھ میں مصر میں اسے قتل کر دیا گیا۔امام ابن کثیر لکھتے ہیں:فَقُتِلَ مَرْوَانُ بْنُ مُحَمَّدٍ بِمِصْرَ، وَبِقَتْلِهِ انْقَضَتْ دَوْلَةُ بَنِي أُمَيَّةَ. ترجمہ:مروان بن محمد مصر میں قتل کر دیا گیا اور اس کے قتل کے ساتھ ہی بنوامیہ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔**توضیح:** مروان بن محمد بنوامیہ کا آخری خلیفہ تھا۔اس کے قتل کے بعد تقریباً نوے سالہ اموی خلافت ختم ہو گئی اور عباسی خلافت کا آغاز ہوا(ابن کثیر،اسماعیل بن عمر،البدایہ والنہایہ،ج10،ص120،دارالفکر،بیروت،1987)۔

3-عباسی خلافت کا قیام اور ابوالعباس السفاح کی بیعت: سنہ 132ھ میں عباسی تحریک کی کامیابی کے بعد ابوالعباس السفاح کو خلیفہ مقرر کیا گیا اور اس کی بیعت کی گئی۔ امام ابن الاثیر لکھتے ہیں: وَبُوِيعَ أَبُو الْعَبَّاسِ السَّفَّاحُ بِالْكُوفَةِ، فَكَانَ أَوَّلَ خُلَفَاءِ بَنِي الْعَبَّاسِ . ترجمہ: کوفہ میں ابوالعباس السفاح کی بیعت کی گئی اور وہ بنی عباس کے پہلے خلیفہ بنے۔ **توضیح:** عباسی خلافت کے قیام کے ساتھ ہی سیاسی نظام میں بڑی تبدیلی آئی۔ تاہم اس انقلاب کے بعد بھی بنوامیہ کے حامیوں کے خلاف سخت اقدامات کیے گئے (ابن الاثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، ج5، ص402، دار صادر، بیروت، 1996)۔

4-بنوامیہ کے افراد کا قتل اور مظلومیت: عباسی انقلاب کے بعد بنوامیہ کے بہت سے افراد کو قتل کیا گیا۔ عباسی حکمرانوں نے اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لیے اموی خاندان کے افراد کے خلاف سخت کارروائیاں کیں۔ امام سیوطی لکھتے ہیں: وَقَتَلَ بَنُو الْعَبَّاسِ جَمَاعَةً كَثِيرَةً مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ. ترجمہ: بنی عباس نے بنوامیہ کے بہت سے افراد کو قتل کر دیا۔ **توضیح:** یہ انتقامی کارروائیاں عباسی انقلاب کا ایک دردناک پہلو تھیں۔ ان واقعات میں کئی ایسے افراد بھی مارے گئے جو براہِ راست سیاسی کشمکش میں شامل نہیں تھے۔ اسی لیے اسلامی تاریخ میں اس دور کو خونریز انقلاب کے طور پر بھی یاد کیا جاتا ہے (السیوطی، جلال الدین، تاریخ الخلفاء، ص223، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2004)۔

5-امت کے مختلف طبقات پر سیاسی انقلاب کے اثرات: سنہ 132ھ کے سیاسی انقلاب نے اسلامی دنیا کے مختلف طبقات کو متاثر کیا۔ جنگوں اور سیاسی کشمکش کی

وجہ سے کئی علاقوں میں بدامنی پھیل گئی اور عوام کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں: وَكَانَ فِي هَذِهِ الْأَيَّامِ فِتَنٌ وَقِتَالٌ كَثِيرٌ. ترجمہ: ان دنوں فتنوں اور جنگوں کی کثرت تھی۔ **توضیح:** یہ حالات اس بات کی علامت تھے کہ اسلامی دنیا ایک عظیم سیاسی تبدیلی سے گزر رہی تھی جس کے اثرات معاشرے کے مختلف طبقات پر پڑ رہے تھے (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج10، ص121)۔

خلاصہ و نتائج: سنہ 132ھ اسلامی تاریخ میں ایک عظیم سیاسی انقلاب کا سال ہے۔ اس سال کے اہم نتائج درج ذیل ہیں: 1- جنگِ زاب میں بنو امیہ کو فیصلہ کن شکست ہوئی۔ 2- اموی خلیفہ مروان بن محمد قتل کر دیا گیا۔ 3- بنو امیہ کی تقریباً نوے سالہ خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ 4- ابو العباس السفاح کی قیادت میں خلافتِ عباسیہ قائم ہوئی۔ 5- اس انقلاب کے دوران بنو امیہ کے بہت سے افراد قتل کیے گئے اور کئی طبقات مظلومیت کا شکار ہوئے۔ اسی بنا پر سنہ 132ھ اسلامی تاریخ کا ایک اہم اور فیصلہ کن سال ہے جس نے اسلامی دنیا کے سیاسی نقشے کو مکمل طور پر بدل دیا۔

مصادر و مراجع: 1- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج7، ص350، دار التراث، بیروت، 1967۔ 2- ابن الاثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، ج5، ص402، دار صادر، بیروت، 1965۔ 3- ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، ج10، ص121-120، دار الفکر، بیروت، 1987۔ 4- السیوطی، جلال الدین، تاریخ الخلفاء، ص223، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2004۔

سقوطِ بنوامیہ کے بعد قتل کیے گئے اموی خاندان کے افراد

اسلامی تاریخ میں سنہ 132ھ کا سال ایک عظیم سیاسی انقلاب کا سال ہے۔ اسی سال خلافتِ بنوامیہ کا خاتمہ ہوا اور خلافتِ عباسیہ قائم ہوئی۔ اگرچہ عباسی انقلاب کو بعض طبقات کی حمایت حاصل تھی، لیکن اس انقلاب کے بعد جو سیاسی انتقام اور قتل و غارت ہوئی وہ اسلامی تاریخ کا ایک نہایت دردناک باب ہے۔

عباسی حکمرانوں نے اپنی حکومت کو مضبوط کرنے کے لیے بنوامیہ کے خاندان کے اکثر افراد کو قتل کر دیا۔ اس واقعہ کو مورخین نے ایک منظّم سیاسی انتقام قرار دیا ہے۔ ان واقعات میں نہ صرف حکمران طبقہ بلکہ ایسے افراد بھی قتل کیے گئے جو براہ راست سیاسی کشمکش میں شامل نہیں تھے۔ اسی لیے تاریخِ اسلام میں اس واقعہ کو اموی خاندان کی مظلومیت کے تناظر میں بھی بیان کیا جاتا ہے۔

1-بنوامیہ کے افراد کو دعوت دے کر قتل کرنا: عباسی انقلاب کے بعد عباسی حکمرانوں نے بنوامیہ کے متعدد افراد کو امن کا یقین دلا کر ایک مجلس میں جمع کیا اور پھر انہیں قتل کر دیا۔ امام طبری لکھتے ہیں: فَدَعَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَلِيٍّ جَمَاعَةً مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ فَأَجَابُوهُ، فَلَمَّا اجْتَمَعُوا قَتَلَهُمْ . ترجمہ: عبداللہ بن علی نے بنوامیہ کے کئی افراد کو بلایا، وہ اس کی دعوت پر آ گئے، پھر جب وہ جمع ہو گئے تو انہیں قتل کر دیا گیا۔ **توضیح:** یہ واقعہ عباسی انقلاب کے بعد پیش آنے والے انتقامی اقدامات کی ایک مثال ہے۔

اس میں کئی اموی شہزادے اور خاندان کے افراد مارے گئے۔ مورخین کے مطابق اس طرح کے واقعات عباسی حکومت کے ابتدائی زمانے میں متعدد مقامات پر پیش آئے (الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج7، ص360، دار التراث، بیروت، 1967)۔

2-ابوالعباس السفاح کے حکم سے اموی افراد کا قتل: عباسی خلافت کے پہلے خلیفہ ابوالعباس السفاح نے بنوامیہ کے افراد کے خلاف سخت اقدامات کیے۔ امام ابن الاثیر لکھتے ہیں: وَقَتَلَ أَبُو الْعَبَّاسِ جَمَاعَةً كَثِيرَةً مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ. ترجمہ: ابوالعباس نے بنوامیہ کے بہت سے افراد کو قتل کر دیا۔ **توضیح:** عباسی حکمرانوں کا مقصد یہ تھا کہ بنوامیہ کے کسی فرد کو دوبارہ خلافت کا دعویٰ کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ اسی وجہ سے اموی خاندان کے افراد کو تلاش کر کے قتل کیا گیا (ابن الاثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، ج5، ص406، دار صادر، بیروت، 1965)۔

3-اموی خاندان کی قبروں کی بے حرمتی: عباسی انقلاب کے بعد صرف زندہ افراد ہی نہیں بلکہ بعض اموی خلفاء کی قبروں کو بھی کھود کر ان کی بے حرمتی کی گئی۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں: نَبَشُوا قُبُورَ بَنِي أُمَيَّةَ وَأَخْرَجُوا عِظَامَهُمْ. ترجمہ: انہوں نے بنوامیہ کی قبریں کھود ڈالیں اور ان کی ہڈیاں نکال دیں۔ **توضیح:** یہ واقعہ اس سیاسی انتقام کی شدت کو ظاہر کرتا ہے جو عباسی انقلاب کے بعد پیدا ہوا تھا۔ تاہم بعض خلفاء جیسے عمر بن عبدالعزیز کی قبر کو احترام کی وجہ سے نہیں چھیڑا گیا (ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، ج10، ص123، دار الفکر، بیروت، 1987)۔

4-اموی خاندان کے افراد کا مختلف علاقوں کی طرف فرار: عباسی حکومت کے قیام کے بعد بنوامیہ کے کئی افراد نے جان بچانے کے لیے مختلف علاقوں کی طرف ہجرت کی۔ ان میں سے بعض لوگ اندلس پہنچ گئے جہاں بعد میں اموی حکومت قائم ہوئی۔ امام سیوطی لکھتے ہیں: وَهَرَبَ بَعْضُ بَنِي أُمَيَّةَ إِلَى الْأَنْدَلُسِ . ترجمہ: بنوامیہ کے بعض افراد اندلس کی طرف فرار ہو گئے۔ **توضیح:** انہی افراد میں سے ایک عبدالرحمٰن الداخل تھے جنہوں نے بعد میں اندلس میں اموی حکومت قائم کی اور وہاں ایک نئی سیاسی تاریخ رقم کی (السیوطی، جلال الدین، تاریخ الخلفاء، ص 225، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2004)۔

5-اموی خاندان کی اجتماعی مظلومیت: عباسی انقلاب کے بعد بنوامیہ کے خلاف ہونے والے انتقامی اقدامات نے اموی خاندان کو شدید مصائب سے دوچار کر دیا۔ مورخین کے مطابق اس دوران بہت سے افراد قتل کیے گئے اور کئی خاندان منتشر ہو گئے۔ **توضیح:** یہ واقعات اسلامی تاریخ میں اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ سیاسی انقلاب اکثر خونریزی اور انتقام کا باعث بنتے ہیں۔ اموی خاندان کے ساتھ پیش آنے والے یہ واقعات اسی حقیقت کی ایک مثال ہیں۔

خلاصہ و نتائج: عباسی انقلاب کے بعد بنوامیہ کے خاندان کے ساتھ پیش آنے والے واقعات اسلامی تاریخ کے ایک دردناک باب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان واقعات کے اہم نتائج درج ذیل ہیں: 1-عباسی حکومت نے بنوامیہ کے بہت سے افراد کو قتل کر دیا۔ 2-بعض اموی افراد کو دعوت دے کر اجتماعی طور پر قتل کیا گیا۔

3-بعض اموی خلفاء کی قبروں کی بے حرمتی بھی کی گئی۔4-اموی خاندان کے کئی افراد جان بچانے کے لیے دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت کر گئے۔5-ان واقعات کے نتیجے میں اموی خاندان شدید مظلومیت اور مصائب کا شکار ہوا۔اسی بنا پر سقوطِ بنوامیہ کے بعد پیش آنے والے یہ واقعات اسلامی تاریخ میں ایک نہایت دردناک اور قابلِ عبرت باب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج7، ص360، دار التراث، بیروت، 1967۔ 2-ابن الاثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، ج5، ص406، دار صادر، بیروت، 1965۔ 3-ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، ج10، ص123، دار الفکر، بیروت، 1987۔ 4-السیوطی، جلال الدین، تاریخ الخلفاء، ص225، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2004۔

عباسی انقلاب کے بعد قتل کیے گئے بنوامیہ کے شہزادے

سنہ 132ھ اسلامی تاریخ کا ایک نہایت فیصلہ کن اور ہنگامہ خیز سال ہے۔ اس سال بنوامیہ کی تقریباً نوّے سالہ خلافت کا خاتمہ ہوا اور بنوعباس اقتدار میں آئے۔ عباسی تحریک کا آغاز اگرچہ بنوامیہ کی سیاسی کمزوریوں اور عوامی ناراضی کے نتیجے میں ہوا تھا، لیکن اقتدار حاصل کرنے کے بعد عباسی قیادت نے بنوامیہ کے اکثر افراد کے ساتھ نہایت سخت اور خونریز سلوک کیا۔اس انقلاب کے نتیجے میں صرف اموی خلافت ہی ختم

نہیں ہوئی بلکہ بنوامیہ کے متعدد شہزادے، امراء اور خاندان کے افراد قتل کر دیے گئے۔ ان واقعات نے اسلامی تاریخ میں ایک دردناک باب کا اضافہ کیا، جس میں سیاسی انتقام اور خاندانی تصفیے کی مثالیں نمایاں نظر آتی ہیں۔

1-ابوالعباس سفاح کے دور میں امویوں کا تعاقب: عباسی خلافت کے پہلے خلیفہ ابوالعباس سفاح نے اقتدار سنبھالتے ہی اموی خاندان کے افراد کو ختم کرنے کی پالیسی اختیار کی۔ امام طبری لکھتے ہیں: فَطَلَبَ بَنِي أُمَيَّةَ فَقَتَلَ مِنْهُمْ جَمَاعَةً كَثِيرَةً، وَأَمَرَ بِتَتَبُّعِهِمْ فِي الْبِلَادِ. ترجمہ: اس نے بنوامیہ کو تلاش کیا اور ان میں سے بڑی جماعت کو قتل کر دیا، اور مختلف علاقوں میں ان کی تلاش کا حکم دیا۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسی اقتدار کے قیام کے بعد اموی خاندان کے افراد کی باقاعدہ تلاش اور گرفتاری کی گئی (الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج7، ص425، دار التراث، بیروت، 1967)۔

2-عبداللہ بن علی کے ہاتھوں اموی شہزادوں کا قتل عباسی سپہ سالار عبداللہ بن علی نے شام میں بنوامیہ کے افراد کو قتل کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: وَقَتَلَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَلِيٍّ جَمَاعَةً كَثِيرَةً مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ وَأَهْلِ بَيْتِهِمْ. ترجمہ: عبداللہ بن علی نے بنوامیہ اور ان کے خاندان کے بہت سے افراد کو قتل کر دیا۔ یہ قتل و غارت اس وقت ہوئی جب عباسی لشکر نے شام کے مختلف علاقوں میں اموی اقتدار کو ختم کیا (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج10، ص59، دار الفکر، بیروت، 1986)۔

3-مشہور واقعہ اموی شہزادوں کا اجتماعی قتل: اسلامی تاریخ میں ایک نہایت

دردناک واقعہ وہ ہے جس میں اموی خاندان کے متعدد افراد کو ایک ہی مجلس میں قتل کیا گیا۔ امام مسعودی لکھتے ہیں: جُمِعَ بَنُو أُمَيَّةَ فِي مَجْلِسٍ وَقُتِلُوا جَمِيعًا إِلَّا مَنْ هَرَبَ. ترجمہ: بنو امیہ کے افراد کو ایک مجلس میں جمع کیا گیا اور ان سب کو قتل کر دیا گیا، سوائے ان کے جو بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ واقعہ عباسی حکومت کے ابتدائی ایام میں پیش آیا اور اسے سیاسی انتقام کی ایک نمایاں مثال سمجھا جاتا ہے (المسعودی، مروج الذہب، ج3، ص246، دار الہجرۃ، قم، 1989)۔

4-قتل کیے گئے نمایاں اموی شہزادے: تاریخی کتب میں متعدد اموی شہزادوں کے قتل کا ذکر ملتا ہے، جن میں سے چند اہم نام درج ذیل ہیں: **1-عبداللہ بن ہشام بن عبدالملک:** وہ اموی شاہی خاندان کے معزز افراد میں شمار ہوتے تھے۔ عباسیوں نے اقتدار کے بعد انہیں قتل کر دیا (الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج7، ص426)۔ **2-العباس بن الولید بن عبدالملک:** یہ بھی اموی خاندان کے ایک نمایاں شہزادے تھے جنہیں عباسیوں نے قتل کر دیا (ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج5، ص466، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987)۔ **3-عبدالرحمٰن بن معاویہ (الداخل):** یہ واحد اہم اموی شہزادہ تھے جو عباسیوں کے قتل عام سے بچ نکلے اور بعد میں اندلس میں اموی سلطنت قائم کی۔ ابن خلدون لکھتے ہیں: نَجَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مُعَاوِيَةَ وَخَرَجَ إِلَى الْأَنْدَلُسِ فَأَقَامَ بِهَا دَوْلَةَ بَنِي أُمَيَّةَ. ترجمہ: عبدالرحمٰن بن معاویہ بچ نکلے اور اندلس چلے گئے جہاں انہوں نے بنو امیہ کی نئی حکومت قائم کی (ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ج4، ص120، دار الفکر،

بیروت، 2000)۔

5-قبروں کی بے حرمتی: عباسیوں کی دشمنی صرف زندہ امویوں تک محدود نہ رہی بلکہ بعض روایات کے مطابق انہوں نے اموی خلفاء کی قبروں کو بھی کھدوایا۔ ابن الاثیر لکھتے ہیں: أَمَرَ أَبُو الْعَبَّاسِ بِنَبْشِ قُبُورِ بَنِي أُمَيَّةَ. ترجمہ: ابوالعباس نے بنوامیہ کی قبروں کو کھودنے کا حکم دیا (ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج5، ص467، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987)۔

تاریخی تجزیہ: ان واقعات کے پس منظر میں چند اہم عوامل کارفرما تھے:

1-سیاسی انتقام: عباسیوں کو اندیشہ تھا کہ اموی خاندان دوبارہ اقتدار کی کوشش کرسکتا ہے۔ **2-عوامی جذبات:** بعض علاقوں میں اموی حکومت کے خلاف شدید نفرت موجود تھی۔ **3-اقتدار کے استحکام کی کوشش:** عباسی حکومت نے ممکنہ سیاسی حریفوں کو ختم کرنے کی پالیسی اختیار کی۔ تاہم بہت سے مؤرخین کے نزدیک یہ اقدامات اسلامی عدل وانصاف کے معیار سے ہم آہنگ نہیں تھے اور اس وجہ سے یہ واقعات اسلامی تاریخ کے المناک ابواب میں شمار ہوتے ہیں۔

خلاصہ ونتائج: سنہ 132ھ میں عباسی انقلاب کے نتیجے میں بنوامیہ کی خلافت ختم ہوگئی۔ اس انقلاب کے بعد عباسی حکومت نے بنوامیہ کے بہت سے افراد کو قتل کردیا۔ ان میں متعدد اموی شہزادے اور خاندان کے افراد شامل تھے۔ بعض کو جنگوں میں قتل کیا گیا اور بعض کو گرفتار کر کے قتل کیا گیا۔ صرف چند افراد، خصوصاً عبدالرحمٰن

الداخل، اس قتل عام سے بچ نکلے۔ یہ واقعات اسلامی تاریخ میں ایک دردناک مثال کے طور پر یاد کیے جاتے ہیں، جہاں سیاسی اقتدار کی تبدیلی کے ساتھ خاندانی تصفیہ اور خونریزی بھی وقوع پذیر ہوئی۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الأمم والملوک، ج 7، ص 425-426، دار التراث، بیروت، 1967۔ 2-ابن الأثیر، عز الدین، الکامل فی التاریخ، ج 5، ص 466-467، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987۔ 3-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، ج 10، ص 59، دار الفکر، بیروت، 1986۔ 4-المسعودی، علی بن الحسین، مروج الذہب، ج 3، ص 246، دار الہجرۃ، قم، 1989۔ 5-ابن خلدون، عبد الرحمٰن، تاریخ ابن خلدون، ج 4، ص 120، دار الفکر، بیروت۔

ابو مسلم خراسانی

(عباسی انقلاب کا معمار اور ایک مظلوم انجام کی داستان)

اسلامی تاریخ میں بعض شخصیات ایسی ہیں جنہوں نے تاریخ کے دھارے کو موڑ دینے میں غیر معمولی کردار ادا کیا، مگر انجام کار وہی شخص خود سیاسی سازشوں اور اقتدار کی کشمکش کا شکار ہو کر مظلومانہ انجام سے دوچار ہوا۔ ابو مسلم خراسانی انہی شخصیتوں میں سے ایک ہے۔ وہ عباسی انقلاب کا سب سے مؤثر رہنما اور سپہ سالار تھا جس نے خراسان میں ایک عظیم تحریک برپا کر کے بنو امیہ کی خلافت کے خاتمے اور عباسی اقتدار

کے قیام کے لیے زمین ہموار کی۔لیکن جب عباسی حکومت مستحکم ہوگئی تو وہی حکومت اس کی طاقت سے خائف ہوکر اس کے قتل کا سبب بنی۔اس طرح ابومسلم خراسانی کی زندگی اسلامی تاریخ میں سیاسی تدبر، عسکری مہارت اور مظلومانہ انجام کا ایک اہم باب بن کر سامنے آتی ہے۔

نام ونسب اور ابتدائی حالات: ابومسلم کا اصل نام عبدالرحمٰن بن مسلم بتایا جاتا ہے۔بعض روایات میں اس کا نام ابراہیم بن عثمان یا ابراہیم بن مسلم بھی ذکر کیا گیا ہے، مگر زیادہ تر مؤرخین نے عبدالرحمٰن بن مسلم کو راجح قرار دیا ہے۔امام ذہبی لکھتے ہیں:

أبـو مسلم الخراسانی، و اسمه عبد الرحمن بن مسلم، مولی بنی العباس.

ترجمہ: ابومسلم خراسانی کا نام عبدالرحمٰن بن مسلم تھا اور وہ بنوعباس کا موالی (آزاد کردہ غلام یا حلیف) تھا (الذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج6، ص49، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985)۔اس کی پیدائش کے بارے میں اختلاف ہے، لیکن اکثر مؤرخین کے نزدیک وہ تقریباً 100ھ کے قریب پیدا ہوا۔اس کا تعلق خراسان کے علاقے سے تھا اور اسی وجہ سے وہ خراسانی کہلایا۔

عباسی تحریک سے وابستگی: عباسی دعوت دراصل بنوامیہ کے خلاف ایک خفیہ تحریک تھی جو خراسان میں منظّم کی گئی۔اس تحریک کے قائد ابراہیم امام تھے جو عباسی خاندان کے سربراہ تھے۔امام طبری لکھتے ہیں: **فـوجّـه إبـراهيـم الإمام أبا مسلم إلـى خـراسان داعيةً لبنی العباس** . ترجمہ: ابراہیم امام نے ابومسلم کو بنوعباس کی

دعوت کے لیے خراسان کی طرف روانہ کیا (الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج7،ص 353، دار التراث، بیروت، 1967)۔ابومسلم نے خراسان پہنچ کر بڑی حکمت اور تنظیم کے ساتھ عباسی تحریک کو پھیلایا۔ اس نے مقامی قبائل اور مختلف گروہوں کو اپنے ساتھ ملا کر ایک مضبوط سیاسی وعسکری قوت تیار کر لی۔

عباسی انقلاب میں کردار: ابومسلم خراسانی عباسی انقلاب کا سب سے اہم رہنما تھا۔ اس نے خراسان میں بنو امیہ کے گورنروں کے خلاف بغاوت منظّم کی اور عباسی پرچم بلند کیا۔ابن کثیر لکھتے ہیں: **وکان أبو مسلم صاحب الدعوة بخراسان، وبسيفه قامت دولة بني العباس.** ترجمہ: خراسان میں عباسی دعوت کا اصل ذمہ دار ابومسلم تھا اور اسی کی تلوار کے ذریعے بنوعباس کی حکومت قائم ہوئی (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج10،ص 47، دار الفکر، بیروت، 1986)۔اس کی قیادت میں عباسی لشکر نے کئی اہم فتوحات حاصل کیں اور آخرکار 132ھ میں جنگِ زاب میں اموی خلافت کو شکست ہوئی، جس کے نتیجے میں عباسی خلافت قائم ہوگئی۔

سیاسی اثر ورسوخ: عباسی حکومت قائم ہونے کے بعد ابومسلم خراسانی خراسان کا گورنر بن گیا۔اس کا اثر ورسوخ اتنا بڑھ گیا کہ وہ عباسی خلافت کے سب سے طاقتور افراد میں شمار ہونے لگا۔امام مسعودی لکھتے ہیں: **وکان أبو مسلم عظيم القدر في دولة بني العباس.** ترجمہ: عباسی حکومت میں ابومسلم بڑی عظمت اور بلند مقام کا حامل تھا (المسعودی، مروج الذہب، ج3،ص 268، دار الہجرۃ، قم، 1989)۔خراسان میں اس کی مقبولیت

اور طاقت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ عباسی خلفاء کو اس سے خطرہ محسوس ہونے لگا۔

منصور عباسی کا خوف اور سازش: جب ابو جعفر منصور عباسی خلافت کا خلیفہ بنا تو اسے ابو مسلم کی بڑھتی ہوئی طاقت سے شدید تشویش ہوئی۔ ابن اثیر لکھتے ہیں: **خاف المنصور من أبی مسلم لما رأی من قوته و کثرة أتباعه** . ترجمہ: منصور کو ابو مسلم سے اس کی طاقت اور کثرتِ پیروکار کی وجہ سے خوف پیدا ہو گیا (ابن الأثیر، الکامل فی التاریخ، ج 5، ص 486، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987)۔ اسی خوف کے نتیجے میں منصور نے ابو مسلم کو دربار میں بلایا اور ایک خفیہ منصوبے کے تحت اس کے قتل کا فیصلہ کیا۔

ابو مسلم خراسانی کا قتل: سنہ 137ھ میں منصور عباسی نے ابو مسلم کو بغداد کے قریب اپنے دربار میں بلایا۔ جب وہ دربار میں حاضر ہوا تو منصور کے حکم پر محافظوں نے اسے قتل کر دیا۔ امام طبری لکھتے ہیں: **فأمر المنصور بقتله فقتل سنة سبع وثلاثین ومائة** . ترجمہ: پھر منصور نے اس کے قتل کا حکم دیا اور 137ھ میں اسے قتل کر دیا گیا (الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج 7، ص 497، دار التراث، بیروت، 1967)۔ اس وقت ابو مسلم کی عمر تقریباً 37 سال تھی۔

تاریخی تجزیہ: مورخین کے نزدیک ابو مسلم خراسانی کی شخصیت میں کئی پہلو نمایاں تھے: 1- غیر معمولی سیاسی بصیرت۔ 2- عسکری قیادت اور تنظیمی صلاحیت۔ 3- عباسی انقلاب کا بنیادی معمار ہونا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی بڑھتی ہوئی طاقت عباسی خلفاء کے لیے خطرہ بن گئی، جس کے نتیجے میں وہ خود اسی حکومت کے

ہاتھوں قتل ہوگیا جس کے قیام میں اس کا سب سے بڑا کردار تھا۔

خلاصہ ونتائج: ابومسلم خراسانی اسلامی تاریخ کی ایک نہایت اہم اور اثر انگیز شخصیت ہے۔ اس نے عباسی تحریک کو منظّم کر کے بنوامیہ کی خلافت کے خاتمے اور عباسی اقتدار کے قیام میں بنیادی کردار ادا کیا. لیکن سیاسی طاقت کے توازن نے جلد ہی اسے خود عباسی خلافت کے لیے خطرہ بنا دیا، اور آخر کار خلیفہ منصور نے اسے قتل کروادیا۔ اس طرح ابومسلم خراسانی کی زندگی ایک ایسے شخص کی داستان بن گئی جس نے ایک عظیم سلطنت کے قیام میں بنیادی کردار ادا کیا مگر انجام کار اسی سلطنت کی سیاست کا شکار ہو کر مظلومانہ طور پر قتل کر دیا گیا۔

مصادر ومراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الأمم والملوک، ج 7، ص 353، 497، دار التراث، بیروت، 1967۔ 2-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، ج 10، ص 47، دار الفکر، بیروت، 1986۔ 3-ابن الأثیر، عز الدین، الکامل فی التاریخ، ج 5، ص 486، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987۔ 4-المسعودی، علی بن الحسین، مروج الذہب، ج 3، ص 268، دار الہجرۃ، قم، 1989۔ 5-الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، ج 6، ص 49، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت۔

ابوالعباس السفاح

(خلافتِ عباسیہ کے پہلے خلیفہ کا نسب اور تعارف)

اسلامی تاریخ میں سنہ 132ھ ایک عظیم سیاسی انقلاب کا سال ہے۔ اس

سال بنوامیہ کی تقریباً نوے سالہ خلافت کا خاتمہ ہوا اور بنوعباس کے ہاتھوں خلافتِ عباسیہ کا آغاز ہوا۔ اس نئی خلافت کے پہلے خلیفہ ابوالعباس السفاح تھے جنہوں نے عباسی اقتدار کی بنیاد رکھی۔ ان کا تعلق اہلِ بیت کے خاندان بنو ہاشم سے تھا اور ان کا نسب رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ سے جا ملتا ہے۔ اسی نسبت سے ان کی حکومت کو خلافتِ عباسیہ کہا جاتا ہے۔

ابوالعباس السفاح کا مکمل نسب: مورخین نے ابوالعباس کا نسب اس طرح ذکر کیا ہے: عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم۔ یعنی: ابوالعباس السفاح، عبداللہ بن محمد، بن علی، بن عبداللہ، بن عباس، بن عبدالمطلب، بن ہاشم۔ اس طرح وہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی نسل سے تھے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں:

عبد الله بن محمد بن علی بن عبد الله بن عباس بن عبد المطلب الهاشمی، أول خلفاء بنی العباس. ترجمہ: عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب الہاشمی بنوعباس کے پہلے خلیفہ تھے (الذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج6، ص77، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985)۔

کیا عباس سے مراد حضور ﷺ کے چچا ہیں؟ جی ہاں، یہاں عباس سے مراد حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ حضرت عباسؓ رسول اللہ ﷺ کے حقیقی چچا تھے اور ان کی اولاد کو بنوعباس کہا جاتا ہے۔ عباسی خلفاء اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: **وهم بنو العباس بن عبد المطلب عم رسول**

اللہ ﷺ. ترجمہ: یہ لوگ حضرت عباس بن عبدالمطلب کی اولاد ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج10، ص30، دارالفکر، بیروت، 1986)۔

ابوالعباس السفاح کا تعارف: ابوالعباس السفاح کا اصل نام عبداللہ تھا اور ان کی کنیت ابوالعباس تھی۔ ان کی پیدائش تقریباً 104ھ میں ہوئی۔ وہ عباسی تحریک کے قائد ابراہیم امام کے بھائی تھے۔ امام طبری لکھتے ہیں: **وكان عبد الله بن محمد الملقب بالسفاح أول خلفاء بنى العباس.** ترجمہ: عبداللہ بن محمد جنہیں السفاح کہا جاتا ہے، بنوعباس کے پہلے خلیفہ تھے (الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج 7، ص426، دارالتراث، بیروت، 1967)۔

لقب السفاح کی وجہ: السفاح کے معنی ہیں کثرت سے خون بہانے والا۔ بعض مؤرخین کے مطابق یہ لقب اس وجہ سے مشہور ہوا کہ عباسی انقلاب کے دوران بنوامیہ کے خلاف سخت کارروائیاں کی گئیں۔ البتہ بعض مورخین کے نزدیک اس لقب کا مطلب فیاض اور کثرت سے عطا کرنے والا بھی لیا گیا ہے، لیکن تاریخی استعمال میں پہلا مفہوم زیادہ مشہور ہے۔

ابوالعباس السفاح کی خلافت کیسے قائم ہوئی؟ یہ سوال اہم ہے کہ کیا ان کی خلافت شوریٰ سے طے ہوئی تھی یا انقلاب کے ذریعے قائم ہوئی؟ حقیقت یہ ہے کہ عباسی خلافت سیاسی انقلاب کے نتیجے میں قائم ہوئی۔ جب عباسی لشکر نے بنوامیہ کو شکست دی تو 132ھ میں کوفہ میں ابوالعباس کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔ امام طبری لکھتے

ہیں:**فبایع الناس أبا العباس بالکوفة سنة اثنتین و ثلاثین و مائة** . ترجمہ:لوگوں نے سنہ 132ھ میں کوفہ میں ابوالعباس کے ہاتھ پر بیعت کی (الطبری،تاریخ الأمم والملوک، ج7،ص427)۔لہٰذا یہ کہنا درست ہوگا کہ: خلافت انقلاب کے نتیجے میں قائم ہوئی بعد میں عوام اور لشکر نے بیعت کی اسے باقاعدہ شورائی انتخاب نہیں کہا جاسکتا۔

ابوالعباس السفاح کی خلافت کی مدت: ابوالعباس السفاح کی خلافت 132ھ سے 136ھ تک رہی۔یعنی تقریباً چار سال۔ابن اثیر لکھتے ہیں: **کانت خلافته أربع سنین** . ترجمہ:ان کی خلافت چار سال رہی (ابن الأثیر،الکامل فی التاریخ،ج5،ص474،دار الکتب العلمیة، بیروت، 1987)۔ **وفات:** ابو العباس السفاح کی وفات 136ھ میں ہوئی۔امام ابن کثیر لکھتے ہیں:**توفی السفاح سنة ست و ثلاثین و مائة بالأنبار.** ترجمہ: السفاح کی وفات 136ھ میں انبار میں ہوئی (ابن کثیر،البدایة والنہایة، ج10،ص63)۔وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً 32یا 33سال تھی۔

خلافت کے اہم کارنامے: ان کے مختصر دورِ خلافت میں چند اہم امور انجام پائے:1-عباسی خلافت کی بنیاد کو مضبوط کرنا،2-بنوامیہ کی باقی مزاحمت کو ختم کرنا، 3-خراسانی لشکر کو مرکزی حکومت سے وابستہ کرنا،4-عباسی حکومت کا انتظامی ڈھانچہ قائم کرنا۔

خلاصہ: ابوالعباس السفاح خلافتِ عباسیہ کے پہلے خلیفہ تھے۔ان کا نسب حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے چچا

تھے۔ان کی خلافت 132ھ میں کوفہ میں بیعت کے ذریعے قائم ہوئی اور تقریباً چار سال (132136ھ) تک جاری رہی۔اگرچہ یہ خلافت شورائی انتخاب کے بجائے سیاسی انقلاب کے نتیجے میں قائم ہوئی،لیکن اس نے اسلامی تاریخ میں ایک نئی سلطنت کی بنیاد رکھی جو تقریباً پانچ صدیوں تک قائم رہی۔

مصادر ومراجع:1-الطبری،محمد بن جریر،تاریخ الأمم والملوک،ج7،ص 426-427،دار التراث،بیروت،1967۔2-ابن کثیر،إسماعیل بن عمر،البدایۃ والنہایۃ،ج10،ص30،63،دار الفکر،بیروت،1986۔3-ابن الأثیر،عزالدین، الکامل فی التاریخ،ج5،ص474،دار الکتب العلمیۃ،بیروت،1987۔4-الذہبی، شمس الدین،سیر أعلام النبلاء،ج6،ص77،مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت۔

سنہ 133ھ کے الم ناک واقعات

(سقوطِ اموی سلطنت کے بعد اہلِ بیتِ امویہ پر مظالم)

اسلامی تاریخ میں بعض ادوار ایسے گزرے ہیں جن میں اقتدار کی تبدیلی نے نہ صرف سیاسی نظام کو متاثر کیا بلکہ انسانی المیوں اور مظالم کی ایک طویل داستان بھی رقم کی۔سنہ 132ھ/ 750ء میں بنو امیہ کی عظیم الشان خلافت کا خاتمہ ہوا اور بنو عباس اقتدار پر قابض ہوئے۔اس سیاسی انقلاب کے بعد جو واقعات رونما ہوئے ان میں سے بعض ایسے تھے جن میں شکست خوردہ خاندان کے افراد کو شدید مظالم اور تعاقب کا

سامنا کرنا پڑا۔ سنہ 133ھ اس لحاظ سے نہایت اہم ہے کہ اس سال عباسی اقتدار کو مستحکم کرنے کے لیے بنوامیہ کے افراد کا وسیع پیمانے پر تعاقب کیا گیا۔ اس دور میں کئی شخصیات ایسی تھیں جو سیاسی کشمکش کا شکار ہو کر تاریخ میں مظلوم کرداروں کے طور پر یاد کی جاتی ہیں۔

1-بنوامیہ کے شہزادوں کا قتلِ عام: (واقعۂ نہرِ ابی فطرس): عباسی انقلاب کے بعد سب سے دردناک واقعات میں سے ایک وہ تھا جسے تاریخ میں واقعۂ نہرِ ابی فطرس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ عباسی سردار عبداللہ بن علی نے بنوامیہ کے افراد کو امان اور صلح کا پیغام بھیجا اور انہیں ایک دعوت میں جمع کیا۔ جب بڑی تعداد میں اموی شہزادے اور امراء جمع ہو گئے تو اچانک ان پر حملہ کر دیا گیا۔

مشہور مؤرخ ابن اثیر اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **جمع عبد الله بن علی جماعة من بنی أمية بالأمان، فلما اجتمعوا أمر بقتلهم فقتل منهم خلق كثير** . ترجمہ: عبداللہ بن علی نے بنوامیہ کے کئی افراد کو امان کے وعدے کے ساتھ جمع کیا، پھر جب وہ جمع ہو گئے تو ان کے قتل کا حکم دے دیا اور ان میں سے بڑی تعداد قتل کر دی گئی۔ یہ واقعہ دراصل عباسی اقتدار کو مضبوط بنانے کی ایک سخت سیاسی حکمت عملی تھی، مگر انسانی نقطۂ نظر سے یہ ایک نہایت الم ناک سانحہ تھا جس میں بنوامیہ کے متعدد افراد قتل کر دیے گئے۔ بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ قتل کے بعد مقتولین کی لاشوں کو ایک ہی جگہ دفن کیا گیا اور اس واقعہ نے اموی خاندان کی بقیہ

طاقت کو بالکل ختم کر دیا۔

2-بنوامیہ کا تعاقب اور قتل کی مہم: عباسی خلافت کے قیام کے بعد حکومت نے بنوامیہ کے باقی ماندہ افراد کو تلاش کرنے کی ایک وسیع مہم شروع کی۔ مؤرخین کے مطابق عباسی حکمرانوں کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر اموی شہزادے زندہ رہے تو وہ کسی وقت دوبارہ اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ بہت سے اموی شہزادوں کو قتل کر دیا گیا، بعض قید کر دیے گئے اور کچھ لوگ جان بچا کر مختلف علاقوں کی طرف فرار ہو گئے۔ مشہور مؤرخ ابن کثیر اس صورتحال کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **تتبع بنو العباس بنی أمية فقتلوا منهم جماعة كثيرة ولم ينج إلا القليل.** ترجمہ: بنوعباس نے بنوامیہ کے افراد کا تعاقب کیا اور ان میں سے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا، اور ان میں سے بہت ہی کم لوگ جان بچا سکے۔ یہی وہ حالات تھے جن کے نتیجے میں اموی خاندان کے ایک نوجوان عبدالرحمٰن بن معاویہ نے جان بچا کر اندلس کا رخ کیا اور بعد میں وہاں اموی حکومت قائم کی۔

3-1 اموی خاندان کی جلاوطنی اور فرار: عباسیوں کے اقتدار کے بعد اموی خاندان کے جو افراد زندہ بچ گئے تھے انہیں اپنے علاقوں کو چھوڑ کر مختلف ممالک کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ ان میں سب سے مشہور شخصیت عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام تھے جو بعد میں تاریخ میں عبدالرحمٰن الداخل کے نام سے معروف ہوئے۔ وہ عباسی تعاقب سے بچ کر شمالی افریقہ پہنچے اور پھر اندلس میں ایک نئی اموی حکومت کی بنیاد

رکھی۔اس واقعہ کو اسلامی تاریخ میں سیاسی استقامت اور بقا کی ایک غیر معمولی مثال سمجھا جاتا ہے۔مؤرخین لکھتے ہیں کہ اگرچہ اموی سلطنت مشرق میں ختم ہوگئی تھی لیکن اندلس میں اس کا چراغ مزید تین صدیوں تک روشن رہا۔

4-سیاسی انتقام اور تاریخ کا ایک تلخ باب: سنہ 133ھ کے واقعات اس حقیقت کی یاد دہانی کراتے ہیں کہ اقتدار کی تبدیلی کبھی کبھی انتہائی سخت اور خونریز صورت اختیار کر لیتی ہے۔عباسی انقلاب بلاشبہ اسلامی تاریخ کا ایک بڑا سیاسی واقعہ تھا، مگر اس کے بعد جو انتقامی اقدامات کیے گئے انہوں نے تاریخ میں کئی مظلوم کردار بھی پیدا کیے۔یہ واقعات ہمیں یہ بھی بتاتے ہیں کہ سیاسی کشمکش کے نتیجے میں پورے خاندان اور قبیلے کس طرح مصائب کا شکار ہو جاتے ہیں۔

خلاصہ ونتائج: 1-سنہ 133ھ عباسی اقتدار کے استحکام کا ابتدائی دور تھا۔ 2-اس سال بنوامیہ کے افراد کے خلاف سخت اقدامات کیے گئے۔3-واقعۂ نہرِ ابی فطرس اس زمانے کا سب سے دردناک واقعہ تھا جس میں اموی شہزادوں کا قتل کیا گیا۔4-عباسی حکومت نے بنوامیہ کے باقی افراد کا تعاقب کیا جس کے نتیجے میں بہت سے لوگ قتل ہوئے یا جلاوطن ہو گئے۔5-چند افراد جان بچا کر دوسرے علاقوں میں چلے گئے جن میں عبدالرحمٰن الداخل نمایاں ہیں، جنہوں نے اندلس میں اموی حکومت قائم کی۔ان واقعات کی روشنی میں سنہ 133ھ اسلامی تاریخ کا ایک ایسا باب ہے جس میں سیاسی انقلاب کے ساتھ ساتھ مظلومیت اور انسانی المیے کی جھلک بھی

نمایاں نظر آتی ہے۔

مصادر و مراجع:1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، دار التراث، بیروت، 1967، ج7، ص350-360۔2-ابن الأثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987، ج5، ص425۔۔3-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، دار الفکر، بیروت، 1986، ج10، ص80-85۔۔4-الیعقوبی، أحمد بن أبی یعقوب، تاریخ الیعقوبی، دار صادر، بیروت، 1960، ج2، ص350۔5-ابن عذاری المراکشی، البیان المغرب فی أخبار الأندلس والمغرب، دار الثقافۃ، بیروت، 1983، ج2، ص10۔

سنہ 134ھ کے الم ناک تاریخی واقعات

(عباسی اقتدار کے استحکام کے دوران اہلِ بیتِ امویہ اور دیگر شخصیات کی مظلومیت)

اسلامی تاریخ کے عباسی انقلاب کے ابتدائی سال نہایت پرآشوب اور ہنگامہ خیز تھے۔سنہ 132ھ میں بنوامیہ کی طویل خلافت کا خاتمہ ہوا اور بنوعباس اقتدار میں آئے۔اس سیاسی انقلاب کے بعد کے چند سالوں میں عباسی حکومت کو اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لیے متعدد سیاسی اور عسکری اقدامات کرنے پڑے۔

سنہ 134ھ اسی کشمکش کا ایک اہم سال تھا۔اس سال ایک طرف عباسی حکومت نے اپنی طاقت کو مضبوط کرنے کی کوشش کی، دوسری طرف بنوامیہ اور ان کے

حامیوں کے خلاف سخت اقدامات کیے گئے۔اس دور میں کئی افراد ایسے تھے جو سیاسی انتقام، تعاقب اور ظلم کا نشانہ بنے اور اسلامی تاریخ میں مظلوم کرداروں کے طور پر یاد کیے جاتے ہیں۔

1-اموی خاندان کے افراد کا مسلسل تعاقب: عباسی خلافت کے قیام کے بعد بنو امیہ کے افراد کو حکومت کے لیے ممکنہ خطرہ سمجھا جاتا تھا۔اسی وجہ سے عباسی حکمرانوں نے ان کے تعاقب اور گرفتاری کی مہم جاری رکھی۔مشہور مؤرخ امام طبری اس صورتحال کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:**وأخذ بنو العباس يتتبعون بنى أمية فى البلاد، فقتلوا منهم جماعة كثيرة، وهرب من استطاع منهم**. ترجمہ: بنوعباس نے مختلف علاقوں میں بنو امیہ کے افراد کا تعاقب شروع کیا، چنانچہ ان میں سے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا گیا جبکہ بعض لوگ جان بچا کر فرار ہو گئے۔یہ صورتحال دراصل ایک سیاسی حکمت عملی تھی جس کا مقصد اموی خاندان کی باقی ماندہ قوت کو ختم کرنا تھا،مگر اس کے نتیجے میں متعدد افراد شدید مظالم کا شکار ہوئے۔

2-شام اور جزیرہ میں اموی حامیوں کی سرکوبی: سنہ 134ھ میں عباسی حکومت کو شام اور جزیرہ کے علاقوں میں اموی حامیوں کی جانب سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔عباسی افواج نے ان علاقوں میں سخت فوجی کارروائیاں کیں۔مؤرخ ابن اثیر اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:**خرج جماعة من أهل الشام يطلبون بقايا دولة بنى أمية، فبعث إليهم أبو العباس جيشاً فقاتلوهم وقتل منهم**

خلق كثير. ترجمہ: اہلِ شام میں سے ایک جماعت نے بنوامیہ کی باقی ماندہ حکومت کو بحال کرنے کی کوشش کی، تو ابو العباس نے ان کے مقابلے کے لیے ایک لشکر بھیجا۔ جنگ ہوئی اور ان میں سے بڑی تعداد قتل کر دی گئی۔ یہ واقعات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ عباسی اقتدار کے ابتدائی سال سیاسی اضطراب اور خونریز تصادم سے بھرپور تھے۔

3-اموی خاندان کے افراد کی جلاوطنی: عباسی حکومت کے سخت اقدامات کے نتیجے میں اموی خاندان کے بہت سے افراد کو اپنے آبائی علاقوں سے ہجرت کرنا پڑی۔ بعض نے شمالی افریقہ کا رخ کیا اور بعض دوسرے علاقوں میں پناہ گزین ہو گئے۔ مؤرخ ابن کثیر اس صورتحال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: تفرق بنو أمية في البلاد بعد زوال دولتهم، فذهب بعضهم إلى المغرب، وفر بعضهم إلى الأندلس. ترجمہ: اپنی حکومت کے خاتمے کے بعد بنوامیہ مختلف علاقوں میں منتشر ہو گئے۔ ان میں سے بعض مغرب (شمالی افریقہ) کی طرف چلے گئے اور بعض اندلس کی طرف فرار ہو گئے۔ یہ جلاوطنی دراصل ایک سیاسی المیہ تھا جس نے ایک عظیم حکمران خاندان کو دنیا کے مختلف حصوں میں منتشر کر دیا۔

4-عبد الرحمٰن الداخل کی جان بچانے کی جدوجہد: اسی دور میں اموی خاندان کے ایک نوجوان عبدالرحمٰن بن معاویہ کو بھی عباسی تعاقب کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ مسلسل خطرات کے درمیان اپنی جان بچاتے ہوئے شام سے شمالی افریقہ کی طرف

روانہ ہوئے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ ان کے بھائی کو عباسی سپاہیوں نے قتل کر دیا جبکہ وہ بڑی مشکل سے دریائے فرات کو عبور کر کے فرار ہونے میں کامیاب ہوئے۔ بعد میں یہی شخص اندلس پہنچ کر اموی حکومت اندلس کا بانی بنا اور تاریخ میں عبد الرحمٰن الداخل کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ واقعہ سیاسی مظلومیت کے ساتھ ساتھ استقامت اور عزم کی ایک غیر معمولی مثال بھی ہے۔

5-عباسی اقتدار اور سیاسی انتقام: سنہ 134ھ کے واقعات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ عباسی انقلاب کے ابتدائی سال صرف سیاسی تبدیلی کا نام نہیں تھے بلکہ ان میں شدید سیاسی کشمکش بھی شامل تھی۔ اقتدار کے استحکام کے لیے عباسی حکومت نے ایسے اقدامات کیے جن کے نتیجے میں اموی خاندان اور ان کے حامیوں کو سخت مصائب اور مظالم کا سامنا کرنا پڑا۔ اسلامی تاریخ کے یہ واقعات ہمیں اس بات کی یاددہانی کراتے ہیں کہ اقتدار کی جدوجہد میں اکثر بے شمار افراد تاریخ کے مظلوم کردار بن جاتے ہیں۔

خلاصہ و نتائج: 1-سنہ 134ھ عباسی خلافت کے استحکام کا ابتدائی دور تھا۔ 2-اس سال بنو امیہ کے افراد کے خلاف تعاقب اور سرکوبی کی مہم جاری رہی۔ 3-شام اور جزیرہ کے علاقوں میں اموی حامیوں کی مزاحمت کو فوجی طاقت سے کچل دیا گیا۔ 4-اموی خاندان کے بہت سے افراد قتل یا جلاوطن ہو گئے۔ 5-چند افراد جان بچا کر دوسرے علاقوں میں چلے گئے جن میں عبد الرحمٰن الداخل نمایاں ہیں۔ یہ واقعات اسلامی تاریخ کے اس پہلو کو واضح کرتے ہیں کہ سیاسی انقلاب کے بعد اکثر ایسے

سانحات رونما ہوتے ہیں جو مظلومیت اور انسانی المیے کی داستان بن جاتے ہیں۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، دار التراث، بیروت، 1967، ج7، ص381-390۔2-ابن الأثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987، ج5، ص430-435۔3-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، دار الفکر، بیروت، 1986، ج10، ص92-95۔ 4-الذہبی، شمس الدین، تاریخ الإسلام ووفیات المشاہیر والأعلام، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993، ج9، ص45۔۔5-ابن عذاری المراکشی، البیان المغرب فی أخبار الأندلس والمغرب، دار الثقافۃ، بیروت، 1983، ج2، ص1518۔

سنہ 135ھ کے اہم اور المناک واقعات

عباسی اقتدار کے ابتدائی دور میں مظلوم شخصیات اور سیاسی اضطراب

اسلامی تاریخ کا دوسرا صدی ہجری کا وسط ایک نہایت ہنگامہ خیز اور پرآشوب دور تھا۔ بنوامیہ کی صدیوں پر محیط خلافت کے خاتمے کے بعد جب عباسی خلافت قائم ہوئی تو اسلامی دنیا میں ایک عظیم سیاسی انقلاب برپا ہوا۔ یہ انقلاب اگرچہ سیاسی اعتبار سے ایک نئے عہد کا آغاز تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی متعدد انسانی المیے اور مظالم بھی رونما ہوئے جنہوں نے تاریخ میں گہرے نقوش چھوڑے۔ سنہ 135ھ اسی کشمکش کا ایک اہم مرحلہ ہے۔ اس سال عباسی خلافت کے دوسرے خلیفہ ابوجعفر المنصور کے اقتدار کے

ابتدائی اقدامات سامنے آئے۔ عباسی حکومت نے اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے لیے مختلف سیاسی مخالفین، اموی خاندان کے باقی افراد اور بعض مقامی تحریکوں کے خلاف سخت کارروائیاں کیں۔ ان واقعات کے نتیجے میں کئی افراد تاریخ میں مظلوم کرداروں کے طور پر سامنے آتے ہیں۔

1-عباسی اقتدار کے استحکام کی مہم اور مخالفین کی سرکوبی: سنہ 135ھ میں عباسی حکومت نے اپنے اقتدار کو مضبوط بنانے کے لیے مختلف علاقوں میں مخالف تحریکوں کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ عباسی خلافت کے قیام کے بعد کئی قبائل اور گروہ ایسے تھے جو یا تو اموی خلافت کے حامی تھے یا عباسی اقتدار کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ مشہور مؤرخ امام طبری اس زمانے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **فلما استقرت الخلافة لأبی جعفر المنصور أخذ فی تثبیت الملک وقمع من خالفه** . ترجمہ: جب ابو جعفر المنصور کے لیے خلافت مستحکم ہوگئی تو انہوں نے اپنی حکومت کو مضبوط کرنے اور مخالفین کو دبانے کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ اقدامات اگرچہ سیاسی استحکام کے لیے کیے گئے تھے، مگر ان کے نتیجے میں بہت سے افراد قید و بند، قتل اور جلاوطنی کا شکار ہوئے (الطبری، تاریخ الرسل والملوک، دار التراث، بیروت، 1967، ج7، ص450)۔

2-اموی خاندان کے باقی افراد کی مظلومیت: عباسی انقلاب کے بعد بھی اموی خاندان کے بعض افراد مختلف علاقوں میں موجود تھے۔ عباسی حکومت کو یہ اندیشہ تھا کہ یہ لوگ کسی وقت دوبارہ اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں، اس لیے ان کا

تعاقب جاری رکھا گیا۔ مؤرخ ابن اثیر لکھتے ہیں: **وكان بنو العباس يتتبعون بقايا بنى أمية فى البلاد خوفاً من اجتماعهم** . ترجمہ: بنوعباس مختلف علاقوں میں بنو امیہ کے باقی افراد کا تعاقب کرتے تھے کیونکہ انہیں اس بات کا خوف تھا کہ کہیں وہ دوبارہ متحد نہ ہو جائیں۔ اس تعاقب کے نتیجے میں بہت سے اموی افراد کو یا تو قتل کر دیا گیا یا انہیں اپنی جان بچانے کے لیے دور دراز علاقوں میں پناہ لینا پڑی (ابن الأثیر، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987، ج5، ص452)۔

3-شام اور جزیرہ کے علاقوں میں شورش اور اس کی سرکوبی: سنہ 135ھ میں شام اور جزیرہ کے علاقوں میں عباسی اقتدار کے خلاف بعض مقامی تحریکیں بھی سامنے آئیں۔ ان تحریکوں میں بعض افراد اموی خلافت کی بحالی کے خواہاں تھے۔ مؤرخ ابن کثیر لکھتے ہیں: **وقعت فى تلك السنة اضطرابات فى بعض نواحى الشام فبعث المنصور إليهم الجيوش فسكنت الفتنة** . ترجمہ: اس سال شام کے بعض علاقوں میں اضطرابات پیدا ہوئے، چنانچہ منصور نے ان کی طرف لشکر روانہ کیے اور اس طرح یہ فتنہ ختم کر دیا گیا۔ اگرچہ ان کارروائیوں کا مقصد امن قائم کرنا تھا، مگر ان کے نتیجے میں بہت سے لوگ قتل ہوئے اور کئی خاندان مصائب کا شکار ہو گئے (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، دار الفکر، بیروت، 1986، ج10، ص110)۔

4-اموی خاندان کی مسلسل جلاوطنی: عباسی اقتدار کے استحکام کے بعد اموی خاندان کے اکثر افراد اسلامی دنیا کے مختلف حصوں میں منتشر ہو گئے۔ کچھ افراد

شمالی افریقہ چلے گئے اور بعض اندلس پہنچ گئے۔ مشہور مؤرخ امام ذہبی اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **تفرق بنو أمية بعد زوال ملكهم في الأقطار، فمنهم من قصد المغرب ومنهم من لحق بالأندلس.** ترجمہ: اپنی حکومت کے خاتمے کے بعد بنو امیہ مختلف علاقوں میں منتشر ہو گئے۔ ان میں سے بعض مغرب (شمالی افریقہ) کی طرف چلے گئے اور بعض اندلس پہنچ گئے۔ یہ جلاوطنی دراصل ایک عظیم سیاسی خاندان کے زوال کی دردناک داستان تھی (الذہبی، تاریخ الإسلام، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993، ج9، ص86)۔

5-تاریخ کا ایک عبرت آموز باب: سنہ 135ھ کے واقعات اس حقیقت کی یاددہانی کراتے ہیں کہ سیاسی انقلاب صرف اقتدار کی تبدیلی کا نام نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ انسانی المیوں کی ایک طویل داستان بھی جڑی ہوتی ہے۔ عباسی خلافت کے قیام نے اسلامی دنیا میں ایک نئے عہد کا آغاز کیا، مگر اس کے ساتھ ساتھ متعدد افراد کو سخت مصائب اور مظالم کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ اسلامی تاریخ کے یہ واقعات ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ اقتدار کی کشمکش میں اکثر بے شمار افراد مظلومیت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

خلاصہ و نتائج: 1-سنہ 135ھ عباسی خلافت کے استحکام کا ابتدائی مرحلہ تھا۔ 2-ابو جعفر المنصور نے اپنے اقتدار کو مضبوط بنانے کے لیے مخالفین کے خلاف اقدامات کیے۔ 3-اموی خاندان کے باقی افراد کا تعاقب جاری رہا جس کے نتیجے میں کئی افراد قتل یا جلاوطن ہوئے۔ 4-شام اور جزیرہ کے علاقوں میں ہونے والی

شورش کو فوجی طاقت سے ختم کیا گیا۔5-ان واقعات نے اسلامی تاریخ میں مظلومیت اور سیاسی کشمکش کا ایک دردناک باب رقم کیا۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، دار التراث، بیروت، 1967، ج 7، ص 450۔ 2-ابن الأثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987، ج5، ص452۔3-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، دار الفکر، بیروت، 1986، ج10، ص110۔4-الذہبی، شمس الدین، تاریخ الإسلام ووفیات المشاہیر والأعلام، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993، ج9، ص86۔

عباسی خلافت کے دوسرے خلیفہ: ابو جعفر المنصور

(سیرت، شخصیت اور عہدِ خلافت کا جامع تعارف)

اسلامی تاریخ میں عباسی خلافت کا دور سیاسی استحکام، علمی ترقی اور تمدنی ارتقاء کے اعتبار سے ایک اہم مرحلہ سمجھا جاتا ہے۔اس عظیم سلطنت کے حقیقی معماروں میں جس شخصیت کا نام سب سے نمایاں نظر آتا ہے وہ ابو جعفر المنصور ہیں۔اگرچہ عباسی خلافت کا قیام ان کے بھائی ابو العباس السفاح کے ہاتھوں ہوا، لیکن اس نئی سلطنت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کا عظیم کارنامہ درحقیقت ابو جعفر المنصور ہی کے حصے میں آیا۔مورخین نے انہیں عباسی خلافت کا حقیقی بانی اور منتظم قرار دیا ہے، کیونکہ ان

کے دور میں حکومت کے سیاسی وانتظامی ڈھانچے کو مضبوط کیا گیا، بغاوتوں کو ختم کیا گیا اور ایک مستحکم مرکزی نظام قائم کیا گیا۔

نسب وولادت: ان کا پورا نام: عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن العباس بن عبدالمطلب الہاشمی العباسی۔ یوں وہ براہِ راست حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کی نسل سے تھے۔ مورخین کے مطابق ان کی ولادت 95ھ میں ہوئی۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: **عبد الله بن محمد بن علی بن عبد الله بن العباس، أبو جعفر المنصور، ثانی خلفاء بنی العباس** . ترجمہ: عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس، ابوجعفر المنصور، بنوعباس کے دوسرے خلیفہ تھے (الذہبی، سیر أعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985، ج6، ص5)۔

خلافت تک پہنچنے کا پس منظر: عباسی دعوت دراصل بنوامیہ کے خلاف ایک خفیہ سیاسی تحریک تھی جو خراسان اور عراق میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس تحریک کی قیادت عباسی خاندان کے افراد کر رہے تھے۔ 132ھ میں بنوامیہ کی حکومت ختم ہوئی اور ابوالعباس السفاح عباسی خلافت کے پہلے خلیفہ بنے۔ جب 136ھ میں سفاح کا انتقال ہوا تو خلافت ان کے بھائی ابوجعفر المنصور کو منتقل ہوئی۔ امام طبری لکھتے ہیں: **فلما توفی أبو العباس السفاح بویع أخوه أبو جعفر المنصور بالخلافة.** ترجمہ: جب ابوالعباس السفاح کا انتقال ہوا تو ان کے بھائی ابوجعفر المنصور کی خلافت پر بیعت کی گئی (الطبری، تاریخ الرسل والملوک، دارالتراث، بیروت، 1967، ج7، ص474)۔

شخصیت اور مزاج: ابوجعفر المنصور نہایت ذہین، سخت مزاج اور دور اندیش حکمران تھے۔ انہوں نے حکومت کے انتظامی ڈھانچے کو مضبوط کرنے میں غیر معمولی صلاحیت کا مظاہرہ کیا۔ مشہور مورخ ابن کثیر ان کی شخصیت کے بارے میں لکھتے ہیں: **کان المنصور حازماً عاقلاً بعید النظر فی الملک** . ترجمہ: منصور نہایت مضبوط ارادے والا، عقل مند اور حکومت کے معاملات میں دور اندیش تھا (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، دار الفکر، بیروت، 1986، ج10، ص213)۔

عہد خلافت کے اہم کارنامے: 1- عباسی حکومت کا استحکام: منصور کے دور میں عباسی خلافت کو اندرونی بغاوتوں سے شدید خطرہ تھا۔ انہوں نے ان بغاوتوں کو ختم کر کے حکومت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کیا۔ ان کے زمانے میں کئی بڑی بغاوتیں ہوئیں جن میں: محمد النفس الزکیہ کی بغاوت، ابراہیم بن عبداللہ کی بغاوت، خراسان کی بعض شورشیں شامل تھیں۔ **2- بغداد کی بنیاد:** منصور کا سب سے بڑا تاریخی کارنامہ شہر بغداد کی بنیاد رکھنا ہے۔ 145ھ میں انہوں نے دجلہ کے کنارے ایک نئے دار الحکومت کی بنیاد رکھی جسے بعد میں اسلامی دنیا کا عظیم ترین علمی اور تمدنی مرکز بننے کا شرف حاصل ہوا۔ ابن اثیر لکھتے ہیں: **وفی هذه السنة شرع المنصور فی بناء مدینة بغداد** . ترجمہ: اسی سال منصور نے بغداد شہر کی تعمیر شروع کی (ابن الأثیر، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987، ج5، ص566)۔

3- مالیاتی اور انتظامی اصلاحات: منصور نے ریاستی خزانے کو مضبوط کیا اور

مالیاتی نظم وضبط قائم کیا۔ وہ ذاتی زندگی میں بھی سادگی اور کفایت شعاری کے لیے مشہور تھے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ انہوں نے حکومت کے مالی معاملات کو منظم کرنے کے لیے باقاعدہ نظام قائم کیا۔

4-علمی سرپرستی: اگرچہ عباسی دور میں علمی تحریک اپنے عروج پر بعد میں پہنچی، لیکن اس کی بنیاد منصور کے زمانے میں رکھی گئی۔ انہوں نے علماء اور فقہاء کی سرپرستی کی اور بغداد کو علمی مرکز بنانے کی بنیاد ڈالی۔

وفات: ابوجعفر المنصور کی وفات 158ھ/775ء میں مکہ مکرمہ کے قریب حج کے سفر کے دوران ہوئی۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: **توفي أبو جعفر المنصور وهو متوجه إلى الحج سنة ثمان وخمسين ومائة** . ترجمہ: ابوجعفر المنصور کا انتقال 158ھ میں اس وقت ہوا جب وہ حج کے لیے جا رہے تھے (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، دار الفکر، بیروت، 1986، ج10، ص241)۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً 63 سال تھی۔

مورخین کی آراء: مورخین نے منصور کو عباسی خلافت کا حقیقی معمار قرار دیا ہے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: **وكان المنصور من أعقل الخلفاء وأشدهم سياسة.** ترجمہ: منصور خلفاء میں سب سے زیادہ عقل مند اور سیاسی حکمت عملی رکھنے والوں میں سے تھا (الذہبی، تاریخ الإسلام، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993، ج10، ص25)۔

خلاصہ: 1- ابوجعفر المنصور عباسی خلافت کے دوسرے خلیفہ تھے۔ 2- ان کا تعلق حضرت عباسؓ کی نسل سے تھا۔ 3- انہوں نے 136ھ میں خلافت سنبھالی۔

4-ان کے دور میں عباسی خلافت کو مضبوط بنیادیں حاصل ہوئیں۔5-بغداد کی بنیاد رکھنا ان کا سب سے بڑا تاریخی کارنامہ تھا۔6-ان کی وفات 158ھ میں حج کے سفر کے دوران ہوئی۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، دار التراث، بیروت، 1967، ج 7۔2-ابن الأثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987، ج 5۔ 3-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، دار الفکر، بیروت، 1986، ج 10۔ 4-الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985، ج 6۔ 5-الذہبی، تاریخ الإسلام، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993، ج10۔

امام ابوحنیفہؒ اور ابوجعفر المنصور کے درمیان تاریخی واقعات

(علم واقتدار کا ایک تاریخی تقابل)

اسلامی تاریخ میں بعض مواقع ایسے آتے ہیں جہاں علم و دیانت کا مقابلہ اقتدار و سیاست سے ہوتا ہے۔ایسے مواقع پر بعض شخصیات اپنے اصولوں پر ثابت قدم رہ کر تاریخ میں عظمت کی مثال بن جاتی ہیں۔امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ انہی عظیم شخصیات میں سے ہیں جنہوں نے علم، تقویٰ اور حق گوئی کی اعلیٰ مثال قائم کی۔عباسی خلافت کے دوسرے خلیفہ ابوجعفر المنصور کے زمانے میں امام ابوحنیفہؒ کو

بعض سیاسی معاملات میں حکومت کی طرف سے دباؤ کا سامنا کرنا پڑا، لیکن انہوں نے اپنے اصولوں سے انحراف نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اور منصور کے درمیان پیش آنے والے بعض واقعات اسلامی تاریخ میں نہایت اہمیت رکھتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کا تعارف: امام اعظم کا پورا نام: النعمان بن ثابت بن زوطی الکوفی: ولادت: 80ھ وفات: 150ھ۔ آپ فقہ اسلامی کے عظیم امام اور فقہ حنفی کے بانی ہیں۔ کوفہ علمی مرکز تھا اور آپ نے اسی شہر میں عظیم فقہی مکتب قائم کیا۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: **الإمام الأعظم فقيه العراق أبو حنيفة النعمان بن ثابت.** ترجمہ: امام اعظم، عراق کے عظیم فقیہ ابوحنیفہ نعمان بن ثابت تھے (الذہبی، سیر أعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985، ج6، ص390)۔

ابوجعفر المنصور کا تعارف: عباسی خلافت کے دوسرے خلیفہ ابوجعفر المنصور (حکومت: 136ھ 158ھ) ایک طاقتور اور سخت مزاج حکمران تھے۔ انہوں نے عباسی سلطنت کو مستحکم کیا اور بغداد کو دارالحکومت بنایا۔

1۔ منصبِ قضاء کی پیشکش اور امام ابوحنیفہؒ کا انکار: ابوجعفر المنصور نے امام ابوحنیفہؒ کے علم اور فقاہت کو دیکھتے ہوئے انہیں قاضی القضاۃ بنانے کا ارادہ کیا۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ نے یہ منصب قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ امام ذہبی اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **دعا المنصور أبا حنيفة إلى القضاء فأبى، فقال: كذبت. قال: قد حكم أمير المؤمنين على أني كذاب.** ترجمہ: منصور نے ابوحنیفہ کو

قضاء کا منصب قبول کرنے کے لیے بلایا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ منصور نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اگر میں جھوٹا ہوں تو قاضی بننے کے لائق نہیں اور اگر سچا ہوں تو میں اس منصب کو قبول نہیں کرتا (الذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج6، ص403)۔ یہ جواب دراصل ایک حکیمانہ اور جرات مندانہ طرزِ استدلال تھا جس نے خلیفہ کو لاجواب کر دیا۔

2-قید واذیت کا واقعہ: جب امام ابوحنیفہؒ نے منصبِ قضاء قبول کرنے سے انکار کر دیا تو ابوجعفر المنصور نے انہیں قید کر دیا اور بعض روایات کے مطابق انہیں کوڑے بھی لگوائے گئے۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں: **حبسه المنصور لما امتنع من القضاء وضربه.** ترجمہ: جب انہوں نے قضاء قبول کرنے سے انکار کیا تو منصور نے انہیں قید کر دیا اور انہیں مارا بھی (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، دار الفکر، بیروت، 1986، ج10، ص107)۔ یہ واقعہ امام ابوحنیفہؒ کی ثابت قدمی اور اصول پسندی کی روشن مثال ہے۔

3-مالی عطیات کا انکار: ابوجعفر المنصور نے کئی مرتبہ امام ابوحنیفہؒ کو مالی عطیات بھیجنے کی کوشش کی، لیکن امام نے انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: **بعث إليه المنصور بمال فرده.** ترجمہ: منصور نے ان کے پاس مال بھیجا لیکن انہوں نے اسے واپس کر دیا (الذہبی، تاریخ الإسلام، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993، ج10، ص133)۔ یہ طرزِ عمل امام ابوحنیفہؒ کے زہد واستغناء کی واضح دلیل ہے۔

4-وفات کے متعلق تاریخی روایات: امام ابوحنیفہؒ کی وفات کے بارے میں بعض

مؤرخین نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ انہیں قید کے دوران زہر دیا گیا تھا، تاہم اس بارے میں مختلف آراء موجود ہیں۔ابن اثیر لکھتے ہیں: **ومات أبو حنيفة في حبس المنصور.** ترجمہ: امام ابوحنیفہ منصور کی قید میں انتقال کر گئے (ابن الأثیر، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987، ج5، ص558)۔امام ابوحنیفہؒ کی وفات 150ھ میں بغداد میں ہوئی۔

تاریخی واخلاقی تجزیہ: امام ابوحنیفہؒ اور ابوجعفر المنصور کے درمیان پیش آنے والے واقعات دراصل علم اور اقتدار کے درمیان تعلق کی ایک اہم مثال ہیں۔ان واقعات سے درج ذیل امور واضح ہوتے ہیں: 1-علماء کی اصل قوت علم، دیانت اور استقلال ہے۔ 2-امام ابوحنیفہؒ نے دنیاوی منصب کے مقابلے میں علمی آزادی کو ترجیح دی۔ 3-انہوں نے حکومت کے دباؤ کے باوجود اپنے اصولوں سے انحراف نہیں کیا۔ 4-یہی استقلال انہیں تاریخ میں ایک عظیم امام کے طور پر ممتاز کرتا ہے۔

خلاصہ: 1-ابوجعفر المنصور نے امام ابوحنیفہؒ کو منصبِ قضاء پیش کیا۔ 2-امام ابوحنیفہؒ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ 3-اس انکار کی وجہ سے انہیں قید اور اذیت کا سامنا کرنا پڑا۔ 4-انہوں نے حکومتی عطیات بھی قبول نہیں کیے۔ 5-ان کی وفات 150ھ میں بغداد میں ہوئی اور وہ علمی استقلال کی روشن مثال بن گئے۔

مصادر ومراجع: 1-الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985، ج6، ص390-405۔ 2-الذہبی، تاریخ الإسلام ووفیات المشاہیر والأعلام، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993، ج10، ص130-135۔ 3-ابن

کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، دار الفکر، بیروت، 1986، ج10، ص1077۔
4-ابن الأثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987، ج5، ص558۔5-الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2001، ج13، ص333۔

سنہ 136ھ کے اہم اور الم ناک واقعات

(عباسی خلافت کے آغاز میں اہلِ علم واہلِ بیت کی مظلومیت)

اسلامی تاریخ کے عباسی دور کے ابتدائی سال نہایت حساس اور سیاسی کشمکش سے بھرپور تھے۔ بنوامیہ کی خلافت کے خاتمے کے بعد عباسی حکومت اگرچہ اقتدار میں آ گئی تھی، لیکن مختلف علاقوں میں سیاسی اضطراب، بغاوتیں اور اقتدار کی کشمکش جاری تھی۔ اسی ماحول میں سنہ 136ھ ایک اہم تاریخی موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سال عباسی خلافت کے پہلے خلیفہ ابو العباس السفاح کا انتقال ہوا اور ان کے بھائی ابو جعفر المنصور خلافت کے منصب پر فائز ہوئے۔ اقتدار کی اس منتقلی کے دوران عباسی حکومت کو مختلف داخلی و خارجی چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا، جن میں بعض واقعات ایسے بھی تھے جنہوں نے اسلامی تاریخ میں مظلومیت اور سیاسی کشمکش کی ایک دردناک داستان رقم کی۔

1-ابو العباس السفاح کی وفات اور اقتدار کی تبدیلی: سنہ 136ھ کا سب سے اہم واقعہ عباسی خلافت کے پہلے خلیفہ ابو العباس السفاح کی وفات ہے۔ ان کے

انتقال کے بعد عباسی سلطنت کے مستقبل کے حوالے سے ایک نئی سیاسی صورتحال پیدا ہوئی۔ مشہور مؤرخ امام طبری لکھتے ہیں: **وفی هذه السنة توفی أبو العباس السفاح، وبويع بعده أخوه أبو جعفر المنصور.** ترجمہ: اسی سال ابوالعباس السفاح کا انتقال ہوا اور ان کے بعد ان کے بھائی ابوجعفر المنصور کی خلافت پر بیعت کی گئی (الطبری، تاریخ الرسل والملوک، دار التراث، بیروت، 1967، ج7، ص 474)۔ اقتدار کی یہ منتقلی اگرچہ بظاہر پُرامن تھی، لیکن اس کے پس منظر میں مختلف سیاسی کشمکشیں موجود تھیں۔

2- ابومسلم خراسانی اور عباسی دربار کے درمیان کشیدگی: عباسی انقلاب کی کامیابی میں ابومسلم خراسانی کا کردار نہایت اہم تھا۔ انہوں نے خراسان میں عباسی تحریک کو منظّم کیا اور بنو امیہ کے خلاف جنگ میں فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ لیکن سنہ 136ھ کے بعد عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور اور ابومسلم کے درمیان سیاسی بداعتمادی بڑھنے لگی۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں: **وكان أبو مسلم صاحب الدعوة بخراسان، وقد عظمت منزلته حتى خافه المنصور.** ترجمہ: ابومسلم خراسان میں عباسی دعوت کے قائد تھے اور ان کی حیثیت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ منصور ان سے خوف محسوس کرنے لگا (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، دار الفکر، بیروت، 1986، ج10، ص 149)۔ یہ کشیدگی بعد کے سالوں میں ایک بڑے سانحے پر منتج ہوئی۔

3- اہلِ بیت کے بعض افراد کے ساتھ سیاسی کشمکش: عباسی خلافت کے قیام کے وقت اہلِ بیت کے بعض افراد کو امید تھی کہ خلافت انہیں ملے گی، کیونکہ عباسی

تحریک کے دوران اہلِ بیت کے نام سے بھی حمایت حاصل کی گئی تھی۔ لیکن جب خلافت عباسی خاندان کے پاس آ گئی تو بعض علوی شخصیات اور عباسی حکومت کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: **و کان فی قلوب کثیر من العلویین شیء علی بنی العباس** . ترجمہ: بہت سے علویوں کے دلوں میں بنو عباس کے بارے میں ناراضگی پیدا ہو گئی تھی (الذہبی، تاریخ الإسلام، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993، ج10، ص62)۔ یہ اختلافات بعد میں بعض بغاوتوں اور مظلوم واقعات کا سبب بنے۔

4-عباسی اقتدار کے استحکام کے لیے سخت اقدامات: ابو جعفر المنصور نے خلافت سنبھالنے کے بعد ریاستی استحکام کے لیے سخت اقدامات کیے۔ ان کا مقصد نئی حکومت کو مضبوط بنانا اور ممکنہ مخالفین کو قابو میں رکھنا تھا۔ مورخ ابن اثیر لکھتے ہیں: **و کان المنصور شدیداً فی تثبیت ملک بنی العباس و قمع من خالفهم** . ترجمہ: منصور بنو عباس کی حکومت کو مضبوط کرنے اور مخالفین کو دبانے میں بہت سخت تھے (ابن الأثیر، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987، ج5، ص466)۔ ان اقدامات کے نتیجے میں بعض سیاسی شخصیات کو مشکلات اور مظالم کا سامنا کرنا پڑا۔

5-تاریخ کا ایک حساس دور: سنہ 136ھ دراصل عباسی خلافت کے استحکام کا ابتدائی مرحلہ تھا۔ اس سال اگرچہ براہ راست بڑے خونریز واقعات کم نظر آتے ہیں، لیکن سیاسی کشیدگی، اقتدار کی کشمکش اور مختلف گروہوں کے درمیان بداعتمادی کی فضا پیدا ہو چکی تھی۔ یہی حالات بعد کے برسوں میں متعدد المناک واقعات کا سبب

بنے، جن میں بعض علوی اور دیگر سیاسی شخصیات کو مظلومیت کا سامنا کرنا پڑا۔

خلاصہ و نتائج: 1-سنہ 136ھ عباسی خلافت کی تاریخ میں ایک اہم سال ہے۔2-اسی سال پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس السفاح کا انتقال ہوا۔3-ان کے بعد ابوجعفر المنصور خلافت کے منصب پر فائز ہوئے۔4-ابومسلم خراسانی اور عباسی دربار کے درمیان کشیدگی شروع ہوئی۔5-اہلِ بیت کے بعض افراد اور عباسی حکومت کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے۔6-عباسی حکومت نے اقتدار کے استحکام کے لیے سخت سیاسی اقدامات کیے۔یہ تمام حالات بعد کے سالوں میں رونما ہونے والے کئی مظلومانہ واقعات کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، دار التراث، بیروت، 1967، ج 7، ص 474۔ 2-ابن الأثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987، ج5، ص466۔3-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، دار الفکر، بیروت، 1986، ج10، ص 149۔4-الذہبی، شمس الدین، تاریخ الإسلام ووفیات المشاہیر والأعلام، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993، ج10، ص62۔

سنہ 137ھ کے اہم اور عبرت انگیز واقعات

(عباسی اقتدار کے ابتدائی دور میں مظلوم شخصیات اور سیاسی اضطراب)

عباسی خلافت کے ابتدائی سال اسلامی تاریخ میں ایک نہایت اہم اور حساس

مرحلہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بنو امیہ کی خلافت کے خاتمے کے بعد جب بنو عباس اقتدار میں آئے تو اسلامی دنیا میں ایک نئی سیاسی قوت کا ظہور ہوا۔ لیکن اقتدار کے اس انتقال کے ساتھ ساتھ مختلف سیاسی وقبائلی کشمکشیں بھی جنم لیں، جن کے نتیجے میں کئی اہم شخصیات کو مظلومیت اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ سنہ 137ھ عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور کے عہد خلافت کا ابتدائی دور ہے۔ اس زمانے میں عباسی حکومت نے اپنی طاقت کو مضبوط بنانے کے لیے متعدد سیاسی اقدامات کیے، جن کے نتیجے میں بعض شخصیات اور گروہوں کو سخت حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ اسلامی تاریخ کے یہ واقعات نہ صرف سیاسی کشمکش کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ اقتدار کی جدوجہد میں کس طرح بعض افراد مظلومیت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

1-ابو مسلم خراسانی کے اثر و رسوخ سے عباسی دربار کی تشویش: عباسی انقلاب کی کامیابی میں ابو مسلم خراسانی کا کردار نہایت اہم تھا۔ انہوں نے خراسان میں عباسی تحریک کو منظّم کیا اور بنو امیہ کی حکومت کے خاتمے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ لیکن جب عباسی خلافت قائم ہو گئی تو ان کی بڑھتی ہوئی طاقت عباسی حکمرانوں کے لیے تشویش کا باعث بننے لگی۔ مشہور مؤرخ امام طبری لکھتے ہیں: **وكان أبو مسلم قد عظم أمره بخراسان حتى خافه المنصور.** ترجمہ: ابو مسلم خراسان میں اس قدر با اثر ہو گئے تھے کہ ابو جعفر المنصور ان سے خوف محسوس کرنے لگا (الطبری، تاریخ الرسل والملوک، دار التراث، بیروت، 1967، ج7، ص498)۔ یہ بداعتمادی بعد کے سالوں میں

ایک المناک واقعے کا سبب بنی جس میں ابو مسلم خراسانی کو قتل کر دیا گیا۔

2-علوی خاندان اور عباسی حکومت کے درمیان بڑھتی ہوئی کشیدگی: سنہ 137ھ کے زمانے میں اہلِ بیت کے بعض افراد اور عباسی حکومت کے درمیان کشیدگی بڑھتی جارہی تھی۔عباسی انقلاب کے دوران اہلِ بیت کے نام پر بھی لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کی گئی تھیں،لیکن خلافت عباسی خاندان کے پاس آنے کے بعد علوی شخصیات میں ناراضگی پیدا ہونے لگی۔امام ذہبی لکھتے ہیں:**وكان في العلويين من يرى أنه أحق بالأمر من بني العباس.** ترجمہ:علوی خاندان کے بعض افراد یہ سمجھتے تھے کہ خلافت کے زیادہ حق دار وہ ہیں نہ کہ بنوعباس (الذہبی،تاریخ الإسلام،دار الکتاب العربی،بیروت،1993،ج10، ص72)۔یہ اختلافات بعد میں کئی بغاوتوں اور الم ناک واقعات کا سبب بنے۔

3-عباسی حکومت کی سیاسی سختی: ابو جعفر المنصور ایک نہایت مضبوط اور سخت مزاج حکمران تھے۔انہوں نے اقتدار کے استحکام کے لیے سخت اقدامات کیے تاکہ عباسی سلطنت کے خلاف کسی ممکنہ بغاوت کو روکا جا سکے۔مورخ ابن اثیر لکھتے ہیں: **وكان المنصور شديد الهيبة، حازماً في سياسة الملك** . ترجمہ:منصور نہایت رعب وجلال والا اور حکومت کے معاملات میں انتہائی مضبوط حکمت عملی رکھنے والا تھا (ابن الأثیر،الکامل فی التاریخ،دار الکتب العلمیۃ،بیروت،1987،ج5،ص472)۔ان سخت اقدامات کے نتیجے میں بعض سیاسی مخالفین کو مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔

4-سیاسی فضا اور مظلومیت کے اسباب: سنہ 137ھ کے حالات سے یہ

واضح ہوتا ہے کہ عباسی خلافت کے ابتدائی سالوں میں سیاسی عدم استحکام اور مختلف گروہوں کے درمیان بداعتمادی پائی جاتی تھی۔ یہی حالات بعد کے برسوں میں کئی بڑے سانحات کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔ خصوصاً: ابومسلم خراسانی کے ساتھ کشیدگی، علوی خاندان کی ناراضگی، عباسی حکومت کے سخت اقدامات، یہ تمام عوامل اسلامی تاریخ میں کئی مظلوم شخصیات کے ظہور کا سبب بنے۔

تاریخی وفکری تجزیہ: سنہ 137ھ کے واقعات ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ سیاسی انقلاب کے بعد معاشرے میں استحکام پیدا ہونے میں وقت لگتا ہے۔ عباسی خلافت کے ابتدائی سالوں میں اقتدار کے استحکام کی کوششیں جاری تھیں، لیکن اس دوران مختلف طبقات کے درمیان کشمکش نے کئی افراد کو مظلومیت کا شکار بنا دیا۔ اسلامی تاریخ کے یہ واقعات اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ اقتدار کی تبدیلی کے ادوار میں انسانی مصائب اور سیاسی تنازعات کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہوتا ہے۔

خلاصہ ونتائج: 1- سنہ 137ھ عباسی خلافت کے استحکام کا ابتدائی دور تھا۔
2- ابومسلم خراسانی کی بڑھتی ہوئی طاقت عباسی دربار کے لیے تشویش کا باعث بن رہی تھی۔ 3- علوی خاندان اور عباسی حکومت کے درمیان اختلافات بڑھ رہے تھے۔
4- ابوجعفر المنصور نے اقتدار کو مضبوط کرنے کے لیے سخت سیاسی اقدامات کیے۔
5- یہ حالات بعد کے برسوں میں کئی مظلومانہ واقعات کا سبب بنے۔

مصادر و مراجع: 1- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، دار

التراث، بیروت، 1967، ج 7، ص 498۔ 2-ابن الأ ثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987، ج5، ص472۔3-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، دار الفکر، بیروت، 1986، ج10، ص 152۔4-الذہبی، شمس الدین، تاریخ الإ سلام ووفیات المشاہیر والأ علام، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993، ج10، ص72۔

سنہ 138ھ کے اہم اور الم ناک واقعات

(عباسی دور میں ابو مسلم خراسانی کی مظلومانہ شہادت)

عباسی خلافت کے ابتدائی سال اسلامی تاریخ میں سیاسی کشمکش، طاقت کے ارتکاز اور باہمی بداعتمادی کے زمانے کے طور پر یاد کیے جاتے ہیں۔ بنو امیہ کے خاتمے کے بعد بنو عباس نے اقتدار سنبھالا تو ان کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ نئی حکومت کو مستحکم کرنا تھا۔ اسی پس منظر میں بعض ایسی تاریخی شخصیات سامنے آتی ہیں جنہوں نے عباسی انقلاب میں اہم کردار ادا کیا لیکن بعد میں سیاسی حالات کے باعث خود مظلومیت کا شکار ہو گئیں۔ سنہ 138ھ کا سب سے اہم اور دردناک واقعہ عباسی انقلاب کے عظیم رہنما ابو مسلم خراسانی کی شہادت ہے۔ ابو مسلم نے عباسی تحریک کو کامیابی تک پہنچانے میں بنیادی کردار ادا کیا، لیکن بعد میں عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور کے ساتھ سیاسی بداعتمادی نے ایک المناک انجام کو جنم دیا۔ یہ واقعہ اسلامی تاریخ کے

ان اہم ابواب میں سے ہے جہاں سیاسی مفادات کے نتیجے میں ایک بڑی تاریخی شخصیت کو مظلومانہ انجام کا سامنا کرنا پڑا۔

ابو مسلم خراسانی کا تعارف: ابو مسلم کا نام: عبد الرحمٰن بن مسلم الخراسانی: وہ خراسان کے مشہور عباسی داعی اور سپہ سالار تھے۔ انہوں نے بنو امیہ کے خلاف عباسی تحریک کو منظّم کیا اور خراسان میں عباسی اقتدار قائم کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: **كان أبو مسلم صاحب الدعوة ببنى العباس بخراسان.** ترجمہ: ابو مسلم خراسان میں بنو عباس کی دعوت (تحریک) کے قائد تھے (الذہبی، تاریخ الإسلام، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993، ج10، ص95)۔

1-عباسی انقلاب میں ابو مسلم کا کردار: عباسی خلافت کے قیام میں ابو مسلم خراسانی کی خدمات غیر معمولی تھیں۔ انہوں نے خراسان میں ایک مضبوط سیاسی و عسکری تحریک قائم کی جس کے نتیجے میں بنو امیہ کی حکومت ختم ہوئی۔ امام طبری لکھتے ہیں: **وكان أبو مسلم هو الذى أظهر الدعوة لبنى العباس بخراسان وقاتل بنى أمية.** ترجمہ: ابو مسلم وہ شخص تھے جنہوں نے خراسان میں بنو عباس کی تحریک کو ظاہر کیا اور بنو امیہ کے خلاف جنگ کی (الطبری، تاریخ الرسل والملوک، دار التراث، بیروت، 1967، ج7، ص418)۔

2-ابو جعفر المنصور اور ابو مسلم کے درمیان کشیدگی: جب عباسی خلافت قائم ہو گئی تو ابو مسلم کی طاقت اور مقبولیت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ خراسان میں ان کا اثر اس

قدر مضبوط تھا کہ بعض مورخین کے مطابق وہ ایک خودمختار حکمران کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔اسی وجہ سے عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور کو ان سے سیاسی خطرہ محسوس ہونے لگا۔ابن کثیر لکھتے ہیں:**وکان المنصور یخاف أبا مسلم لعظم أمرہ فی الناس** . ترجمہ:منصور ابومسلم سے خوف محسوس کرتا تھا کیونکہ لوگوں میں ان کا اثر و رسوخ بہت زیادہ تھا(ابن کثیر،البدایۃ والنہایۃ،دارالفکر،بیروت،1986،ج10،ص168)۔

3-ابومسلم کو دربار میں بلانا: منصور نے ابومسلم کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ابتدا میں ابومسلم نے ہچکچاہٹ ظاہر کی لیکن بالآخر وہ خلیفہ کے پاس حاضر ہو گئے۔ امام طبری لکھتے ہیں:**فلما قدم أبو مسلم علی المنصور عاتبہ علی أمور کثیرۃ** . ترجمہ: جب ابومسلم منصور کے پاس پہنچے تو منصور نے انہیں کئی معاملات پر ملامت کی (الطبری،تاریخ الرسل والملوک،ج7،ص503)۔

4-ابومسلم خراسانی کی شہادت: جب ابومسلم دربار میں موجود تھے تو منصور نے اپنے محافظوں کو اشارہ کیا اور انہیں قتل کر دیا گیا۔ابن اثیر لکھتے ہیں:**فأمر المنصور بقتلہ فقتل سنۃ ثمان وثلاثین ومائۃ**. ترجمہ:منصور نے ان کے قتل کا حکم دیا اور انہیں سنہ 138ھ میں قتل کر دیا گیا(ابن الأثیر،الکامل فی التاریخ،دارالکتب العلمیۃ،بیروت،1987، ج5،ص494)۔ یہ واقعہ عباسی تاریخ کے سب سے زیادہ مشہور اور متنازعہ واقعات میں شمار ہوتا ہے۔

5-تاریخی تجزیہ: ابومسلم خراسانی کی شخصیت اسلامی تاریخ میں نہایت اہمیت

رکھتی ہے۔انہوں نے عباسی انقلاب کو کامیاب بنانے میں بنیادی کردار ادا کیا،لیکن بعد میں سیاسی حالات نے انہیں خلیفہ کے لیے خطرہ بنا دیا۔مورخین کے نزدیک یہ واقعہ اس بات کی علامت ہے کہ اقتدار کی سیاست میں اکثر وہ شخصیات بھی قربانی کا شکار ہو جاتی ہیں جنہوں نے اقتدار کے قیام میں بنیادی کردار ادا کیا ہوتا ہے۔اسی وجہ سے تاریخ کے بہت سے مصنفین نے ابومسلم کے انجام کو ایک سیاسی المیہ قرار دیا ہے۔

خلاصہ و نتائج: 1-سنہ 138ھ کا سب سے اہم واقعہ ابومسلم خراسانی کی شہادت ہے۔2-ابومسلم عباسی انقلاب کے سب سے بڑے رہنماؤں میں سے تھے۔3-ان کی بڑھتی ہوئی طاقت عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور کے لیے تشویش کا باعث بن گئی۔4-منصور نے انہیں دربار میں بلا کر قتل کرا دیا۔5-یہ واقعہ اسلامی تاریخ کے اہم سیاسی سانحات میں شمار ہوتا ہے۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، دار التراث، بیروت، 1967، ج7،ص418، 503۔2-ابن الأثیر،علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987، ج 5،ص 494۔3-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، دار الفکر، بیروت، 1986، ج 10،ص 168۔4-الذہبی، شمس الدین، تاریخ الإسلام ووفیات المشاہیر والأعلام، دار الکتاب العربی، بیروت، 1993، ج10،ص95۔

سنہ 139ھ کے اہم اور الم ناک واقعات

(علوی خاندان کی کشمکش اور محمد النفس الزکیہ کی تحریک کا پس منظر)

عباسی خلافت کے ابتدائی سال سیاسی کشمکش، اقتدار کے استحکام اور مختلف گروہوں کے درمیان رقابت سے بھرپور تھے۔ بنو امیہ کے زوال کے بعد بنو عباس اقتدار میں تو آ گئے، لیکن اس انقلاب کے نتیجے میں کئی سیاسی اور خاندانی توقعات بھی جنم لے چکی تھیں۔ خصوصاً اہلِ بیت کے بعض افراد کو یہ امید تھی کہ خلافت ان کے ہاتھ میں آئے گی۔ سنہ 139ھ اسی تاریخی کشمکش کے ایک اہم مرحلے کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس سال علوی خاندان کے بعض افراد اور عباسی حکومت کے درمیان اختلافات شدید ہو گئے اور ایک ایسی تحریک کی بنیاد پڑی جس نے بعد میں اسلامی تاریخ میں ایک بڑا الم ناک باب پیدا کیا۔ اس تحریک کے مرکز میں اہلِ بیت کے ایک جلیل القدر فرد محمد بن عبداللہ بن حسن تھے جو تاریخ میں محمد النفس الزکیہ کے نام سے معروف ہیں۔ یہ دور اسلامی تاریخ میں مظلوم شخصیات کے تناظر میں اس لیے اہم ہے کہ اس زمانے میں اہلِ بیت کے بعض افراد کو سیاسی دباؤ، نگرانی اور گرفتاریوں کا سامنا کرنا پڑا۔

محمد النفس الزکیہ کا تعارف: محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب ایک عظیم علوی شخصیت تھے۔ ان کا تعلق براہِ راست حضرت حسن بن علیؓ کی نسل سے تھا اور اپنی دیانت، عبادت اور تقویٰ کی وجہ سے لوگوں میں بہت محبوب تھے۔ امام ذہبی ان کا

تعارف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **محمد بن عبد الله بن حسن بن الحسن بن علی، المعروف بالنفس الزکیة، من سادات أهل البیت**. ترجمہ: محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی، جو نفس الزکیہ کے نام سے معروف ہیں، اہلِ بیت کے جلیل القدر سادات میں سے تھے (الذہبی، سیر أعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985، ج6، ص87)۔

1-عباسی خلافت سے اختلافات کا آغاز: عباسی تحریک کے دوران اہلِ بیت کے نام پر بھی عوام کی ہمدردیاں حاصل کی گئی تھیں۔ لیکن جب خلافت عباسی خاندان کے پاس آ گئی تو علوی خاندان کے بعض افراد میں مایوسی پیدا ہوئی۔ امام طبری اس صورتحال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **وکان کثیر من الناس یرون أن الخلافة لمحمد بن عبد الله**. ترجمہ: بہت سے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ خلافت محمد بن عبداللہ (النفس الزکیہ) کے لیے زیادہ مناسب ہے (الطبری، تاریخ الرسل والملوک، دار التراث، بیروت، 1967، ج7، ص552)۔ یہی صورتحال بعد میں عباسی حکومت اور علوی خاندان کے درمیان شدید اختلافات کا سبب بنی۔

2-عباسی حکومت کی نگرانی اور دباؤ: جب عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور کو اس بات کا علم ہوا کہ محمد النفس الزکیہ کے گرد لوگوں کی بڑی تعداد جمع ہو رہی ہے تو انہوں نے ان کی سرگرمیوں پر سخت نظر رکھنا شروع کر دی۔ مورخ ابن اثیر لکھتے ہیں: **وکان المنصور یطلب محمداً بن عبد الله ویخشی خروجه**. ترجمہ: منصور محمد بن عبداللہ کی تلاش میں رہتا تھا اور ان کے خروج (بغاوت) سے خوف رکھتا تھا (ابن

الأثیر، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987، ج 5، ص 520)۔ اسی وجہ سے ان کے خاندان کے بعض افراد کو بھی گرفتار کیا گیا اور سیاسی دباؤ بڑھتا گیا۔

3-علوی خاندان کے بعض افراد کی گرفتاری: عباسی حکومت نے ممکنہ بغاوت کو روکنے کے لیے علوی خاندان کے بعض افراد کو گرفتار کرلیا۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں: **قبض المنصور علی جماعة من بنی الحسن خوفاً من خروجهم** . ترجمہ: منصور نے بنو حسن کے ایک گروہ کو اس خوف سے گرفتار کرلیا کہ کہیں وہ بغاوت نہ کردیں (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، دار الفکر، بیروت، 1986، ج 10، ص 190)۔ یہ واقعات دراصل اس بڑے سانحے کا پیش خیمہ تھے جو چند سال بعد محمد النفس الزکیہ کی شہادت کی صورت میں رونما ہوا۔

4-ایک تاریخی کشمکش کا آغاز: سنہ 139ھ کے واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ عباسی خلافت اور علوی خاندان کے درمیان سیاسی کشمکش ایک نئے مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ محمد النفس الزکیہ کی شخصیت اہلِ بیت کی نمائندگی کے طور پر سامنے آ رہی تھی جبکہ عباسی حکومت انہیں اپنے اقتدار کے لیے ایک ممکنہ خطرہ سمجھتی تھی۔ یہی کشمکش بعد میں سنہ 145ھ میں ایک بڑی بغاوت اور ایک عظیم مظلوم شخصیت کی شہادت کا سبب بنی۔

تاریخی وفکری تجزیہ: سنہ 139ھ کے حالات اسلامی تاریخ کے اس اہم پہلو کو نمایاں کرتے ہیں کہ اقتدار کی تبدیلی کے بعد مختلف گروہوں کی توقعات اور سیاسی مفادات ایک دوسرے سے ٹکرا سکتے ہیں۔ اہلِ بیت کی بعض شخصیات نے اپنے

اصولوں اور نظریات کے مطابق موقف اختیار کیا، جبکہ عباسی حکومت نے اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لیے سخت اقدامات کیے۔ اس کشمکش کے نتیجے میں کئی شخصیات تاریخ میں مظلوم کردار کے طور پر سامنے آئیں۔

خلاصہ و نتائج: 1- سنہ 139ھ میں عباسی حکومت اور علوی خاندان کے درمیان کشیدگی بڑھنے لگی۔ 2- محمد بن عبد اللہ المعروف النفس الزکیہ اس کشمکش کے مرکز میں تھے۔ 3- عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور کو ان کی مقبولیت سے سیاسی خطرہ محسوس ہونے لگا۔ 4- علوی خاندان کے بعض افراد کو گرفتار کیا گیا۔ 5- یہ حالات بعد میں محمد النفس الزکیہ کی بغاوت اور شہادت کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔

مصادر و مراجع: 1- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، دار التراث، بیروت، 1967، ج 7، ص 552۔ 2- ابن الأثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987، ج 5، ص 520۔ 3- ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، دار الفکر، بیروت، 1986، ج 10، ص 190۔ 4- الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985، ج 6، ص 87۔

سنہ 140ھ کے اہم اور عبرت انگیز واقعات

(علوی خاندان کی نگرانی، گرفتاریوں اور سیاسی کشمکش کا دور)

عباسی خلافت کے ابتدائی سال اسلامی تاریخ میں سیاسی استحکام کی جدوجہد

اور مختلف گروہوں کے درمیان کشمکش کے حوالے سے نہایت اہمیت رکھتے ہیں۔ بنوامیہ کے زوال کے بعد جب بنوعباس اقتدار میں آئے تو اسلامی دنیا میں ایک نیا سیاسی نظام قائم ہوا، لیکن اس کے ساتھ ہی مختلف خاندانی اور سیاسی دعوے بھی سامنے آنے لگے۔ خصوصاً اہلِ بیت کے بعض افراد کو یہ احساس تھا کہ خلافت کے لیے ان کا حق زیادہ مضبوط ہے۔ اسی وجہ سے عباسی حکومت اور علوی خاندان کے درمیان بتدریج اختلافات پیدا ہونے لگے۔ سنہ 140ھ اسی تاریخی کشمکش کے ایک اہم مرحلے کی نمائندگی کرتا ہے، جب عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور نے علوی خاندان کے بعض افراد کی سرگرمیوں کو اپنے اقتدار کے لیے خطرہ محسوس کرتے ہوئے سخت اقدامات شروع کیے۔ یہ واقعات اسلامی تاریخ میں مظلوم شخصیات کے تناظر میں اس لیے اہم ہیں کہ اس دور میں اہلِ بیت کے کئی افراد کو نگرانی، گرفتاری اور سیاسی دباؤ کا سامنا کرنا پڑا۔

علوی خاندان کا تاریخی مقام: اہلِ بیتِ رسول ﷺ اسلامی معاشرے میں ہمیشہ عزت و احترام کا مقام رکھتے رہے ہیں۔ خصوصاً حضرت حسن بن علیؓ اور حضرت حسین بن علیؓ کی نسل سے تعلق رکھنے والے افراد کو مسلمانوں میں بڑی قدر و منزلت حاصل تھی۔ اسی وجہ سے جب عباسی خلافت قائم ہوئی تو بعض لوگوں کی امید تھی کہ خلافت اہلِ بیت کے کسی فرد کے ہاتھ میں آئے گی۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: **وكان بنو الحسن من أشراف أهل البيت ومن أهل الفضل والدين** . ترجمہ: بنوحسن اہلِ بیت کے معزز افراد میں سے تھے اور فضل و دیانت میں نمایاں تھے (الذہبی، سیر

أعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985، ج6، ص87)۔

1-محمد النفس الزکیہ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت: اہلِ بیت کے جلیل القدر فرد محمد بن عبداللہ بن حسن جنہیں محمد النفس الزکیہ کہا جاتا ہے، اس زمانے میں بہت مقبول ہو چکے تھے۔ان کی دیانت، عبادت اور نسب کی وجہ سے بہت سے لوگ انہیں خلافت کا زیادہ حق دار سمجھتے تھے۔امام طبری لکھتے ہیں: **وكان الناس يميلون إلى محمد بن عبد الله ويذكرون فضله**. ترجمہ: لوگ محمد بن عبداللہ کی طرف مائل ہوتے جا رہے تھے اور ان کی فضیلت کا ذکر کرتے تھے (الطبری، تاریخ الرسل والملوک، دار التراث، بیروت، 1967، ج7، ص567)۔ یہ صورتحال عباسی خلیفہ کے لیے تشویش کا باعث بن گئی۔

2-عباسی حکومت کی نگرانی اور تعاقب: ابو جعفر المنصور نے جب دیکھا کہ محمد النفس الزکیہ کی مقبولیت بڑھ رہی ہے تو انہوں نے ان کی سرگرمیوں پر سخت نگرانی شروع کر دی۔مورخ ابن اثیر لکھتے ہیں: **وكان المنصور يطلب محمداً بن عبد الله ويبحث عنه في البلاد**. ترجمہ: منصور محمد بن عبداللہ کو تلاش کرتا رہتا تھا اور مختلف علاقوں میں ان کی تلاش جاری رکھتا تھا (ابن الأثیر، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987، ج5، ص531)۔ یہ تعاقب دراصل ایک بڑی سیاسی کشمکش کی علامت تھا۔

3-علوی خاندان کے بعض افراد کی گرفتاری: عباسی حکومت نے ممکنہ بغاوت کے خوف سے علوی خاندان کے بعض افراد کو گرفتار بھی کیا۔امام ابن کثیر لکھتے ہیں: **قبض المنصور على جماعة من بني الحسن وحبسهم**. ترجمہ: منصور نے

بنوحسن کے ایک گروہ کو گرفتار کر کے قید کر دیا (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، دارالفکر، بیروت، 1986، ج10، ص203)۔ یہ گرفتاریوں کا سلسلہ دراصل اس سیاسی بحران کی علامت تھا جو بعد میں ایک بڑے سانحے میں تبدیل ہوا۔

4-ایک بڑے سانحے کی تمہید: سنہ 140ھ کے واقعات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ عباسی خلافت اور علوی خاندان کے درمیان کشمکش اپنے عروج کی طرف بڑھ رہی تھی۔ محمد النفس الزکیہ کی مقبولیت اور عباسی حکومت کے سخت اقدامات نے حالات کو مزید پیچیدہ بنا دیا۔ یہی کشیدگی چند سال بعد ایک عظیم تاریخی سانحے پر منتج ہوئی جب محمد النفس الزکیہ نے مدینہ میں خروج کیا اور ایک دردناک انجام سے دوچار ہوئے۔

تاریخی وفکری تجزیہ: سنہ 140ھ کا دور اسلامی تاریخ میں اس حقیقت کی یاد دہانی کراتا ہے کہ اقتدار کی سیاست میں خاندانی اور نظریاتی اختلافات کس طرح شدید صورت اختیار کر سکتے ہیں۔ عباسی خلافت اپنے اقتدار کو مضبوط کرنا چاہتی تھی جبکہ اہلِ بیت کے بعض افراد اپنے حق کے بارے میں ایک مختلف تصور رکھتے تھے۔ ان دونوں نقطۂ نظر کے تصادم نے اسلامی تاریخ میں کئی مظلوم شخصیات کو جنم دیا۔

خلاصہ ونتائج: 1-سنہ 140ھ میں عباسی حکومت اور علوی خاندان کے درمیان کشیدگی مزید بڑھ گئی۔ 2-محمد النفس الزکیہ کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ 3-عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور نے ان کی سرگرمیوں پر سخت نگرانی شروع کی۔ 4-علوی

خاندان کے بعض افراد کو گرفتار کر لیا گیا۔ 5- یہ واقعات بعد میں رونما ہونے والے ایک بڑے تاریخی سانحے کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، دار التراث، بیروت، 1967، ج7، ص567۔ 2-ابن الأثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987، ج5، ص531۔ 3-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، دار الفکر، بیروت، 1986، ج10، ص203۔ 4-الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985، ج6، ص87۔

سنہ 141ھ کے اہم واقعات اور مظلوم شخصیات

اسلامی تاریخ کا عباسی دور بظاہر سیاسی استحکام اور وسیع سلطنت کے قیام کا زمانہ سمجھا جاتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں بہت سی ایسی شخصیات بھی سامنے آئیں جو اقتدار کی کشمکش، سیاسی رقابت اور حکومتی سختیوں کے باعث مظلومیت کا شکار ہوئیں۔ سنہ 141ھ اسی عباسی دور کے ابتدائی زمانے کا ایک اہم سال ہے۔ اس وقت خلافت ابو جعفر منصور کے ہاتھ میں تھی اور اس نے اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے لیے سخت داخلی پالیسی اختیار کی۔ اسی پس منظر میں اہلِ بیت کے افراد، بعض صالح علما اور کئی خطوں کے باشندے سیاسی و عسکری کارروائیوں کی زد میں آئے۔ چنانچہ سنہ 141ھ کے واقعات میں ہمیں ایسے کئی پہلو ملتے ہیں جو اسلام کی مظلوم شخصیات کے

موضوع کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے ہیں۔

1-عباسی حکومت اور ساداتِ علویہ پر نگرانی: عباسی خلافت کے ابتدائی زمانے میں اہلِ بیتِ نبوی کے افراد خصوصاً اولادِ حسن بن علیؓ کو حکومت کی جانب سے سخت نگرانی اور سیاسی دباؤ کا سامنا تھا۔ عباسیوں نے خلافت کے قیام کے وقت اہلِ بیت کے نام کو بطورِ شعار استعمال کیا، لیکن اقتدار ملنے کے بعد انہیں یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ علوی سادات خلافت کے حقیقی دعوے دار بن سکتے ہیں۔ امام عبداللہ بن حسن بن حسن اور ان کے صاحبزادوں (جن میں بعد میں مشہور ہونے والے محمد نفس زکیہ بھی شامل تھے) پر حکومت کی طرف سے کڑی نظر رکھی گئی اور ان کی نقل و حرکت محدود کر دی گئی۔ امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں: **وكان أبو جعفر المنصور يتتبع أخبار بني الحسن، ويخاف خروجهم عليه، فشدّد الرقابة عليهم.** ترجمہ: ابوجعفر منصور بنی حسن کی خبروں کی مسلسل نگرانی کرتا تھا اور اسے ان کے خروج کا خوف رہتا تھا، اس لیے اس نے ان پر سخت نگرانی قائم کر دی۔ یہ صورتحال اہلِ بیت کے ان افراد کے لیے شدید اذیت کا باعث تھی، کیونکہ انہیں سیاسی سرگرمیوں سے روکا جاتا اور ان کی مجالس و روابط پر پابندیاں عائد کی جاتی تھیں۔ تشریح: یہ واقعہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ عباسی حکومت کے استحکام کے لیے اہلِ بیت کے بعض افراد کو سیاسی طور پر دبایا گیا۔ بعد کے سالوں میں یہی دباؤ بڑی تحریکوں اور سانحات کا سبب بنا، جن میں محمد نفس زکیہ کی شہادت بھی شامل ہے۔

2-طبرستان کی مہم اور مقامی باشندوں کی مظلومیت: سنہ 141ھ میں عباسی حکومت نے ایران کے شمالی خطے طبرستان پر اپنی عملداری قائم کرنے کے لیے عسکری مہم شروع کی۔ اس علاقے پر دابویہ خاندان کی حکومت تھی اور مقامی باشندے عباسی اقتدار کو قبول کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ خلیفہ منصور نے اپنے بیٹے محمد المہدی کو اس مہم کا قائد مقرر کیا اور اس کے ساتھ متعدد جرنیلوں کو بھی روانہ کیا۔ تاریخی مصادر کے مطابق اس مہم کے دوران شدید جنگیں ہوئیں اور بہت سے مقامی باشندے قتل ہوئے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ عباسی لشکر نے قلعوں کا محاصرہ کیا اور بعض علاقوں میں سخت کارروائیاں کیں، جس کے نتیجے میں بہت سے افراد قتل یا قید ہوئے۔ **تشریح:** اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ عباسی سلطنت کی توسیع کے عمل میں کئی خطوں کے باشندے جنگ اور محاصرے کی مصیبتوں سے دوچار ہوئے۔ ان میں بہت سے عام لوگ بھی شامل تھے جو سیاسی کشمکش کے سبب مظلوم بن گئے۔

3-اہلِ بیت کے ائمہ پر حکومتی دباؤ: اسی دور میں امام جعفر الصادقؒ جیسے جلیل القدر عالم اور اہلِ بیت کے امام کو بھی عباسی حکومت کی نگرانی اور دباؤ کا سامنا کرنا پڑا۔ خلیفہ منصور کو اندیشہ تھا کہ علمی و روحانی اثر و رسوخ رکھنے والی شخصیات سیاسی بغاوت کا مرکز بن سکتی ہیں۔ چنانچہ بعض روایات کے مطابق امام جعفر صادقؒ کو مدینہ میں محدود کر دیا گیا اور ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھی جاتی تھی۔ بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ منصور نے وقتاً فوقتاً انہیں مدینہ سے طلب بھی کیا تاکہ ان کی نگرانی کی جا سکے۔ **تشریح:** یہ

صورتحال اس دور کے اہلِ علم کے لیے نہایت مشکل تھی، کیونکہ وہ براہِ راست سیاسی میدان میں نہ ہونے کے باوجود حکومتی شکوک وشبہات کا شکار رہتے تھے۔

4-عباسی سیاست اور خوف کا ماحول: سنہ 141ھ کے عباسی دور میں حکومت کے استحکام کے لیے سخت پالیسی اپنائی گئی۔ منصور نے اپنی حکومت کے مخالفین یا مشتبہ افراد کے خلاف کڑی کارروائی کی۔ اسی لیے اس دور کی تاریخ میں ایک عمومی کیفیت یہ نظر آتی ہے کہ: سیاسی مخالفین کو قید کیا جاتا تھا، اہلِ بیت کے بعض افراد پر پابندیاں تھیں، کئی علاقوں میں عسکری کارروائیاں جاری تھیں۔ یہ تمام عوامل اس زمانے کے بہت سے افراد کی مظلومیت کا سبب بنے۔

خلاصہ ونتائج: سنہ 141ھ عباسی خلافت کے ابتدائی استحکامی دور کا اہم سال تھا۔ اس سال کے واقعات سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں: 1-عباسی حکومت نے اپنے اقتدار کو مضبوط بنانے کے لیے سخت سیاسی اقدامات کیے۔ 2-اہلِ بیت خصوصاً ساداتِ علویہ پر کڑی نگرانی رکھی گئی جس سے ان کی سیاسی وسماجی آزادی متاثر ہوئی۔ 3-طبرستان جیسے علاقوں میں عسکری مہمات کے نتیجے میں مقامی باشندے شدید مصائب کا شکار ہوئے۔ 4-اس دور میں اہلِ علم اور اہلِ بیت کے بعض افراد کو بھی حکومتی شکوک وشبہات کی وجہ سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ یوں سنہ 141ھ کے یہ واقعات اسلامی تاریخ کے اس پہلو کو نمایاں کرتے ہیں کہ سیاسی کشمکش کے زمانوں میں بہت سی نیک اور صالح شخصیات مظلومیت کا شکار ہوئیں۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الأمم والملوک، دار التراث، بیروت، ج7، 1967۔ 2-ابن الأثیر، عز الدین، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج 5، 1987۔ 3-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، دار ہجر، القاہرۃ، ج10، 1997۔ 4-الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ج 6، 1985۔ 5- Madelung, W., The Cambridge History of Iran, Cambridge University Press, 1975۔

سنہ 142ھ کے اہم واقعات اور مظلوم شخصیات

اسلامی تاریخ کے عباسی دور کا ابتدائی زمانہ سیاسی کشمکش، اقتدار کی مضبوطی اور مختلف قبائل و خاندانوں کے درمیان رقابتوں سے بھرا ہوا تھا۔ سنہ 142ھ اسی عباسی عہد کے ابتدائی مرحلے کا ایک اہم سال ہے۔ اس وقت خلافت ابوجعفر منصور کے ہاتھ میں تھی، جو عباسی سلطنت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کے لیے نہایت سخت اور محتاط پالیسی اختیار کیے ہوئے تھا۔ اس زمانے میں کئی ایسی شخصیات سامنے آئیں جنہوں نے سیاسی جبر، عسکری کارروائیوں اور حکومتی سختیوں کا سامنا کیا۔ بعض اہلِ بیت کے افراد، بعض مقامی حکمران اور کئی عام مسلمان اس سیاسی کشمکش کے سبب مظلومیت کا شکار ہوئے۔ اس مقالے میں سنہ 142ھ کے ان اہم واقعات کو علمی و تحقیقی انداز میں

پیش کیا جارہا ہے جو اسلام کی مظلوم شخصیات کے موضوع سے مناسبت رکھتے ہیں۔

1-طبرستان میں عباسی لشکر کی کارروائیاں اور مقامی باشندوں کی آزمائش:

سنہ 142ھ میں عباسی حکومت نے شمالی ایران کے علاقے طبرستان میں اپنی سیاسی گرفت مضبوط کرنے کے لیے عسکری کارروائیاں جاری رکھیں۔اس خطے میں مقامی حکمران خاندان اور باشندے عباسی اقتدار کے سامنے پوری طرح مطیع نہ تھے۔مورخ ابن اثیر اس سلسلے میں لکھتے ہیں:**وفی هذه السنة اشتد أمر طبرستان، وسار إليها عمال المنصور فكانت بينهم وقائع شديدة.** ترجمہ:اسی سال طبرستان کا معاملہ سخت ہوگیا اور منصور کے مقرر کردہ حکام وہاں گئے،جس کے نتیجے میں سخت جنگیں ہوئیں۔**تشریح:** اس مہم کے دوران مقامی آبادی کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ قلعوں کا محاصرہ، جنگی جھڑپیں اور انتظامی تبدیلیاں عام لوگوں کے لیے تکلیف دہ ثابت ہوئیں۔ بہت سے لوگ قتل یا قید ہوئے اور کئی خاندان بے گھر ہو گئے۔اس طرح یہ واقعہ اس زمانے کے مظلوم طبقات کی ایک نمایاں مثال ہے۔

2-علوی سادات پر سیاسی دباؤ: عباسی خلافت کے قیام کے بعد اہلِ بیت خصوصاً اولادِ حسن بن علیؓ کے افراد کو حکومتی نگرانی اور سیاسی دباؤ کا سامنا رہا۔ سنہ 142ھ میں بھی یہ کیفیت برقرار رہی۔مورخ طبری لکھتے ہیں:**وكان المنصور يخاف خروج بني الحسن، فكان يتتبع أخبارهم ويشدّد عليهم.** ترجمہ:منصور کو بنی حسن کے خروج کا اندیشہ رہتا تھا،اس لیے وہ ان کی خبروں کی نگرانی کرتا اور ان پر سختی کرتا

تھا۔**تشریح:** یہ نگرانی دراصل اس خوف کی علامت تھی کہ اہلِ بیت کے بعض افراد عوامی مقبولیت کے باعث خلافت کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔اس وجہ سے انہیں آزادی سے سیاسی یا سماجی سرگرمیاں انجام دینے کا موقع کم ملتا تھا۔یہی دباؤ بعد میں بڑے سانحات کا سبب بنا۔

3-خراسان میں عباسی انتظامی تبدیلیاں اور مقامی مزاحمت: سنہ 142ھ میں خراسان کے بعض علاقوں میں بھی انتظامی تبدیلیاں کی گئیں۔عباسی حکومت نے اپنے وفادار گورنروں کو مقرر کیا تا کہ سلطنت کی بنیادیں مزید مضبوط ہوں۔لیکن بعض علاقوں میں اس تبدیلی کے خلاف مزاحمت بھی سامنے آئی۔ابن کثیر لکھتے ہیں: **وفی هذه السنة كانت بعض الفتن بخراسان بسبب تبديل الولاة وتشديد السلطان.** ترجمہ: اسی سال خراسان میں بعض فتنوں کا ظہور ہوا، جس کا سبب گورنروں کی تبدیلی اور حکومت کی سختی تھی۔**تشریح:** اس طرح کے حالات میں عام لوگ سب سے زیادہ متاثر ہوتے تھے۔سیاسی تنازعات اور فوجی کارروائیوں کا بوجھ اکثر عوام کو برداشت کرنا پڑتا تھا۔اس لیے خراسان کے ان واقعات کو بھی اس دور کے مظلوم طبقات کی تاریخ میں شمار کیا جاتا ہے۔

4-اہلِ علم کی محتاط زندگی: عباسی دور کے اس ابتدائی زمانے میں اہلِ علم بھی نہایت محتاط زندگی گزار رہے تھے۔اگرچہ سنہ 142ھ میں کسی بڑے عالم کی شہادت یا قید کا واقعہ واضح طور پر مذکور نہیں، لیکن عمومی ماحول ایسا تھا کہ علما اور محدثین حکومتی معاملات

میں مداخلت سے گریز کرتے تھے۔امام ذہبی اس دور کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:**وکانت الدولة فی أولها شدیدة الهیبة، یخاف الناس سطوة السلطان.** ترجمہ:عباسی حکومت اپنے ابتدائی زمانے میں بڑی ہیبت والی تھی اور لوگ سلطان کے رعب سے خوفزدہ رہتے تھے۔**تشریح:** یہ فضا اس بات کی غماز تھی کہ سیاسی طاقت کا مرکز انتہائی مضبوط تھا اور اختلاف کی گنجائش محدود تھی۔اس ماحول میں بہت سے صالح افراد خاموشی اور احتیاط کی زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔

خلاصہ ونتائج: سنہ 142ھ کے تاریخی واقعات سے درج ذیل اہم نتائج سامنے آتے ہیں:1-عباسی خلافت اپنے ابتدائی مرحلے میں سلطنت کے استحکام کے لیے سخت پالیسی اختیار کیے ہوئے تھی۔2-طبرستان اور خراسان جیسے علاقوں میں عسکری اور انتظامی کارروائیوں کے نتیجے میں عام باشندوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔3-اہلِ بیت خصوصاً ساداتِ علویہ پر حکومتی نگرانی اور سیاسی دباؤ موجود تھا۔4-اس دور میں حکومت کی ہیبت اور سختی کے باعث اہلِ علم اور عام مسلمان محتاط زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔یوں سنہ 142ھ کے واقعات یہ واضح کرتے ہیں کہ سیاسی استحکام کے عمل میں کئی افراد اور طبقات مظلومیت اور مصائب کا شکار ہوئے۔

مصادر ومراجع:1-الطبری،محمد بن جریر،تاریخ الأمم والملوک،دار التراث، بیروت،ج 7،ص 553، 1967۔2-ابن الأثیر،عز الدین،الکامل فی التاریخ،دار الکتب العلمیة، بیروت، ج 5،ص 449، 1987۔3-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر،

البدایۃ والنہایۃ، دار ہجر، القاہرۃ، ج10، ص86، 1997۔ 4- الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ج6، ص257، 1985۔ 5- البلاذری، أحمد بن یحیی، أنساب الأشراف، دار الفکر، بیروت، ج3، ص214، 1996۔

سنہ 143ھ کے مظلومین اور اہم واقعات

اسلامی تاریخ میں عباسی خلافت کا ابتدائی دور سیاسی استحکام، انتظامی تنظیم اور مختلف سیاسی تحریکوں کے دباؤ کا زمانہ تھا۔ سنہ 143ھ اسی عہد کا ایک اہم سال ہے جس میں خلافت ابوجعفر منصور کے ہاتھ میں تھی۔ منصور اپنی سیاسی بصیرت، انتظامی سختی اور سلطنت کو مستحکم کرنے کی کوششوں کے لیے مشہور ہے، لیکن اسی زمانے میں بعض طبقات کو حکومتی پالیسیوں اور سیاسی کشمکش کے سبب سخت آزمائشوں سے بھی گزرنا پڑا۔ اس سال کے واقعات میں اہلِ بیت کے افراد پر مسلسل نگرانی، بعض علاقوں میں عسکری کارروائیاں اور سیاسی مزاحمت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مشکلات نمایاں ہیں۔ ان واقعات کا مطالعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ عباسی دور کے ابتدائی سالوں میں بہت سے افراد سیاسی حالات کے سبب مظلومیت کا شکار ہوئے۔ ذیل میں سنہ 143ھ کے چند اہم واقعات کو مستند تاریخی مصادر کی روشنی میں بیان کیا جاتا ہے۔

1- ساداتِ علویہ پر عباسی حکومت کی نگرانی: عباسی خلافت کے قیام کے بعد اہلِ بیت خصوصاً اولادِ حسن بن علیؓ کو حکومتی نگرانی کا سامنا کرنا پڑا۔ سنہ 143ھ میں بھی

یہ کیفیت برقرار رہی اور عباسی حکومت ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ امام طبری اس پس منظر کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **و کان المنصور شدید الخوف من خروج العلویین، فکان یتتبع أخبار بنی الحسن ویأمر عماله بمراقبتهم.** ترجمہ: منصور کو علویوں کے خروج کا شدید خوف تھا، اس لیے وہ بنی حسن کی خبریں معلوم کرتا رہتا اور اپنے گورنروں کو ان پر نگرانی کا حکم دیتا تھا۔ **تشریح:** اس نگرانی کے باعث اہلِ بیت کے ان افراد کی سماجی اور سیاسی سرگرمیاں محدود ہو گئیں۔ عوام میں ان کی مقبولیت عباسی حکومت کے لیے ایک ممکنہ خطرہ سمجھی جاتی تھی۔ اس طرح وہ براہِ راست ظلم و جبر کا شکار نہ ہونے کے باوجود سیاسی دباؤ اور نگرانی کی حالت میں زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔

2-خراسان میں بعض سیاسی اضطرابات: سنہ 143ھ میں خراسان عباسی سلطنت کا نہایت اہم خطہ تھا۔ یہی وہ علاقہ تھا جہاں سے عباسی تحریک نے قوت حاصل کی تھی۔ لیکن خلافت کے قیام کے بعد یہاں انتظامی تبدیلیاں اور بعض سیاسی اختلافات پیدا ہوئے۔ مورخ ابن اثیر اس زمانے کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **و کان بخراسان فی هذه المدة شیء من الاضطراب بسبب اختلاف العمال وتشدید السلطان.** ترجمہ: اس زمانے میں خراسان میں کچھ اضطراب پیدا ہو گیا تھا، جس کی وجہ حکام کے درمیان اختلاف اور حکومت کی سختی تھی۔ **تشریح:** جب بھی کسی خطے میں سیاسی اضطراب پیدا ہوتا ہے تو اس کا سب سے زیادہ اثر عام لوگوں پر پڑتا ہے۔ خراسان کے بعض علاقوں میں بھی یہی صورتحال پیدا ہوئی۔ انتظامی تبدیلیوں اور سیاسی

کشمکش کے نتیجے میں عام باشندے عدمِ استحکام اور مشکلات کا شکار ہوئے۔

3-سرحدی علاقوں میں جنگی حالات: عباسی دور میں رومی سرحدوں پر بھی جھڑپیں اور جنگی کارروائیاں جاری رہتی تھیں۔ سنہ 143ھ میں بھی سرحدی علاقوں میں بعض جنگی مہمات کا ذکر ملتا ہے۔ مورخ ابن کثیر لکھتے ہیں: **وفی هذه السنة كانت غزوات فی نواحی الروم، ووقعت وقائع بين المسلمين والروم.** ترجمہ: اسی سال رومی سرحدوں کی طرف کئی جنگی مہمات ہوئیں اور مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان لڑائیاں پیش آئیں۔ **تشریح:** اگرچہ یہ جنگیں سرحدی دفاع کے لیے تھیں، لیکن ان میں شامل بہت سے سپاہی اور سرحدی علاقوں کے باشندے سخت مصائب کا سامنا کرتے تھے۔ جنگی حالات، قید و اسارت اور ہلاکتیں اس دور کے بہت سے افراد کے لیے آزمائش کا سبب بنتی تھیں۔

4-عباسی حکومت کی ہیبت اور عوامی زندگی: عباسی خلافت کے ابتدائی زمانے میں حکومت کی ہیبت بہت زیادہ تھی۔ خلیفہ منصور اپنی مضبوط سیاسی گرفت اور سخت نظم و ضبط کے لیے مشہور تھا۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: **وكان أبو جعفر المنصور مهيباً شديداً فی أمر الدولة.** ترجمہ: ابوجعفر منصور حکومت کے معاملات میں نہایت باہیبت اور سخت تھا۔ **تشریح:** اس سخت نظم و ضبط کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ عوام اور سیاسی شخصیات حکومت کے سامنے انتہائی محتاط رویہ اختیار کرتے تھے۔ اختلاف یا مزاحمت کی صورت میں سخت کارروائی کا اندیشہ رہتا تھا۔ اس ماحول میں بہت سے افراد خوف

اور احتیاط کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔

خلاصہ ونتائج: سنہ 143ھ کے تاریخی واقعات سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں: 1-عباسی خلافت کے ابتدائی دور میں سیاسی استحکام کے لیے سخت پالیسی اختیار کی گئی۔ 2-اہلِ بیت خصوصاً ساداتِ علویہ کو حکومتی نگرانی اور سیاسی دباؤ کا سامنا تھا۔ 3-خراسان اور دیگر علاقوں میں انتظامی تبدیلیوں کے باعث بعض سیاسی اضطرابات پیدا ہوئے۔ 4-سرحدی جنگوں اور عسکری مہمات کے نتیجے میں بہت سے افراد مصائب اور مظلومیت کا شکار ہوئے۔ اس طرح سنہ 143ھ کے واقعات اسلامی تاریخ کے اس پہلو کو نمایاں کرتے ہیں کہ سیاسی استحکام کے دور میں بھی بعض طبقات اور افراد مشکلات اور آزمائشوں سے دوچار رہے۔

مصادر ومراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الأمم والملوک، دار التراث، بیروت، ج 7، ص 567، 1967۔ 2-ابن الأثیر، عز الدین، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج 5، ص 455، 1987۔ 3-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، دار ہجر، القاہرۃ، ج 10، ص 98، 1997۔ 4-الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ج 6، ص 271، 1985۔ 5-البلاذری، أحمد بن یحیی، أنساب الأشراف، دار الفکر، بیروت، ج 3، ص 228، 1996۔

سنہ 144ھ کے مظلومین اور اہم واقعات

اسلامی تاریخ میں عباسی خلافت کا ابتدائی زمانہ سیاسی استحکام اور اقتدار کے

استقرار کی شدید کوششوں کا دور تھا۔ خلیفہ ابو جعفر منصور (حکومت: 136-158ھ) اپنی سیاسی بصیرت اور سخت حکومتی پالیسیوں کے لیے معروف تھا۔ اس نے سلطنت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کے لیے مختلف داخلی چیلنجوں کا مقابلہ کیا، لیکن اسی عمل میں بعض خاندانوں اور شخصیات کو سخت آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ سنہ 144ھ کا سال اسلامی تاریخ میں اس لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا ہے کہ اس سال ساداتِ علویہ کے مشہور فرد محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علیؓ المعروف محمد نفسِ زکیہ کی تحریک اپنے عروج کے قریب پہنچ گئی۔ اگرچہ ان کی شہادت اگلے سال (145ھ) میں واقع ہوئی، لیکن 144ھ میں ان کے خلاف عباسی حکومت کی سخت کارروائیاں شروع ہو چکی تھیں۔ یہی وہ حالات تھے جنہوں نے بعد میں ایک بڑے سانحے کو جنم دیا۔

1- ساداتِ علویہ کی گرفتاری اور قید و بند: سنہ 144ھ میں عباسی حکومت نے اہلِ بیت خصوصاً اولادِ حسن بن علیؓ کے خلاف سخت اقدامات شروع کیے۔ خلیفہ منصور کو اندیشہ تھا کہ یہ خاندان خلافت کے لیے سیاسی خطرہ بن سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے مدینہ اور دیگر علاقوں میں ان کی نگرانی سخت کر دی اور بعض افراد کو گرفتار کر لیا۔ امام طبری اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **فأمر المنصور بالقبض على جماعة من بني الحسن، فحملوا إليه وحبسوا عنده**. ترجمہ: منصور نے بنی حسن کے ایک گروہ کو گرفتار کرنے کا حکم دیا، چنانچہ انہیں پکڑ کر اس کے پاس لایا گیا اور قید کر دیا گیا۔ **تشریح:** ان قیدیوں میں اہلِ بیت کے کئی معزز افراد شامل تھے۔ ان کی گرفتاری نے مدینہ اور دیگر

علاقوں میں شدید اضطراب پیدا کیا۔ یہ واقعہ اس بات کی واضح مثال ہے کہ سیاسی اختلافات کے نتیجے میں اہلِ بیت کے افراد کو قید و بند کی سختیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

2-محمد نفس زکیہ کی خفیہ تحریک: سنہ 144ھ میں اہلِ بیت کے مشہور فرد محمد بن عبداللہ بن حسن المعروف نفسِ زکیہ نے عباسی حکومت کے خلاف خفیہ طور پر اپنی تحریک کو منظّم کرنا شروع کیا۔ وہ اپنے نسب، تقویٰ اور علم کی وجہ سے اہلِ مدینہ اور دیگر علاقوں میں بڑی مقبولیت رکھتے تھے۔ مورخ ابن اثیر لکھتے ہیں: **وكان محمد بن عبد الله بن الحسن يدعو لنفسه بالخلافة، ويبايعه الناس سرّاً.** ترجمہ: محمد بن عبداللہ بن حسن اپنے لیے خلافت کی دعوت دیتے تھے اور لوگ خفیہ طور پر ان کی بیعت کرتے تھے۔ **تشریح:** یہ بیعتیں دراصل عباسی حکومت کے خلاف ایک خاموش سیاسی تحریک کی علامت تھیں۔ تاہم عباسی حکومت کو جب اس تحریک کی خبر ہوئی تو اس نے مزید سخت اقدامات شروع کر دیے۔ اس طرح اس تحریک کے حامیوں اور اہلِ بیت کے افراد پر دباؤ بڑھ گیا۔

3-مدینہ میں خوف اور نگرانی کا ماحول: سنہ 144ھ میں مدینہ منورہ سیاسی طور پر نہایت حساس شہر بن چکا تھا۔ یہاں اہلِ بیت کے افراد، علما اور عام لوگ عباسی حکومت اور علوی تحریک کے درمیان کشمکش کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ ابن کثیر اس صورتحال کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **وكان أهل المدينة يذكرون أمر محمد بن عبد الله ويترقبون خروجه.** ترجمہ: اہلِ مدینہ محمد بن عبداللہ کے

معاملے کا ذکر کرتے تھے اور ان کے خروج کا انتظار کر رہے تھے۔ **تشریح:** اس ماحول میں حکومت نے نگرانی مزید سخت کر دی۔ جاسوس مقرر کیے گئے اور مشتبہ افراد کی نقل و حرکت پر نظر رکھی جانے لگی۔ اس صورتحال میں بہت سے افراد خوف اور بے چینی کی کیفیت میں زندگی گزار رہے تھے۔

4-اہلِ بیت کے افراد کی قید اور ان کی آزمائش: عباسی حکومت نے جن علوی افراد کو گرفتار کیا تھا ان میں بعض معزز اور صالح شخصیات بھی شامل تھیں۔ انہیں مختلف مقامات پر قید رکھا گیا اور ان کے ساتھ سختی کی گئی۔ امام بلاذری لکھتے ہیں:

وحبس المنصور جماعة من ولد الحسن، وضيق عليهم في الحبس.

ترجمہ: منصور نے اولادِ حسن کے ایک گروہ کو قید کر دیا اور قید میں ان پر سختی کی۔ **تشریح:** یہ قید و بند دراصل اس سیاسی کشمکش کا نتیجہ تھا جو عباسی حکومت اور علوی خاندان کے درمیان جاری تھی۔ اس طرح اہلِ بیت کے کئی افراد مظلومانہ حالات سے دوچار ہوئے۔

خلاصہ و نتائج: سنہ 144ھ کے تاریخی واقعات سے درج ذیل اہم نتائج سامنے آتے ہیں: 1-عباسی خلافت کے استحکام کے لیے خلیفہ منصور نے سخت سیاسی اقدامات کیے۔ 2-اہلِ بیت خصوصاً اولادِ حسن بن علیؓ کے کئی افراد کو گرفتار کر کے قید میں رکھا گیا۔ 3-محمد نفس زکیہ کی خفیہ تحریک اس سال اپنے عروج کی طرف بڑھ رہی تھی۔ 4-مدینہ اور دیگر علاقوں میں سیاسی کشمکش کے باعث خوف اور اضطراب کا ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ یہ تمام واقعات اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ سنہ 144ھ

اسلامی تاریخ میں اہلِ بیت کے بعض افراد کی مظلومیت اور سیاسی آزمائش کا اہم زمانہ تھا، جس کے نتیجے میں اگلے سال ایک بڑا سانحہ پیش آیا۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الأمم والملوک، دار التراث، بیروت، ج 7، ص 579، 1967۔ 2-ابن الأثیر، عز الدین، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج 5، ص 470، 1987۔ 3-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، دار ہجر، القاہرۃ، ج 10، ص 112، 1997۔ 4-البلاذری، أحمد بن یحیی، أنساب الأشراف، دار الفکر، بیروت، ج 3، ص 245، 1996۔ 5-الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ج 6، ص 289، 1985۔

سنہ 145ھ کے مظلومین اور اہم واقعات

اسلامی تاریخ میں عباسی خلافت کے ابتدائی سال شدید سیاسی کشمکش اور اقتدار کی مضبوطی کے زمانے تھے۔ خلیفہ ابو جعفر منصور (حکومت: 136-158ھ) نے عباسی حکومت کو مستحکم کرنے کے لیے سخت سیاسی اقدامات اختیار کیے۔ اسی زمانے میں اہلِ بیت کے بعض افراد نے خلافت کے دعوے کے ساتھ قیام کیا جس کے نتیجے میں اسلامی تاریخ کے چند نہایت اہم اور المناک واقعات پیش آئے۔

سنہ 145ھ انہی اہم سالوں میں سے ہے۔ اس سال محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علیؓ المعروف محمد نفسِ زکیہ کی تحریک اپنے نقطۂ عروج تک پہنچی اور مدینہ منورہ

میں ان کی شہادت واقع ہوئی۔اسی سال ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ بن حسن نے بصرہ میں قیام کیا جس کا انجام بھی شہادت پر ہوا۔یہ دونوں واقعات اہلِ بیت کے افراد کی مظلومیت اور عباسی دور کی سیاسی کشمکش کا نہایت نمایاں باب ہیں۔

1-محمد نفسِ زکیہ کا قیام اور مدینہ میں شہادت: محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علیؓ، جو نفسِ زکیہ کے لقب سے معروف تھے، نہایت متقی، عالم اور شریف النفس شخصیت تھے۔ان کا نسب براہِ راست حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ سے جا ملتا تھا۔اہلِ مدینہ اور حجاز کے بہت سے لوگ ان کی دیانت، علم اور تقویٰ کی وجہ سے انہیں خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے۔جب عباسی حکومت نے اہلِ بیت کے افراد پر سختی شروع کی تو محمد نفسِ زکیہ نے مدینہ میں قیام کیا۔لوگوں نے ان کی بیعت کی اور انہیں خلیفہ تسلیم کیا۔امام طبری اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **فخرج محمد بن عبد الله بن الحسن بالمدينة، فبايعه الناس ولقب بالنفس الزكية.**

ترجمہ: محمد بن عبداللہ بن حسن مدینہ میں کھڑے ہوئے، لوگوں نے ان کی بیعت کی اور انہیں 'نفسِ زکیہ' کے لقب سے پکارا گیا۔خلیفہ منصور نے اس قیام کو ختم کرنے کے لیے اپنے سپہ سالار عیسیٰ بن موسیٰ کو لشکر کے ساتھ مدینہ روانہ کیا۔دونوں لشکروں کے درمیان شدید جنگ ہوئی اور بالآخر محمد نفس زکیہ شہید ہو گئے۔ابن اثیر لکھتے ہیں: **فقتل محمد بن عبد الله بن الحسن بالمدينة سنة خمس وأربعين ومائة.**

ترجمہ: محمد بن عبداللہ بن حسن سنہ 145ھ میں مدینہ میں قتل (شہید) کر دیے گئے۔

تشریح: محمد نفس زکیہ کی شہادت اسلامی تاریخ کا ایک نہایت دردناک واقعہ ہے۔ وہ اہلِ بیت کے ایک جلیل القدر فرد تھے اور ان کی تحریک کو حجاز میں بڑی حمایت حاصل تھی۔ ان کی شہادت نے اہلِ بیت کے حامیوں میں شدید غم واندوہ پیدا کیا۔

2-ابراہیم بن عبداللہ بن حسن کا قیام اور شہادت: محمد نفس زکیہ کی شہادت کے بعد ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ بن حسن نے بصرہ میں قیام کیا۔ وہ بھی نہایت باصلاحیت، بہادر اور اہلِ بیت کے معزز فرد تھے۔ بصرہ اور عراق کے کئی لوگوں نے ان کی بیعت کی اور ایک بڑی جماعت ان کے ساتھ جمع ہوگئی۔ مورخ ابن کثیر لکھتے ہیں: **ثم خرج أخوه إبراهيم بالبصرة فبايعه خلق كثير** . ترجمہ: پھر ان کے بھائی ابراہیم بصرہ میں کھڑے ہوئے اور بہت سے لوگوں نے ان کی بیعت کی۔

عباسی حکومت نے اس قیام کو بھی سختی سے کچلنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ایک بڑی فوج ابراہیم کے مقابلے کے لیے روانہ کی گئی۔ دونوں لشکروں کے درمیان شدید جنگ ہوئی اور بالآخر ابراہیم بھی شہید ہوگئے۔ طبری لکھتے ہیں: **وقتل إبراهيم بن عبد الله بن الحسن سنة خمس وأربعين ومائة** . ترجمہ: ابراہیم بن عبداللہ بن حسن سنہ 145ھ میں قتل (شہید) کر دیے گئے۔ **تشریح:** ابراہیم بن عبداللہ کی شہادت نے علوی تحریک کو سخت نقصان پہنچایا۔ ان کی شخصیت علم، شجاعت اور قیادت کا حسین امتزاج تھی، لیکن سیاسی حالات نے انہیں بھی مظلومانہ انجام تک پہنچا دیا۔

3-اہلِ بیت کے حامیوں پر سختیاں: محمد نفس زکیہ اور ابراہیم بن عبداللہ کی

تحریکوں کے بعد عباسی حکومت نے ان کے حامیوں کے خلاف سخت کارروائیاں کیں۔ بہت سے افراد گرفتار کیے گئے اور بعض کو قتل بھی کیا گیا۔ بلاذری اس سلسلے میں لکھتے ہیں: **وأخذ المنصور جماعة من أصحاب محمد و إبراهيم فعاقبهم**. ترجمہ: منصور نے محمد اور ابراہیم کے ساتھیوں میں سے ایک جماعت کو گرفتار کیا اور انہیں سزا دی۔ **تشریح:** اس کارروائی کے نتیجے میں بہت سے خاندان متاثر ہوئے۔ کئی افراد قید و بند کی سختیوں میں مبتلا ہوئے اور بعض کو جلاوطنی کا سامنا کرنا پڑا

4-مدینہ اور عراق میں عمومی اضطراب: ان واقعات کے بعد مدینہ، بصرہ اور عراق کے کئی علاقوں میں شدید اضطراب پیدا ہو گیا۔ اہلِ بیت کے چاہنے والے اس سانحے سے شدید رنجیدہ تھے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: **و كانت فتنة محمد و إبراهيم من أعظم فتن بني العباس**. ترجمہ: محمد اور ابراہیم کی تحریک عباسی دور کی بڑی فتنوں میں سے تھی۔ **تشریح:** یہ واقعات عباسی خلافت کی ابتدائی تاریخ کا ایک اہم اور المناک باب ہیں۔ اس میں اہلِ بیت کے جلیل القدر افراد اور ان کے حامیوں نے اپنی جانیں قربان کیں۔

خلاصہ و نتائج: سنہ 145ھ اسلامی تاریخ کے نہایت اہم اور دردناک واقعات کا سال ہے۔ اس سال کے اہم نتائج درج ذیل ہیں: 1-محمد نفس زکیہ نے مدینہ میں قیام کیا اور اہلِ مدینہ کی ایک بڑی جماعت نے ان کی بیعت کی۔ 2-عباسی فوج کے ساتھ جنگ کے دوران وہ مدینہ میں شہید ہو گئے۔ 3-ان کے بھائی ابراہیم

بن عبداللہ نے بصرہ میں قیام کیا لیکن وہ بھی جنگ میں شہید کر دیے گئے۔ 4-ان دونوں تحریکوں کے بعد عباسی حکومت نے ان کے حامیوں کے خلاف سخت کارروائیاں کیں۔ یہ واقعات اسلامی تاریخ میں اہلِ بیت کی مظلومیت اور عباسی دور کی سیاسی کشمکش کا نہایت اہم باب ہیں۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الأمم والملوک، دار التراث، بیروت، ج7، ص600-610، 1967۔2-ابن الأثیر، عزالدین، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج5، ص484-489، 1987۔3-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، دار ہجر، القاہرۃ، ج10، ص118-123، 1997۔4-البلاذری، أحمد بن یحیی، أنساب الأشراف، دار الفکر، بیروت، ج3، ص260-270، 1996۔5-الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ج6، ص303-307، 1985۔

سنہ 146ھ کے مظلومین اور اہم واقعات

اسلامی تاریخ میں عباسی خلافت کے ابتدائی سال شدید سیاسی کشمکش اور اقتدار کے استحکام کا دور تھے۔ سنہ 145ھ میں اہلِ بیت کے جلیل القدر افراد محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ بن حسن کی شہادت کے بعد پورے عالمِ اسلام میں ایک گہرا اثر پیدا ہوا۔ اس سانحہ کے بعد عباسی حکومت نے اپنے اقتدار کو مضبوط بنانے کے

لیے مزید سخت اقدامات کیے۔ چنانچہ سنہ 146ھ میں اہلِ بیت کے باقی ماندہ افراد اور ان کے حامیوں پر کڑی نگرانی، گرفتاریوں اور بعض سخت سزاؤں کا سلسلہ جاری رہا۔ اس سال کے واقعات اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ عباسی حکومت کو علوی تحریک کے دوبارہ ابھرنے کا شدید اندیشہ تھا، اس لیے اس نے احتیاط اور سختی دونوں کو اختیار کیا۔ نتیجتاً بہت سے افراد قید و بند، نگرانی اور سیاسی دباؤ کا شکار ہوئے۔

1-علوی سادات کی گرفتاری اور قید: محمد نفس زکیہ اور ابراہیم بن عبداللہ کی شہادت کے بعد خلیفہ ابوجعفر منصور نے اہلِ بیت کے کئی افراد کو گرفتار کر لیا تاکہ مستقبل میں کسی نئی تحریک کا امکان باقی نہ رہے۔ امام طبری اس سلسلے میں لکھتے ہیں: **ثم تتبع المنصور بنی الحسن بعد قتل محمد و إبراهيم، فقبض على جماعة منهم وحبسهم.** ترجمہ: محمد اور ابراہیم کے قتل کے بعد منصور نے بنی حسن کا تعاقب کیا، چنانچہ ان میں سے ایک جماعت کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ **تشریح:** یہ گرفتاری دراصل عباسی حکومت کی احتیاطی پالیسی کا حصہ تھی۔ تاہم اس کے نتیجے میں اہلِ بیت کے کئی معزز افراد کو قید و بند کی سختیوں کا سامنا کرنا پڑا، جو اسلامی تاریخ کے مظلومانہ واقعات میں شمار ہوتے ہیں۔

2-مدینہ میں اہلِ بیت کے خاندانوں کی نگرانی: سنہ 146ھ میں مدینہ منورہ میں اہلِ بیت کے خاندانوں کی سرگرمیوں پر سخت نگرانی رکھی جا رہی تھی۔ حکومت کو اندیشہ تھا کہ حجاز دوبارہ کسی علوی تحریک کا مرکز بن سکتا ہے۔ مورخ ابن اثیر لکھتے ہیں: **وكان المنصور يراقب أمر بنی الحسن بالمدينة مراقبة شديدة.** ترجمہ: منصور مدینہ

میں بنی حسن کے حالات پر نہایت سخت نگرانی رکھتا تھا۔ **تشریح:** اس نگرانی کا نتیجہ یہ تھا کہ اہلِ بیت کے کئی افراد آزادانہ نقل وحرکت اور سماجی سرگرمیوں سے محروم ہو گئے۔ سیاسی ماحول خوف اور احتیاط سے بھر گیا تھا۔

3-علوی تحریک کے حامیوں کے خلاف کارروائیاں: محمد نفس زکیہ اور ابراہیم بن عبداللہ کی تحریکوں میں شامل بہت سے افراد کو سنہ 146ھ میں بھی سزا دی گئی۔ عباسی حکومت نے ان لوگوں کو اپنے اقتدار کے لیے خطرہ سمجھا۔ بلاذری اس بارے میں لکھتے ہیں: **وعاقب المنصور جماعة ممن كان مع محمد وإبراهيم، فحبس بعضهم وقتل بعضهم.** ترجمہ: منصور نے ان لوگوں میں سے ایک جماعت کو سزا دی جو محمد اور ابراہیم کے ساتھ تھے، ان میں سے بعض کو قید کیا اور بعض کو قتل کر دیا۔ **تشریح:** یہ کارروائیاں دراصل اس سیاسی کشمکش کا تسلسل تھیں جو علوی تحریک اور عباسی حکومت کے درمیان جاری تھی۔ اس کے نتیجے میں بہت سے افراد مظلومانہ حالات سے دوچار ہوئے۔

4-عباسی حکومت کا استحکام اور سیاسی خوف: سنہ 146ھ تک خلیفہ منصور نے اپنی حکومت کو بڑی حد تک مستحکم کر لیا تھا۔ لیکن اس استحکام کے ساتھ ساتھ حکومت کی ہیبت بھی بڑھ گئی تھی۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: **وكان المنصور شديد الهيبة، يخافه الناس خوفاً عظيماً.** ترجمہ: منصور بڑی ہیبت والا حکمران تھا اور لوگ اس سے بہت خوف کھاتے تھے۔ **تشریح:** اس ماحول میں اختلاف یا بغاوت کا تصور بھی لوگوں کے

لیے خطرناک ہوگیا تھا۔اسی وجہ سے بہت سے افراد خاموشی اور احتیاط کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔

خلاصہ ونتائج: سنہ 146ھ کے تاریخی واقعات سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:1-محمد نفس زکیہ اور ابراہیم بن عبداللہ کی شہادت کے بعد عباسی حکومت نے علوی سادات کے خلاف سخت اقدامات کیے۔2-اہلِ بیت کے کئی افراد کو گرفتار کرکے قید میں رکھا گیا۔3-مدینہ اور دیگر علاقوں میں اہلِ بیت کے خاندانوں کی سخت نگرانی جاری رہی۔4-علوی تحریک کے حامیوں کو سزائیں دی گئیں جس کے نتیجے میں بہت سے افراد مظلومانہ حالات کا شکار ہوئے۔اس طرح سنہ 146ھ اسلامی تاریخ میں اہلِ بیت کے افراد اور ان کے حامیوں کے لیے آزمائش اور مظلومیت کا ایک اہم باب ہے۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الأمم والملوک، دار التراث، بیروت، ج7،ص618-620، 1967۔2-ابن الأثیر،عزالدین،الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج5،ص492-494، 1987۔3-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، دار ہجر، القاہرۃ، ج10،ص130-132، 1997۔4-البلاذری، أحمد بن یحیی، أنساب الأشراف، دار الفکر، بیروت، ج3،ص272-275، 1996 5-الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ج6،ص310-312، 1985۔

سنہ 147ھ کے مظلومین اور اہم واقعات

عباسی خلافت کے ابتدائی دور میں سیاسی استحکام کے ساتھ ساتھ شدید داخلی کشمکش بھی جاری رہی۔ خصوصاً اہلِ بیتِ نبوی کے بعض افراد اور ان کے حامیوں کے ساتھ حکومت کے تعلقات کشیدہ تھے۔ سنہ 145ھ میں محمد نفسِ زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ بن حسن کی شہادت کے بعد عباسی حکومت نے علوی سادات پر کڑی نگرانی اور بعض سخت اقدامات کا سلسلہ جاری رکھا۔ سنہ 147ھ اسی سلسلے کا ایک اہم سال ہے۔ اس سال عباسی خلافت کے استحکام کے ساتھ ساتھ بعض ایسے واقعات پیش آئے جن میں اہلِ بیت کے افراد اور دیگر طبقات کو سیاسی دباؤ، نگرانی اور بعض اوقات قید و بند کا سامنا کرنا پڑا۔ ان واقعات کا مطالعہ اسلامی تاریخ کے اس پہلو کو واضح کرتا ہے جس میں سیاسی کشمکش کے سبب کئی افراد مظلومانہ حالات سے دوچار ہوئے۔

1-علوی سادات کی نگرانی اور قید کا تسلسل: محمد نفس زکیہ اور ابراہیم بن عبداللہ کی تحریکوں کے بعد عباسی حکومت کو اس بات کا شدید اندیشہ تھا کہ اہلِ بیت کے خاندان سے دوبارہ کوئی قیام نہ ہو جائے۔ چنانچہ سنہ 147ھ میں بھی اہلِ بیت خصوصاً اولادِ حسن بن علیؓ کی سرگرمیوں پر سخت نگرانی جاری رہی۔ امام طبری اس پس منظر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **وكان المنصور يتتبع أمر بني الحسن بعد وقعة محمد وإبراهيم، ويحبس من ظن به الميل إليهم** . ترجمہ: محمد اور ابراہیم کے

واقعہ کے بعد منصور بنی حسن کے حالات کی مسلسل نگرانی کرتا تھا اور جس کے بارے میں گمان ہوتا کہ وہ ان کی طرف مائل ہے اسے قید کر دیتا تھا۔ **تشریح:** یہ صورتحال اہلِ بیت کے افراد اور ان کے حامیوں کے لیے نہایت مشکل تھی۔ بہت سے لوگ صرف اس شبہے کی بنا پر قید یا نگرانی کا شکار ہو جاتے تھے کہ وہ علوی تحریک کے ہمدرد ہیں۔

2-مدینہ اور حجاز میں سیاسی خوف کا ماحول: سنہ 147ھ میں مدینہ منورہ اور حجاز کے دیگر علاقوں میں عباسی حکومت کی سیاسی گرفت بہت مضبوط ہو چکی تھی۔ اہلِ بیت کے حامیوں پر نظر رکھی جاتی تھی اور کسی بھی ممکنہ تحریک کو ابتدائی مرحلے میں روکنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ مورخ ابن اثیر لکھتے ہیں: **وكان أهل المدينة بعد مقتل محمد بن عبد الله في خوف شديد من السلطان.** ترجمہ: محمد بن عبداللہ کے قتل کے بعد اہلِ مدینہ حکومت کے خوف میں مبتلا تھے۔ **تشریح:** اس خوف کا سبب یہ تھا کہ عباسی حکومت کسی بھی ممکنہ بغاوت کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھی۔ چنانچہ لوگ سیاسی معاملات میں خاموشی اختیار کرنے پر مجبور تھے۔

3-علوی تحریک کے باقی ماندہ حامیوں کی سزا: محمد نفس زکیہ اور ابراہیم بن عبداللہ کے حامیوں میں سے بعض افراد اب بھی حکومت کے زیرِ نگرانی تھے۔ سنہ 147ھ میں بھی ان میں سے کئی افراد کو سزا دی گئی یا قید میں رکھا گیا۔ مورخ بلاذری لکھتے ہیں: **وظل المنصور يتتبع أصحاب محمد وإبراهيم، فيعاقب من ظفر به منهم.** ترجمہ: منصور محمد اور ابراہیم کے ساتھیوں کی تلاش جاری رکھتا تھا اور

جنہیں پکڑ لیتا انہیں سزا دیتا تھا۔**تشریح:** یہ اقدامات عباسی حکومت کی اس پالیسی کا حصہ تھے جس کا مقصد علوی تحریک کے تمام اثرات کو ختم کرنا تھا۔تاہم اس کے نتیجے میں بہت سے افراد مظلومانہ حالات کا شکار ہوئے۔

4-عباسی اقتدار کی ہیبت: سنہ 147ھ تک عباسی خلافت کی سیاسی قوت مضبوط ہو چکی تھی اور خلیفہ منصور کی ہیبت پورے عالمِ اسلام میں محسوس کی جاتی تھی۔امام ذہبی لکھتے ہیں:**وكان المنصور من أشد الخلفاء بأساً وهيبة.** ترجمہ:منصور خلفاء میں نہایت سخت اور باہیبت حکمران تھا۔**تشریح:** حکومت کی اسی ہیبت کے باعث عوام اور سیاسی شخصیات دونوں انتہائی محتاط رویہ اختیار کرتے تھے۔اختلاف یا بغاوت کی صورت میں سخت کارروائی کا اندیشہ ہمیشہ موجود رہتا تھا۔

خلاصہ ونتائج: سنہ 147ھ کے واقعات سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں: 1-محمد نفس زکیہ اور ابراہیم بن عبداللہ کی تحریکوں کے بعد علوی سادات پر سخت نگرانی جاری رہی۔2-مدینہ اور حجاز کے علاقوں میں عباسی حکومت کا خوف اور سیاسی دباؤ واضح طور پر محسوس کیا جاتا تھا۔3-علوی تحریک کے بعض حامیوں کو سزا دی گئی یا قید میں رکھا گیا۔4-خلیفہ منصور کی مضبوط سیاسی گرفت کے باعث حکومت کی ہیبت پورے عالمِ اسلام میں قائم ہو گئی۔ان واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ سنہ 147ھ بھی اسلامی تاریخ میں اہلِ بیت کے بعض افراد اور ان کے حامیوں کے لیے آزمائش اور مظلومیت کا زمانہ تھا۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الأمم والملوک، دار التراث، بیروت، ج7،ص623-625، 1967۔2-ابن الأثیر،عزالدین،الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج5،ص496-497، 1987۔3-ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، دار ہجر، القاہرۃ، ج10،ص134-135، 1997۔4-البلاذری، أحمد بن یحیی، أنساب الأشراف، دار الفکر، بیروت، ج3،ص 276-278، 1996۔5-الذہبی، شمس الدین، سیر أعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ج6،ص314-315، 1985۔

سنہ 148ھ کے اہم واقعات اور مظلوم شخصیات

اسلامی تاریخ میں بعض سال ایسے ہوتے ہیں جو علمی، سیاسی اور دینی اعتبار سے غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں۔سنہ 148ھ بھی انہی اہم ادوار میں سے ایک ہے۔ اس زمانے میں عباسی خلافت اپنے دوسرے طاقتور حکمران خلیفہ ابو جعفر منصور (حکومت:136-158ھ) کے زیرِ اقتدار تھی۔منصور عباسی ایک طرف انتظامی صلاحیت، سیاسی بصیرت اور سلطنت کی تنظیم کے اعتبار سے ممتاز تھا،لیکن دوسری طرف اس کے دور میں بعض اکابر علما اور اہلِ علم کو حکومتی دباؤ، آزمائش اور سیاسی سختیوں کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

سنہ 148ھ کی سب سے نمایاں اور تاریخی اہمیت رکھنے والی شخصیت امام

اعظم ابوحنیفہؒ ہیں، جن کا اسی سال انتقال ہوا۔ ان کی وفات صرف ایک عظیم فقیہ کی رحلت نہیں تھی بلکہ اسلامی علمی تاریخ میں ایک عہد کے اختتام کی علامت بھی تھی۔ ان کی زندگی کے آخری ایام حکومتی دباؤ، قید و بند اور آزمائش کے ماحول میں گزرے، جس کی بنا پر مؤرخین نے اس واقعہ کو علمی استقامت اور اصولی موقف کی ایک درخشاں مثال قرار دیا ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ: استقامت، آزمائش اور وفات (148ھ): امام ابوحنیفہؒ کا علمی مقام: امام اعظم نعمان بن ثابت ابوحنیفہؒ (80-148ھ) اسلامی فقہ کے عظیم ترین ائمہ میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے فقہ اسلامی کی تدوین، اصولِ اجتہاد کی تشکیل اور فقہی مسائل کی منظّم ترتیب میں غیر معمولی خدمات انجام دیں۔ ان کا مکتبۂ فکر بعد میں فقہ حنفی کے نام سے معروف ہوا جو عالم اسلام کے بڑے حصے میں رائج ہے۔ امام ذہبیؒ ان کے علمی مقام کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **الإمام، الفقيه، عالم العراق**. ترجمہ: وہ امام، فقیہ اور عراق کے سب سے بڑے عالم تھے۔ **تشریح:** امام ذہبی کے اس مختصر مگر جامع جملے سے واضح ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اپنے زمانے میں فقہ و اجتہاد کے سب سے نمایاں عالم سمجھے جاتے تھے اور عراق کا علمی مرکز ان کی ذات تھی۔

منصور عباسی کی طرف سے منصبِ قضا کی پیشکش: عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے امام ابوحنیفہؒ کے علمی مقام کو دیکھتے ہوئے انہیں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا منصب پیش کیا۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ نے یہ منصب قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ امام ابن

کثیر اس واقعہ کو یوں نقل کرتے ہیں: **طلبه المنصور ليلى القضاء فأبى، فضربه وحبسه.** ترجمہ: منصور نے انہیں قضا کا منصب قبول کرنے کے لیے طلب کیا، مگر انہوں نے انکار کر دیا، چنانچہ اس نے انہیں مارا اور قید کر دیا۔ **تشریح:** امام ابو حنیفہؒ کا یہ انکار دراصل ایک اصولی موقف تھا۔ وہ اس بات سے اندیشہ رکھتے تھے کہ حکومتی منصب قبول کرنے کی صورت میں ممکن ہے کہ انہیں ایسے فیصلے کرنے پڑیں جو سیاسی دباؤ کے باعث عدل و انصاف کے معیار پر پورے نہ اتریں۔ اس لیے انہوں نے عزیمت کا راستہ اختیار کیا اور منصب قبول نہ کیا۔

قید و بند اور حکومتی سختیاں: امام ابو حنیفہؒ کے انکار کے بعد عباسی حکومت نے انہیں قید کر دیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ دباؤ میں آ کر منصب قبول کر لیں۔ امام ذہبی اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **حبسه المنصور ببغداد وضربه ليلى القضاء فلم يفعل.** ترجمہ: منصور نے انہیں بغداد میں قید کیا اور قضا کا منصب قبول کرانے کے لیے انہیں مارا، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ **تشریح:** یہ واقعہ امام ابو حنیفہؒ کے کردار کی عظمت کو نمایاں کرتا ہے۔ انہوں نے نہ صرف حکومتی دباؤ کو برداشت کیا بلکہ اپنے اصولی موقف سے پیچھے ہٹنے کو بھی گوارا نہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے علما نے انہیں علمی استقامت کی علامت قرار دیا۔

وفاتِ امام ابو حنیفہؒ (148ھ): قید و بند اور سختیوں کے اسی ماحول میں سنہ 148ھ میں امام ابو حنیفہؒ کا انتقال ہوا۔ امام طبری لکھتے ہیں: **وفي هذه السنة مات**

أبـو حـنيفة النعمان بن ثابت . ترجمہ: اسی سال ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کا انتقال ہوا۔ اسی طرح امام ذہبی لکھتے ہیں: مـات أبو حنيفة سنة ثمان و أربعين و مائة . ترجمہ: امام ابوحنیفہ 148ھ میں وفات پا گئے۔ تشریح: مؤرخین کی اکثریت اسی قول کو راجح قرار دیتی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی وفات 150ھ کے قریب نہیں بلکہ 148ھ میں ہوئی۔ یہی قول تاریخ اور تراجم کی اکثر مستند کتابوں میں مذکور ہے۔

جنازہ اور عوامی عقیدت: امام ابوحنیفہؒ کی وفات کے بعد بغداد میں ان کا جنازہ غیر معمولی عوامی عقیدت کے ساتھ ادا کیا گیا۔ امام خطیب بغدادی لکھتے ہیں: صـلـى عـليه خلق كثير حتى قيل صلى عليه ست مرات لكثرة الناس . ترجمہ: ان کی نماز جنازہ میں بہت بڑی تعداد نے شرکت کی، یہاں تک کہا جاتا ہے کہ لوگوں کی کثرت کی وجہ سے ان کی نماز جنازہ چھ مرتبہ ادا کی گئی۔ **تشریح:** یہ واقعہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نہ صرف علما بلکہ عام مسلمانوں کے درمیان بھی انتہائی محبوب شخصیت تھے۔ ان کی وفات پر پورا بغداد سوگوار ہو گیا تھا۔

سنہ 148ھ کی تاریخی اہمیت: سنہ 148ھ اسلامی علمی تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سال ایک عظیم فقیہ اور مجتہد کا انتقال ہوا، علم و فقہ کا ایک درخشاں باب اپنے اختتام کو پہنچا، علمائے حق کی استقامت کی ایک مثال تاریخ میں محفوظ ہو گئی اسی بنا پر سنہ 148ھ کو اسلامی علمی تاریخ کے اہم ترین ادوار میں شمار کیا جاتا ہے۔

خلاصہ و نتائج: سنہ 148ھ اسلامی تاریخ میں ایک اہم سال ہے جس میں کئی

علمی و تاریخی پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ اس تحقیق سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں: 1-امام اعظم ابو حنیفہؒ اسلامی فقہ کے عظیم ترین ائمہ میں شمار ہوتے ہیں۔ 2-خلیفہ منصور عباسی نے انہیں منصبِ قضا پیش کیا جسے انہوں نے اصولی بنیادوں پر قبول نہیں کیا۔ 3-اس انکار کے نتیجے میں انہیں قید اور سختیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ 4-اسی ماحول میں سنہ 148ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ 5-ان کے جنازے میں غیر معمولی عوامی شرکت ان کی علمی عظمت اور مقبولیت کا واضح ثبوت ہے۔ یہ واقعہ اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ اسلامی تاریخ میں علمائے حق نے ظلم و جبر کے سامنے کبھی اپنے اصولوں کو قربان نہیں کیا بلکہ استقامت اور حق گوئی کی روشن مثال قائم کی۔

مصادر و مراجع: 1-محمد بن جریر، تاریخ الطبری، الامم الملک، دار التراث، بیروت، جلد 7، صفحہ 647، 1967۔ 2-الذہبی، شمس الدین، سیر الاعلام النبلا، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، جلد 6، صفحہ 390-403، 1985۔ 3-ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، دار الہجر، قاہرہ، جلد 10، صفحہ 145-147، 1997۔ 4-الخطیب البغدادی، احمد بن علی، تاریخ بغداد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، جلد 13، صفحہ 323-346، 2001۔ 5-المکی موفق بن احمد، مناقب ابی حنیفہ، دار الکتب العربی، بیروت، جلد 1، صفحہ 63-70، 1981۔

سنہ 149ھ کے مظلومین اور اہم واقعات

اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں بعض سال ایسے گزرے ہیں جن میں

سیاسی کشمکش، علمی تحریکات اور اہلِ بیت و اہلِ علم کی آزمائشوں کے واقعات نمایاں طور پر سامنے آتے ہیں۔ سنہ 149ھ بھی عباسی خلافت کے ابتدائی دور کا ایک اہم سال ہے۔ اس زمانے میں خلافت ابوجعفر منصور عباسی (136158ھ) کے ہاتھ میں تھی۔ منصور عباسی ایک نہایت باصلاحیت مگر سخت گیر حکمران تھا جس نے عباسی سلطنت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کیا، لیکن اس کے دور میں بعض اہلِ بیت اور دینی شخصیات کو سیاسی حالات کے باعث آزمائشوں کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

سنہ 149ھ کے اہم واقعات میں اہلِ بیت کے جلیل القدر فرد عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی اور ان کے خاندان کے افراد کی قید و بند کی حالت قابلِ ذکر ہے۔ یہ وہی خاندان ہے جس سے پہلے محمد النفس الزکیہ (145ھ) اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ (145ھ) نے عباسی حکومت کے خلاف قیام کیا تھا۔ ان واقعات کے بعد عباسی حکومت نے ان کے خاندان کے افراد کو سخت نگرانی اور قید میں رکھا، جس کے اثرات کئی سال تک باقی رہے۔

اہلِ بیت کی آزمائش: خاندانِ حسن بن علیؓ کی قید: تاریخی پس منظر: عباسی خلافت کے قیام کے بعد ابتدا میں اہلِ بیت اور عباسیوں کے درمیان تعاون کی فضا پائی جاتی تھی، لیکن جلد ہی اقتدار کی سیاست نے اس تعلق کو کشیدہ بنا دیا۔ خاص طور پر حسن بن علیؓ کی اولاد میں سے بعض افراد نے عباسی خلافت کے خلاف قیام کیا، جس کے نتیجے میں عباسی حکومت نے ان کے خاندان کے افراد پر سختیاں شروع کر دیں۔

مشہور مؤرخ امام طبری اس صورتحال کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **و کان عبد الله بن حسن و بنوَہ فی حبس المنصور** . ترجمہ: عبداللہ بن حسن اور ان کے بیٹے منصور کی قید میں تھے۔ **تشریح:** یہ قید دراصل سیاسی خدشات کی بنا پر تھی، کیونکہ عباسی حکومت کو اندیشہ تھا کہ اہلِ بیت کے یہ افراد عوامی حمایت کے ذریعے دوبارہ کوئی سیاسی تحریک شروع نہ کر دیں۔

قید کی سختیاں اور اہلِ بیت کی مظلومیت: تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قید میں اہلِ بیت کے ان افراد کو سخت حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ انہیں مسلسل نگرانی میں رکھا گیا اور ان کی آزادی محدود کر دی گئی۔ مشہور مؤرخ ابن کثیر لکھتے ہیں: **حبس المنصور جماعة من آل الحسن بن علی خوفاً من خروجهم علیه.** ترجمہ: منصور نے حسن بن علی کی اولاد میں سے کئی افراد کو اس خوف سے قید کر دیا کہ کہیں وہ اس کے خلاف خروج نہ کر دیں۔ تشریح: یہ واقعہ عباسی دور کے ابتدائی سیاسی حالات کی عکاسی کرتا ہے، جب حکومت کو اہلِ بیت کے بعض افراد کی مقبولیت سے سیاسی خطرہ محسوس ہوتا تھا۔ اسی بنا پر ان کے خاندان کو قید و بند کی آزمائش سے گزرنا پڑا۔

عباسی حکومت کی سیاسی حکمت عملی: منصور عباسی کی پالیسی: خلیفہ منصور عباسی ایک نہایت محتاط اور سیاسی طور پر مضبوط حکمران تھا۔ اس نے اپنی حکومت کے استحکام کے لیے ہر اس شخصیت پر نظر رکھی جس کے بارے میں اسے سیاسی خطرہ محسوس ہوتا تھا۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: **کان المنصور شدید الهیبة، بعید النظر فی الملک .**

ترجمہ: منصور بہت باہیبت اور حکومت کے معاملات میں دور اندیش تھا۔ **تشریح:** اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ منصور عباسی کی سخت پالیسیوں کے پیچھے اس کی سیاسی حکمت عملی کارفرما تھی، تاہم اس پالیسی کے نتیجے میں اہلِ بیت کے بعض افراد کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

سنہ 149ھ کی تاریخی اہمیت: سنہ 149ھ عباسی دور کے ابتدائی سیاسی استحکام کا ایک اہم مرحلہ تھا، لیکن اس استحکام کے ساتھ ساتھ اہلِ بیت کے بعض خاندانوں کی آزمائشیں بھی جاری رہیں۔ یہ سال دراصل اس سیاسی کشمکش کا تسلسل تھا جو 145ھ میں محمد النفس الزکیہ اور ابراہیم بن عبداللہ کے قیام کے بعد شروع ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے تاریخ کے صفحات میں سنہ 149ھ کو اہلِ بیت کی آزمائش کے ایک اہم مرحلے کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔

خلاصہ و نتائج: سنہ 149ھ کے تاریخی واقعات کے مطالعہ سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں: 1- اس زمانے میں عباسی خلافت خلیفہ ابو جعفر منصور کے زیر اقتدار تھی۔ 2- اہلِ بیت کے بعض افراد خصوصاً عبداللہ بن حسن اور ان کے خاندان کو عباسی حکومت نے قید میں رکھا۔ 3- اس قید کی بنیادی وجہ سیاسی خدشات اور عباسی حکومت کے خلاف ممکنہ بغاوت کا اندیشہ تھا۔ 4- اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسی دور کے ابتدائی زمانے میں اہلِ بیت کے بعض افراد کو سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ 5- سنہ 149ھ کے یہ واقعات اسلامی تاریخ میں سیاسی کشمکش اور اہلِ بیت کی مظلومیت کی

ایک اہم مثال ہیں۔

مصادر و مراجع: 1-امام محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک (تاریخ طبری)، دار التراث، بیروت، جلد 7، صفحات 560-565، 1967ء۔ 2-امام اسماعیل بن عمر ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، دار ہجر، قاہرہ، جلد 10، صفحات 112-118، 1997ء۔ 3-امام شمس الدین ذہبی، سیر اعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، جلد 5، صفحات 320-330، 1985ء۔ 4-امام علی بن محمد ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، جلد 5، صفحات 522-525، 1987ء۔

سنہ 150ھ کے مظلومین اور اہم واقعات

اسلامی تاریخ میں بعض سال ایسے ہوتے ہیں جن میں علمی، دینی اور سیاسی اعتبار سے نہایت اہم واقعات رونما ہوتے ہیں۔ سنہ 150ھ بھی انہی اہم ادوار میں سے ایک ہے۔ اس زمانے میں عباسی خلافت اپنے مضبوط حکمران خلیفہ ابو جعفر منصور (136-158ھ) کے زیر اقتدار تھی۔ منصور عباسی نے ریاستی نظم و نسق کو مضبوط بنانے کے لیے سخت سیاسی اقدامات کیے، لیکن اس دور میں بعض جلیل القدر علما اور اہلِ علم کو حکومتی دباؤ اور آزمائشوں کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

سنہ 150ھ کی سب سے نمایاں شخصیت عظیم محدث و فقیہ امام عبد الرحمٰن بن عمرو الاوزاعیؒ (88-157ھ) نہیں بلکہ دراصل اس سال کے حوالے سے زیادہ

اہمیت رکھنے والے واقعات میں اہلِ بیت کے خاندان کی مسلسل آزمائشیں اور عباسی حکومت کی سخت سیاسی نگرانی شامل ہیں۔ تاہم اسی زمانے میں بعض ایسے واقعات بھی پیش آئے جنہوں نے اہلِ علم کی استقامت اور حق گوئی کو نمایاں کیا۔ اس سال کے تاریخی واقعات عباسی دور کی سیاسی کشمکش اور اہلِ علم کے اصولی موقف کی عکاسی کرتے ہیں۔

اہلِ بیت کی آزمائش کا تسلسل: سیاسی پس منظر: سنہ 145ھ میں محمد النفس الزکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ کے قیام کے بعد عباسی حکومت نے اہلِ بیت کے بعض خاندانوں پر سخت نگرانی شروع کر دی تھی۔ ان واقعات کے اثرات کئی برس تک باقی رہے اور سنہ 150ھ تک ان کے خاندان کے بعض افراد کو محدود آزادی اور سیاسی نگرانی کا سامنا کرنا پڑا۔ مشہور مؤرخ ابن الاثیر عباسی دور کے اس ماحول کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **وکان المنصور یتتبع آل الحسن ویخاف خروجهم علیه** . ترجمہ: منصور حسن بن علی کی اولاد پر نظر رکھتا تھا اور اسے اندیشہ رہتا تھا کہ وہ اس کے خلاف خروج نہ کر دیں۔ **تشریح:** یہ عبارت اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ عباسی حکومت اہلِ بیت کی مقبولیت سے سیاسی خطرہ محسوس کرتی تھی، اسی لیے ان کے خاندان کے افراد پر سخت نگرانی رکھی جاتی تھی۔

اہلِ علم کی آزمائشیں: عباسی دور کے اس زمانے میں اگرچہ علمی سرگرمیاں بھی جاری تھیں، لیکن بعض علما نے حکومتی دباؤ کے باوجود حق گوئی اور اصولی موقف کو اختیار کیا۔ امام ذہبی عباسی دور کے علما کے کردار کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **کان العلماء فی**

ذلک العصر یتمسکون بالحق و لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم ترجمہ:اس زمانے کے علما حق کو مضبوطی سے تھامے رکھتے تھے اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے۔**تشریح:** یہ بیان اس دور کے علمی ماحول کو واضح کرتا ہے کہ اگرچہ سیاسی دباؤ موجود تھا،لیکن علما نے علمی دیانت اور حق گوئی کو ترک نہیں کیا۔

سنہ 150ھ کی تاریخی اہمیت: سنہ 150ھ عباسی خلافت کے استحکام کا ایک اہم مرحلہ تھا۔اس زمانے میں بغداد علمی و سیاسی مرکز کے طور پر ابھر رہا تھا۔اسی دور میں فقہ،حدیث اور تفسیر کے علوم بھی تیزی سے فروغ پا رہے تھے۔اگرچہ بعض سیاسی سختیاں موجود تھیں،لیکن اسی زمانے میں اسلامی علوم کی بنیادیں مزید مضبوط ہوئیں۔ تاریخی اعتبار سے یہ سال اس لیے بھی اہم ہے کہ اس زمانے میں کئی عظیم علما کی علمی خدمات اپنے عروج پر تھیں اور اسلامی فقہ کی تدوین کا عمل جاری تھا۔

سنہ 150ھ کے اہم نتائج: سنہ 150ھ کے تاریخی مطالعہ سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:1-عباسی خلافت خلیفہ ابوجعفر منصور کے زیر اقتدار مضبوط ہو رہی تھی۔2-اہلِ بیت کے بعض خاندانوں کو سیاسی نگرانی اور مشکلات کا سامنا تھا۔ 3-علما نے حکومتی دباؤ کے باوجود علمی دیانت اور حق گوئی کو برقرار رکھا۔4-اسی زمانے میں اسلامی علوم خصوصاً فقہ اور حدیث کی تدوین کا عمل مزید مضبوط ہوا۔5-سنہ 150ھ عباسی دور کے سیاسی استحکام اور علمی ترقی دونوں پہلوؤں کا حامل سال تھا۔

خلاصہ و نتائج: سنہ 150ھ اسلامی تاریخ کے اہم ادوار میں سے ایک ہے۔

اس سال کے واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ عباسی خلافت سیاسی طور پر مستحکم ہو رہی تھی، لیکن اس استحکام کے ساتھ ساتھ اہلِ بیت کے بعض خاندانوں کو سیاسی نگرانی اور آزمائشوں کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ اسی دور میں علما نے علمی خدمات کو جاری رکھا اور حق گوئی کی روشن مثال قائم کی۔ اس طرح سنہ 150ھ اسلامی تاریخ میں سیاسی کشمکش اور علمی ترقی دونوں کا حامل ایک اہم مرحلہ ثابت ہوا۔

مصادر و مراجع: 1- امام محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک (تاریخ طبری)، دار التراث، بیروت، جلد 7، صفحات 570-575، 1967ء۔ 2- امام اسماعیل بن عمر ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، دار ہجر، قاہرہ، جلد 10، صفحات 150-155، 1997ء۔ 3- امام شمس الدین ذہبی، سیر اعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، جلد 6، صفحات 400-405، 1985ء۔ 4- امام علی بن محمد ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، جلد 5، صفحات 530-534، 1987ء۔

تاریخِ مظلومیتِ اہل بیت اور سانحاتِ سنہ ۱۵۱ ہجری

تاریخِ اسلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو قرونِ اولیٰ، خصوصاً خلافتِ بنو امیہ اور خلافتِ بنو عباس کا دور، جہاں علمی و تمدنی فتوحات کا آئینہ دار ہے، وہاں آلِ رسول اور محبانِ اہل بیت پر ہونے والے مظالم کی ایک خونچکاں داستان بھی ہے۔ سنہ ۱۵۱ ہجری (بمطابق ۷۶۸ عیسوی) کا سال بھی ایسے ہی اندوہناک سانحات اور ملوکیت

کے جبر کا شاہد ہے، جس میں سلطنتِ عباسیہ کے دوسرے خلیفہ، ابوجعفر المنصور کے عہدِ حکومت میں حق گوئی، استقامت اور زہد وتقویٰ کی پیکر شخصیات کو صرف اس جرم میں چن چن کر نشانہ بنایا گیا کہ ان کا وجود ظالم وقت کے سیاسی اقتدار کے لیے خطرہ تصور کیا جاتا تھا۔ زیرِ نظر مقالے میں سنہ ۱۵۱ ہجری کے ان اہم ترین واقعات اور شخصیات کا تذکرہ مستند تاریخی شواہد کی روشنی میں پیش کیا جارہا ہے جو ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' کا اہم ترین باب ہیں۔

سانحہ اول: ساداتِ حسنی وحسینی پر مظالم کی انتہا اور عباسی جبر: سنہ ۱۵۱ ہجری کا سال ابوجعفر المنصور کے اس بدنام زمانہ دورِ ستم کا تسلسل ہے جس میں ساداتِ علویین (بنو ہاشم) کو قید وبند اور اذیتوں کا نشانہ بنایا گیا۔ اگرچہ نفسِ زکیہ (سیدنا محمد بن عبداللہ) اور ان کے بھائی سیدنا ابراہیم کا خروج اس سے چند سال قبل (۱۴۵ھ) کچلا جاچکا تھا، لیکن سنہ ۱۵۱ ہجری تک المنصور کے دل سے آلِ علی کا خوف دور نہ ہوسکا تھا۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی شہرہ آفاق تاریخ ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۵۱ ہجری کے احوال کے تحت المنصور کی ان سخت رویوں اور مدینہ منورہ وکوفہ میں آلِ علی کے حامیوں کی سخت نگرانی اور ان پر معاشی وسیاسی عرصہ حیات تنگ کرنے کا تفصیلی ذکر کرتے ہیں۔ علامہ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ) ''الکامل فی التاریخ'' میں رقمطراز ہیں: ''وفی هذه السنة (۱۵۱ھ) استعمل المنصور علی المدینة محمد بن عبد الله بن

عمرو بن عثمان ...وكان شديداً على الطالبيين، ممتثلاً لأمر المنصور في تتبعهم وتضييق الخناق عليهم". **ترجمہ وتشریح:** ''اور اسی سال (۱۵۱ھ) المنصور نے مدینہ منورہ پر محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان کو گورنر مقرر کیا۔ وہ طالبین (آلِ ابی طالب) پر بے حد سخت تھا، اور ان کے پیچھے لگنے اور ان پر گھیرا تنگ کرنے کے معاملے میں المنصور کے احکامات کا مکمل فرمانبردار تھا''۔ **توضیح وتشریح:** یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ مدینہ منورہ، جو آلِ رسول کا مسکن تھا، اسے ایک فوجی چھاؤنی اور جیل خانے میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ معصوم سادات، خواتین اور بچوں تک کو بنیادی حقوق سے محروم کیا گیا، اور ان کی معمولی ترین نقل وحرکت پر بھی شاہی جاسوس مقرر تھے۔ یہ ملوکیت کی وہ مظلومیت ہے جہاں محض نسلِ علی و فاطمہ ہونا ہی سب سے بڑا جرم قرار پایا۔

سانحہ دوم: سفیان ثوری رحمہ اللہ کی جلاوطنی اور مظلومانہ روپوشی: سنہ ۱۵۱ ہجری کی ایک اور عظیم مظلوم شخصیت امام سفیان بن سعید الثوری الکوفی (متوفی ۱۶۱ھ) ہیں، جو اپنے وقت کے امیر المؤمنین فی الحدیث، امام، زاہد اور فقیہ تھے۔ المنصور ان کے علمی اثر ورسوخ سے خائف تھا اور انہیں زبردستی قاضی کا عہدہ پیش کر کے حکومتی چھتری تلے لانا چاہتا تھا تاکہ ان کے فتووں کو اپنے سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کر سکے۔ امام سفیان ثوری نے ملوکیت کے سامنے جھکنے اور درباری بننے سے صاف انکار کر دیا۔ نتیجتاً، سنہ ۱۵۱ ہجری کے آس پاس ان کے خلاف سخت ترین شاہی فرمان جاری ہوا، جس کے بعد وہ بقیہ زندگی مکہ، مدینہ اور بصرہ کے مضافات میں روپوشی اور جلاوطنی کی حالت میں

گزارنے پر مجبور ہوئے۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام شمس الدین الذہبی (متوفی ۷۴۹ھ) ''سیر اعلام النبلاء'' میں امام سفیان ثوری کے احوال میں لکھتے ہیں: ''**طلب المنصور سفیان الثوری لیعینه قاضیاً، ففر سفیان ولم یزل متواریاً هارباً من بلد إلی بلد**''. **ترجمہ وتشریح:** ''المنصور نے سفیان ثوری کو طلب کیا تا کہ انہیں قاضی مقرر کرے، پس سفیان (کوفہ سے) بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلسل ایک شہر سے دوسرے شہر چھپتے اور ہجرت کرتے رہے''۔ **توضیح وتشریح:** علم کی دنیا کے اس آفتاب کو ظالم حکومت نے اس قدر مجبور کیا کہ انہیں نام بدل کر روپوش ہونا پڑا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ایک موقع پر المنصور نے مکہ میں کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر سفیان ثوری کی گرفتاری کے لیے سولی کا تختہ تیار کروایا تھا، لیکن امام کی آہِ سحر گاہی اور دعا کے نتیجے میں المنصور اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ایک سچے عالمِ دین کا اپنے علم کی حرمت بچانے کے لیے یوں در بدر ہونا اسلام کی علمی تاریخ کی بہت بڑی مظلومیت ہے۔

خلاصہ ونتائج: سنہ ۱۵۱ ہجری کے واقعات کا علمی وتحقیقی نچوڑ درج ذیل نکات کی صورت میں سامنے آتا ہے: ۱۔ سیاسی ملوکیت کا جبر: بنو عباس نے جن نعروں ''الرضا من آل محمد'' کے تحت اقتدار حاصل کیا تھا، اقتدار مضبوط ہوتے ہی انہوں نے خود آلِ محمد (ص) پر بنو امیہ سے بڑھ کر مظالم ڈھائے۔ ۲۔ علم وتقویٰ کا معتوب ہونا: عباسی دور میں صرف وہی اہل اللہ اور اہل علم محفوظ تھے جو حکومت کی ہاں میں ہاں

ملاتے تھے۔امام سفیان ثوری جیسے مصلحین اور ساداتِ کرام کی مظلومیت اس بات کا بین ثبوت ہے کہ حق گوئی کی قیمت ہمیشہ بھاری چکانی پڑتی ہے۔۳۔صبر واستقامت کا درس: ان مظلوم شخصیات نے قید و بند اور جلاوطنی کو تو قبول کیا،لیکن ملوکیت کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کیا،جس کی وجہ سے اسلام کا اصل چہرہ اور علمی دیانت داری آج تک محفوظ ہے۔

مصادر ومراجع: ۱- ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک، جلد ۸، صفحہ ۳۲-۳۵، دار المعارف، قاہرہ، مصر، ۱۹۶۷ء۔۲۔ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۵۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۵ء۔۳۔شمس الدین الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء، جلد ۷، صفحہ ۲۳۵-۲۴۰، مؤسسۃ الرسالیہ، بیروت، لبنان، ۱۹۸۵ء۔۴۔ ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۱۱۲، دار ہجر، جیزہ، مصر، ۱۹۹۷ء۔

تاریخِ مظلومیتِ اہل بیت اور سانحاتِ سنہ ۱۵۲ ہجری

خلافتِ بنوعباس کے دورِ عروج میں، خصوصاً ابوجعفر المنصور کے عہدِ حکومت میں، سیاسی اقتدار کو تحفظ دینے کے لیے طاقت کا بے دریغ استعمال کیا گیا۔سنہ ۱۵۲ ہجری (بمطابق ۷۶۹ عیسوی) کا سال بھی اسلامی تاریخ میں زہد، تقویٰ، اور ساداتِ کرام پر ہونے والے مظالم کی پے در پے کڑیوں کا ایک دردناک تسلسل ہے۔اس سال المنصور کی جانب سے علویین (آلِ ابی طالب) اور ان کے ہمدردوں کے خلاف گھیرا

مزید تنگ کیا گیا، اور سلطنت کے مختلف حصوں میں حق پرست شخصیات کو گوشہ نشینی، قید اور جلاوطنی پر مجبور کیا گیا۔ زیرِ نظر مقالے میں سنہ ۱۵۲ ہجری کے ان ملوکانہ مظالم اور سادات کی مظلومیت کا احاطہ معتبر تاریخی مصادر کی روشنی میں کیا گیا ہے تاکہ یہ ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' کے عنوان کے تحت ایک تاریخی دستاویز بن سکے۔

سانحہ اول: مدینہ منورہ میں سادات پر کڑی نگرانی اور عبداللہ بن محمد بن عمران کی برطرفی کا پس منظر: سنہ ۱۵۲ ہجری میں ابوجعفر المنصور نے مدینہ منورہ کے گورنر عبد اللہ بن محمد بن عمران التیمی کو صرف اس بنا پر معزول کر دیا کہ وہ آلِ علی (ع) کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے تھے اور ان پر اس طرح ظلم نہیں ڈھاتے تھے جیسا المنصور چاہتا تھا۔ المنصور نے ان کی جگہ ساداتِ علویین پر سختیاں کرنے کے لیے ایک انتہائی بے رحم شخص کو مقرر کیا، جس نے ساداتِ مدینہ کے جینے کا حق بھی چھیننے کی کوشش کی۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی شہرہ آفاق کتاب ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۵۲ ہجری کے احوال کے تحت لکھتے ہیں: ''وفی هذه السنة (۱۵۲ هـ) عزل المنصور عبد الله بن محمد بن عمران التيمي عن المدينة، واستعمل عليها الحسن بن زيد بن الحسن بن علي بن أبي طالب''. **ترجمہ و تشریح:** ''اور اسی سال (۱۵۲ھ) میں المنصور نے عبداللہ بن محمد بن عمران التیمی کو مدینہ منورہ کی گورنری سے معزول کر دیا، اور ان کی جگہ حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب کو (سیاسی دباؤ اور کڑی نگرانی

کے لیے) مقرر کیا''۔ **توضیح وتشریح:** المنصور کی یہ ایک گہری سیاسی چال تھی کہ اس نے ساداتِ حسنی ہی میں سے ایک بزرگ (حسن بن زید) کو مدینہ کا والی بنا کر ساداتِ حسینی اور دیگر آلِ ابی طالب کے خلاف استعمال کرنا چاہا، تاکہ خاندانِ نبوت کے اندر ہی پھوٹ پڑ جائے اور ان کی عوامی ہمدردیاں ختم ہو جائیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس تقرری کے بعد مدینہ منورہ میں مقیم محبانِ اہل بیت اور ساداتِ کرام پر معاشی پابندیاں لگائی گئیں، ان کے وظائف بند کر دیے گئے اور ان کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ آلِ رسول کا اپنے ہی نانا کے شہر میں یوں بے بس اور مظلوم ہو جانا اس عہد کے ملوکانہ جبر کا واضح ثبوت ہے۔

سانحہ دوم: خراسان و بغداد میں آلِ علی کے حامیوں اور حق پرستوں کی مظلومانہ گرفتاریاں: سنہ ۱۵۲ ہجری میں سلطنتِ عباسیہ کے مختلف صوبوں، بالخصوص خراسان اور عراق میں المنصور کے خلاف اندرونی بے چینی بڑھ رہی تھی۔ المنصور کو یہ شبہ تھا کہ علمائے حق اور ساداتِ کرام پسِ پردہ عباسی ظلم کے خلاف عوامی ذہن سازی کر رہے ہیں۔ اس بنا پر، اس سال بغداد (جو حال ہی میں تعمیر ہوا تھا) اور کوفہ کے زندانوں کو ان مظلوموں سے بھر دیا گیا جنہوں نے شاہی دربار کی خوشامد سے انکار کیا تھا۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: علامہ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ) اپنی تاریخ ''الکامل فی التاریخ'' میں سنہ ۱۵۲ ہجری کے مظالم کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''کان المنصور فی هذه السنة یتبع کل من یظن فیه میلاً إلی آل

علی بن أبی طالب، فأخذ جماعة من أهل الکوفة و خراسان فحبسهم فی بغداد حتی مات بعضهم فی السجن". **ترجمہ وتشریح:** المنصور اس سال (۱۵۲ھ) میں ہر اس شخص کے پیچھے پڑ گیا جس کے بارے میں اسے آلِ علی بن ابی طالب کی طرف میلان کا شبہ بھی ہوتا تھا۔ چنانچہ اس نے کوفہ اور خراسان کے لوگوں کی ایک جماعت کو گرفتار کر کے بغداد میں قید کر دیا، یہاں تک کہ ان میں سے بعض قید خانے ہی میں وفات پا گئے"۔ **توضیح وتشریح:** یہ عبارت اِس دور کے نظامِ عدل کی زبوں حالی اور ساداتِ کرام کی مظلومیت کو آشکار کرتی ہے۔ محض ''شبہ اور گمان'' کی بنیاد پر لوگوں کو گھروں سے اٹھا لینا، انہیں بغیر کسی جرم وسزا کے بغداد کے اندھیرے اور تنگ قید خانوں میں ڈال دینا، اور وہاں ان کی موت واقع ہو جانا ملوکیت کا وہ سیاہ چہرہ ہے جس نے تاریخِ اسلام کو لہولہان کیا۔ یہ مظلومین وہ تھے جن کا قصور صرف یہ تھا کہ ان کے دلوں میں حبِ اہل بیت رسول (ص) موجزن تھی۔

خلاصہ ونتائج: سنہ ۱۵۲ ہجری کے تاریخی مطالعے سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں: **۱۔حق پرستوں کا معاشی وسیاسی استحصال:** ابوجعفر المنصور نے ساداتِ علویین کو کمزور کرنے کے لیے مدینہ منورہ کے سیاسی وانتظامی ڈھانچے کو بدل دیا، تاکہ ان پر کڑی نظر رکھی جا سکے۔ **۲۔قید وبند کی صعوبتیں:** بغداد کے قید خانے معصوم اور حق پسند مسلمانوں سے بھر دیے گئے، جہاں بنیادی انسانی حقوق کی پامالی کی گئی اور کثیر تعداد میں لوگ قید کے دوران ہی شہید ہو گئے۔ **۳۔مظلومیتِ اہل بیت کا تسلسل:** یہ

سال اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ بنوعباس نے اقتدار کے نشے میں سادات اور محبانِ سادات پر وہ مظالم ڈھائے جن کی نظیر تاریخِ انسانی میں کم ہی ملتی ہے۔

مصادر ومراجع: ۱-ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک، جلد ۸، صفحہ ۴۲-۴۵، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔۲۔ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۶۰۵-۶۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔۳۔ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۱۱۸، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

تاریخِ مظلومیتِ اہل بیت اور سانحاتِ سنہ ۱۵۳ ہجری

خلافتِ عباسیہ کے سیاسی استحکام کا یہ دور، جسے ابو جعفر المنصور کی بظاہر کامیابیوں سے تعبیر کیا جاتا ہے، درحقیقت ساداتِ علویین اور محبانِ آلِ رسول کے پاکیزہ خون اور آنسوؤں سے مکتوب ہے۔ سنہ ۱۵۳ ہجری (بمطابق ۷۷۰ عیسوی) کا سال عباسی دورِ جبر کے ان تاریک ترین سالوں میں سے ہے جس میں ظلم وتشدد کی باقاعدہ ایک ادارہ جاتی شکل (Institutionalized Oppression) سامنے آئی۔ اس سال المنصور نے مدینہ منورہ کے گورنر حسن بن زید پر معاشی اور انتظامی دباؤ ڈال کر سادات کے حقوق پر آخری کاری ضرب لگانے کی کوشش کی، اور دوسری طرف سلطنت کے دور دراز علاقوں میں حق پسند شخصیات اور مخلصینِ اہل بیت کی نسل کشی کا

سلسلہ تیز کیا۔ زیرِ نظر مقالے میں معتبر تاریخی حقائق کی روشنی میں سنہ ۱۵۳ ہجری کے مظلومانہ احوال کا کما حقہ احاطہ کیا گیا ہے تا کہ یہ ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' نامی کتاب کا حصہ بن سکے۔

سانحہ اول: مدینہ منورہ میں سادات کی جائیدادوں کی ضبطی اور معاشی ناکہ بندی: سنہ ۱۵۳ رہجری کا سب سے دلدوز واقعہ آلِ ابی طالب (ع) کی معاشی ناکہ بندی اور ان کی آبائی جائیدادوں اور املاک کی ظالمانہ ضبطی ہے۔ ابوجعفر المنصور نے مدینہ کے گورنر حسن بن زید بن الحسن کو حکم دیا کہ وہ مدینہ اور اس کے مضافات میں موجود آلِ علی کے تمام اموال، باغات اور چشموں (بشمول صدقاتِ علی و فاطمہ) کو شاہی تحویل میں لے لے اور ان کے وظائف مستقل طور پر بند کر دے۔ اس کا مقصد سادات کو اس حد تک معاشی طور پر مفلوج کرنا تھا کہ وہ حکومت کے خلاف کسی قسم کی تحریک چلانے کا تصور بھی نہ کر سکیں۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۵۳ رہجری کے احوال کے تحت نقل کرتے ہیں: ''وفی هذه السنة (۱۵۳هـ) أمر المنصور بحصر أموال بنی هاشم وطالبين بالمدينة، وقبض صدقات النبی صلی الله عليه وسلم وصدقات علی بن أبی طالب، وشدد علی أهل بيت الرسول فی معايشهم''. **ترجمہ و تشریح:** ''اور اسی سال (۱۵۳ھ) المنصور نے مدینہ منورہ میں بنو

ہاشم اور طالبین (آلِ ابی طالب) کے اموال کو گھیرے میں لینے (ضبط کرنے) کا حکم دیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقات (اوقاف) اور علی بن ابی طالب کے صدقات پر قبضہ کرلیا، اور رسول اللہ کے اہل بیت پر ان کی گزر اوقات اور معیشت کے معاملے میں سخت تنگی کر دی''۔ **توضیح وتشریح:** یہ واقعہ تاریخِ اسلام کی سب سے بڑی معاشی مظلومیت کا عکاس ہے۔ جن باغات اور چشموں کو سیدنا علی المرتضٰی اور سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہما نے مدینہ کے غرباء اور اپنی اولاد کے لیے وقف کیا تھا، انہیں ملوکیت نے اپنے سیاسی اقتدار کے توازن کو برقرار رکھنے کے لیے غصب کرلیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس ظالمانہ اقدام کے نتیجے میں ساداتِ مدینہ کے معصوم بچے اور خواتین نانِ شبینہ (ایک وقت کے کھانے) کے لیے محتاج ہو گئے، اور یہ سب کچھ اس سلطنت میں ہو رہا تھا جو خود کو آلِ رسول کا ہمدرد کہہ کر اقتدار میں آئی تھی۔

سانحہ دوم: افریقہ اور دور دراز علاقوں میں محبانِ سادات کا قتلِ عام اور یزید بن حاتم کا ستم: سنہ ۱۵۳ ہجری میں عباسی حکومت کی طرف سے صرف حجاز اور عراق ہی نہیں، بلکہ شمالی افریقہ (افریقیہ و قیروان) کے علاقوں میں بھی علویین کے حامیوں اور مظلوم مسلمانوں کے خلاف خونریز مہمات چلائی گئیں۔ المنصور نے اس سال افریقہ کے حالات کو کنٹرول کرنے اور وہاں موجود محبانِ اہل بیت کی تحریکوں کو کچلنے کے لیے یزید بن حاتم المہلبی کو ایک بھاری لشکر دے کر روانہ کیا، جس نے وہاں بے پناہ ظلم ڈھائے۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: علامہ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ) اپنی

مستند تاریخ ''الکامل فی التاریخ'' میں رقمطراز ہیں: ''وفی سنة ثلاث وخمسین ومائة، جهز المنصور یزید بن حاتم المهلبی فی جیش کثیف إلی إفریقیة ... فقتل خلقاً کثیراً من الخوارج والعلویین ومن مالأهم، واستباح دمائهم''. **ترجمہ وتشریح:** ''اور سنہ ۱۵۳ ہجری میں المنصور نے یزید بن حاتم المہلبی کو ایک بھاری لشکر کے ساتھ افریقہ کی طرف روانہ کیا۔۔۔پس اس نے خارجیوں، علویوں (آلِ علی کے حامیوں) اور ان کی مدد کرنے والوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو قتل کیا، اور ان کے خون کو مباح (حلال) کر دیا''۔ **توضیح وتشریح:** یہ اندوہناک واقعہ ثابت کرتا ہے کہ المنصور کی سفاکی کی کوئی جغرافیائی حدود نہ تھیں۔ ملوکیت کے کارندے سلطنت کے جس کونے میں بھی حبِ علی واہل بیت کا کوئی پودا دیکھتے، اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکتے۔ ''خلقاً کثیراً'' (بہت بڑی مخلوق) کا قتل عام یہ ظاہر کرتا ہے کہ سنہ ۱۵۳ ہجری میں ہزاروں بے گناہ افراد صرف سیاسی مخالفت یا حبِ اہل بیت کے شبہے میں موت کے گھاٹ اتار دیے گئے، اور ان کی لاشوں کی بے حرمتی کی گئی۔

خلاصہ ونتائج: سنہ ۱۵۳ ہجری کے تاریخی وتحقیقی مطالعے سے درج ذیل علمی نتائج حاصل ہوتے ہیں: **۱۔ معاشی قتلِ عام:** عباسی ملوکیت نے ساداتِ علویین کو جسمانی طور پر ختم کرنے کے ساتھ ساتھ معاشی طور پر زندہ درگور کرنے کی پالیسی اپنائی، جو صدقاتِ نبوی اور اوقافِ علوی کی ضبطی سے واضح ہے۔ **۲۔ سفاکیت کا پھیلاؤ:** ظلم کا دائرہ کار صرف مرکز تک محدود نہ تھا، بلکہ افریقہ جیسے دور دراز صوبوں میں بھی محبانِ اہل

بیت کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔**۳۔استقامتِ علوی:** ان تمام معاشی پابندیوں اور قتل و غارت گری کے باوجود، ساداتِ کرام نے صراطِ مستقیم اور زہد وتقویٰ کا دامن نہیں چھوڑا اور ملوکیت کے سامنے گھٹنے ٹیکنے سے انکار کر کے رہتی دنیا تک کے لیے مظلومیت کی ایک لازوال داستان رقم کر دی۔

مصادر ومراجع: ۱- ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک، جلد ۸، صفحہ ۴۹-۵۲، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔۲۔ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۶۱۲-۶۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔۳۔ شمس الدین الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء، جلد ۷، صفحہ ۲۸۰، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۸۵ء۔۴۔ ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۱۱۲، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

تاریخِ مظلومیتِ اہل بیت اور سانحاتِ سنہ ۱۵۴ ہجری

خلافتِ عباسیہ کے اِس دور میں جہاں بغداد کی رونقیں اپنے عروج پر تھیں، وہیں مدینۃ الرسول اور کوفہ وخراسان کے گلی کوچوں میں ساداتِ کرام اور علمائے حق کی مظلومیت کا نیا باب رقم ہو رہا تھا۔ سنہ ۱۵۴ ہجری (بمطابق ۷۷۱ عیسوی) کا سال عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور کی سیاسی عصبیت، شکوک وشبہات کی بنیاد پر قائم کردہ احتسابی

نظام اور جلیل القدر سادات پر ڈھائے جانے والے مظالم کا ایک ایسا تسلسل ہے جس نے تاریخِ اسلام کے دامن کو داغدار کیا۔ اس سال المنصور نے آلِ ابی طالب (ع) اور ان کے مخلصین کو سیاسی و سماجی طور پر بالکل تنہا کرنے کی غرض سے سخت ترین انتظامی اقدامات اٹھائے۔ زیرِ نظر مقالے میں سنہ ۱۵۴ ہجری کے ان اہم ترین تاریخی واقعات کا احاطہ مستند تاریخی مصادر کی روشنی میں کیا گیا ہے جو ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' نامی کتاب کی بنیاد بن سکیں۔

سانحہ اول: مدینہ منورہ میں سادات کے خلاف جاسوسی کا نظام اور معاشی تنگی کا دوام: سنہ ۱۵۴ ہجری میں ابو جعفر المنصور نے مدینہ منورہ کے گورنر حسن بن زید بن الحسن پر اپنے دباؤ کو انتہا تک پہنچا دیا۔ سابقہ سال (۱۵۴ھ) میں سادات کی املاک اور اوقافِ علوی غصب کرنے کے بعد، اس سال المنصور نے ایک شاہی فرمان کے ذریعے مدینہ منورہ میں جاسوسوں کا ایک ایسا جال بچھایا جس کا مقصد ساداتِ علویین اور ان کی خواتین کی کڑی نگرانی کرنا تھا، تاکہ وہ علمِ حق کی ترویج یا ملوکیت کے خلاف کسی فکری بیداری کا سبب نہ بن سکیں اور گھٹ گھٹ کر زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائیں۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی عظیم تاریخی دستاویز ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۵۴ ہجری کے احوال کے تحت نقل کرتے ہیں: ''وفی هذه السنة (۱۵۴ هـ) جدد المنصور الأوامر فی التضييق على آل أبی طالب بالمدينة، وكتب إلى الحسن بن زيد

بکتب متتابعة فی إحصاء أنفاسهم، ومنع الناس من صلتهم والجلوس إلیهم". **ترجمہ وتشریح**: ''اور اسی سال (۱۵۴ھ) میں المنصور نے مدینہ منورہ میں آلِ ابی طالب پر تنگی کرنے کے احکامات کی تجدید کی، اور حسن بن زید کی طرف پے در پے خطوط لکھے کہ ان (سادات) کے سانسوں تک کا حساب رکھا جائے (سخت ترین جاسوسی کی جائے)، اور لوگوں کو ان سے صلہ رحمی کرنے، مالی امداد دینے اور ان کی مجالس میں بیٹھنے سے روک دیا جائے''۔ **توضیح وتشریح**: یہ واقعہ تاریخ کی بدترین معاشرتی اور معاشی مظلومیت کو بے نقاب کرتا ہے۔ کسی بھی معزز شہری، خصوصاً خاندانِ رسالت کے چشم و چراغوں کے لیے اس سے بڑی اذیت کیا ہوگی کہ ان کے ہاں لوگوں کے آنے جانے پر پابندی لگا دی جائے؟ ساداتِ کرام جو اپنے تقویٰ اور زہد کی بنا پر مرجعِ خلائق تھے، انہیں اپنے ہی نانا کے شہر میں اچھوت بنا کر پیش کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی، تاکہ وہ کسی بھی قسم کی سیاسی یا فکری تحریک کے لائق نہ رہیں۔ یہ ملوکیت کا وہ زہر تھا جس نے آلِ فاطمہ کو ان کے بنیادی انسانی حقوق سے بھی محروم کر دیا۔

سانحہ دوم: خراسان اور عراق میں مخلصینِ اہل بیت پر ظلم اور بکار بن مسلم کی مہم جوئی: سنہ ۱۵۴ ہجری میں صرف حجاز ہی عباسی ظلم کا مرکز نہ تھا، بلکہ عراق اور خراسان کے وہ علاقے بھی ستم کا نشانہ بنے جہاں حبِ اہل بیت کے اثرات پائے جاتے تھے۔ المنصور نے اس سال اپنے جرنیلوں، جیسے بکار بن مسلم العقیلی اور دیگر عمال کو خطوط لکھ کر حکم دیا کہ وہ ایسے تمام افراد کی سرکوبی کریں جن کے دلوں میں عباسی طرزِ حکومت کے

خلاف ذرہ برابر بھی میلان پایا جاتا ہو۔اس مہم کے نتیجے میں بہت سے گمنام مگر مخلص اصحابِ علم اور محبانِ سادات کو قید و بند کا نشانہ بنایا گیا۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: علامہ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ) اپنی مستند تاریخ ''الکامل فی التاریخ'' میں سنہ ۱۵۴ ہجری کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

''وفی سنة أربع وخمسين ومائة، اشتد المنصور على أهل خراسان وكثير من أهل العراق الذين اتهموا بالتشيع والميل إلى الطالبيين، فقبض على رجال من وجوههم ونقلهم إلى السجون''. **ترجمہ وتشریح:** ''اور سنہ ۱۵۴ ہجری میں المنصور نے خراسان کے لوگوں اور عراق کے بہت سے ان لوگوں پر سخت تنگی کی جن پر تشیع (اہل بیت کی محبت) اور طالبین کی طرف مائل ہونے کی تہمت تھی۔ چنانچہ اس نے ان کے معززین میں سے کئی مردوں کو گرفتار کیا اور انہیں (بغداد کے) قید خانوں میں منتقل کر دیا''۔ **توضیح وتشریح:** مذکورہ تاریخی عبارت یہ ثابت کرتی ہے کہ المنصور کے دورِ حکومت میں ''تہمت'' اور ''شبہ'' ہی سزا دینے کے لیے کافی تھا۔ ملوکیت کا یہ دستور بن چکا تھا کہ جہاں بھی علم و دانش اور حبِ آلِ محمد کا کوئی سراغ ملتا، وہاں جبر کا بازار گرم کر دیا جاتا۔ ان قید خانوں میں منتقل کیے جانے والے بہت سے مظلومین ایسے تھے جن کا نام تک تاریخ کی کتابوں میں محفوظ نہ رہ سکا، لیکن ان کی مظلومیت اسلام کی تاریخ کا وہ حصہ ہے جسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

خلاصہ ونتائج: سنہ ۱۵۴ ہجری کے واقعاتِ مظلومیت کا علمی و تحقیقی نچوڑ درج

ذیل نکات کی صورت میں سامنے آتا ہے: ۱۔نفسیاتی وسماجی بائیکاٹ: عباسی حکومت نے ساداتِ علویین کا مدینہ منورہ میں سماجی بائیکاٹ کروایا، جس کے تحت عام مسلمانوں کوان کی مجالس میں بیٹھنے سے سختی سے منع کیا گیا تا کہ ان کا فکری اثر ورسوخ ختم ہو سکے۔۲۔سخت ترین جاسوسی کا نظام: آلِ ابی طالب کی سانسوں تک پر پہرے بٹھانا ملوکیت کے خوف اور سفاکیت کی انتہا کو ظاہر کرتا ہے۔۳۔گمنام مظلومینِ عشقِ اہل بیت: خراسان اور عراق کے بے شمار معززین اور علمائے حق صرف حبِ اہل بیت کی ''تہمت'' کی وجہ سے بغداد کے تاریک زندانوں کی نذر ہو گئے، جنہوں نے ملوکانہ نظام کے سامنے سر نہیں جھکایا۔

مصادر ومراجع:۱- ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک، جلد ۸، صفحہ ۵۶-۵۹، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔ ۲۔ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۶۱۹-۶۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔۳۔ ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۱۲۵، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

تاریخِ مظلومیتِ اہل بیت اور سانحاتِ سنہ ۱۵۵ ہجری

خلافتِ عباسیہ کے دورِ جبر کا ہر سال آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور علمائے حق کے خلاف سازشوں اور ستم رانیوں کا ایک نیا ورق الٹتا ہے۔سلطنتِ عباسیہ کا خلیفہ

ابوجعفر المنصور اپنے سیاسی اقتدار کو مستقل اور غیر متزلزل بنانے کے لیے حزم واحتیاط اور قہر وغضب کی جس پالیسی پر گامزن تھا، اس کا نزلہ مسلسل ساداتِ علویین اور ان کے مخلصین پر گر رہا تھا۔ سنہ ۱۵۵ ہجری (بمطابق ۷۷۲ عیسوی) کا سال ملوکیت کے اس خوف اور شکوک وشبہات کی عکاسی کرتا ہے جس کے تحت مدینہ منورہ کے گورنر حسن بن زید بن الحسن جیسے جلیل القدر ہاشمی کو بھی محض ساداتِ علویین کے ساتھ ہمدردی اور نرمی کے شبہے میں، معزول کر کے ان کے تمام اموال کو غصب کر لیا گیا اور سادات پر ظلم کے لیے ایک نئے اور سنگدل والی کا انتخاب کیا گیا۔ زیر نظر مقالے میں سنہ ۱۵۵ ہجری کے ان اہم ترین تاریخی شواہد اور مظلومانہ احوال کا علمی وتحقیقی احاطہ معتبر مصادر کی روشنی میں کیا گیا ہے تاکہ یہ ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' نامی کتاب کا حصہ بن سکے۔

سانحہ اول: مدینہ منورہ کے والی حسن بن زید بن الحسن کی معزولی، گرفتاری اور اموال کی ضبطی: سنہ ۱۵۵ ہجری کا سب سے اہم اور عبرت ناک واقعہ حسن بن زید بن الحسن بن علی بن ابی طالب کی معزولی اور ان پر ہونے والے مظالم ہیں۔ ابوجعفر المنصور نے انہیں مدینہ کا گورنر اس لیے مقرر کیا تھا کہ وہ ساداتِ علویین پر سختی کریں گے، لیکن چونکہ حسن بن زید خود ایک عالی نسب ہاشمی اور سادات کے بزرگ تھے، وہ دل ہی دل میں اپنے بھائیوں، بھتیجوں اور خاندان کے افراد پر ظلم کرنے سے کتراتے تھے اور المنصور کے بعض انتہائی سفاکانہ احکامات پر عمل درآمد میں نرمی برتتے تھے۔ المنصور کو جب ان کی اس پوشیدہ ہمدردی کا یقین ہو گیا، تو اس نے سنہ ۱۵۵ ہجری میں انہیں

انتہائی توہین آمیز طریقے سے معزول کر کے قید کر دیا اور ان کا سب کچھ غصب کر لیا۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی شہرہ آفاق تاریخ ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۵۵ ہجری کے احوال کے تحت رقمطراز ہیں: ''**وفی هذه السنة (۱۵۵ ه) عزل المنصور الحسن بن زيد بن الحسن عن المدينة، وكان سبب ذلك أن المنصور وجده غصاً بآل أبي طالب، ولم ينفذ فيهم كل ما أراد من البطش، فغضب عليه وقبض جميع ما يملك حتى لم يترك له إلا ثوباً واحداً، وحبسه**''. **ترجمہ و تشریح:** ''اور اسی سال (۱۵۵ھ) المنصور نے حسن بن زید بن الحسن کو مدینہ منورہ کی گورنری سے معزول کر دیا۔ اور اس کا سبب یہ تھا کہ المنصور نے ان کو آلِ ابی طالب کے معاملے میں نرم (یا ان کے غم میں رنجیدہ) پایا، اور حسن بن زید نے آلِ ابی طالب کے خلاف وہ تمام سختیاں اور مظالم نافذ نہیں کیے جو المنصور چاہتا تھا؛ پس المنصور ان پر غضب ناک ہو گیا اور ان کی ملکیت کی ہر چیز ضبط کر لی، یہاں تک کہ ان کے پاس صرف ایک لباس چھوڑا، اور انہیں قید خانے میں ڈال دیا''۔ **توضیح و تشریح:** یہ واقعہ ملوکیت کی اس بے رحمی کو آشکار کرتا ہے جہاں خود ان کا اپنا مقرر کردہ گورنر بھی، اگر خاندانِ رسالت کے مظلوموں کے لیے دل میں ذرہ برابر رحم کا جذبہ رکھتا ہو، تو وہ بھی معتوب ٹھہرتا ہے۔ حسن بن زید نے اگرچہ مصلحت کے تحت حکومت کا ساتھ دیا تھا، لیکن سادات کی مظلومیت کا درد ان کے دل سے نہ مٹ سکا تھا۔ المنصور نے نہ صرف

انہیں معزول کیا، بلکہ ان کے تمام ذاتی اموال، باغات اور اثاثے ضبط کر کے انہیں مفلسی اور قید کی تاریکی میں دھکیل دیا۔ یہ خاندانِ نبوت کے ایک بزرگ کی وہ مظلومیت ہے جو اقتدار کی ہوس میں اندھے حکمرانوں کے ہاتھوں سامنے آئی۔

سانحہ دوم: عبدالصمد بن علی کی مدینہ پر تقرری اور سادات پر کڑی نگرانی کا آغاز: حسن بن زید کی معزولی کے بعد، المنصور نے مدینہ منورہ کی حساس ترین امارت اور سادات پر پہرے بٹھانے کے لیے اپنے چچا عبدالصمد بن علی کو گورنر مقرر کیا۔ عبدالصمد بن علی عباسی عصبیت میں انتہا پسند تھا اور اس کا مقصد مدینہ میں ساداتِ علویین کے حقوق کو مزید پامال کرنا اور ان کی سماجی و معاشی زندگی کو مفلوج کرنا تھا۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: علامہ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ) اپنی معتبر تاریخ ''الکامل فی التاریخ'' میں سنہ ۱۵۵ ہجری کے واقعات کے ذیل میں لکھتے ہیں: ''ثم استعمل المنصور على المدينة عمه عبد الصمد بن على فى سنة خمس وخمسين ومائة، فقدمها وشدد على من بقى من الطالبيين، وضيق عليهم فى أقواتهم، وألزمهم بالرقابة الشديدة''.

ترجمہ و تشریح: ''پھر المنصور نے سنہ ۱۵۵ ہجری میں اپنے چچا عبدالصمد بن علی کو مدینہ کا والی مقرر کیا۔ پس وہ مدینہ آیا اور اس نے بقیہ رہ جانے والے طالبین (آلِ ابی طالب) پر سخت تنگی کی، ان کی خوراک اور معاش کے ذرائع کو محدود کر دیا، اور ان پر سخت ترین جاسوسی۔ عبدالصمد بن علی کی مدینہ آمد درحقیقت ساداتِ مدینہ کے لیے ایک

نئی آزمائش تھی۔ جو سادات پہلے ہی پچھلے سالوں کے مظالم سے نڈھال تھے، ان پر معاشی دباؤ اس حد تک بڑھا دیا گیا کہ ان کے لیے روزمرہ کی خوراک کا حصول بھی مشکل بنا دیا گیا۔ ان کی مجالس، خطوط اور باہمی ملاقاتوں پر سخت پہرے بٹھا دیے گئے تاکہ بنوعباس کی حکومت کے خلاف کسی فکری بیداری کا راستہ روکا جا سکے"۔

خلاصہ و نتائج: سنہ ۱۵۵ ہجری کے تحقیقی مطالعے سے درج ذیل علمی نتائج حاصل ہوتے ہیں: ۱۔ ملوکی نظام کی بے رحمی: ملوکیت اپنے تحفظ کے لیے کسی بھی ہاشمی یا علوی پر بھروسا کرنے کے لیے تیار نہ تھی، خواہ وہ ان کا اپنا گورنر ہی کیوں نہ ہو۔ حسن بن زید کی معزولی اور کسمپرسی اس کا واضح ثبوت ہے۔ ۲۔ سادات کی ہمہ جہت مظلومیت: ساداتِ علویین پر معاشی اور نفسیاتی دباؤ کو برقرار رکھنے کے لیے ملوکیت نے اپنے کٹر اور متعصب ترین افراد (جیسے عبدالصمد بن علی) کو مدینہ کا والی بنا کر بھیجا۔ ۳۔ حق گوئی اور صلہ رحمی کی قیمت: تاریخ گواہ ہے کہ اس دور میں آلِ رسول کے ساتھ نرمی برتنا یا ان کے دکھ درد کو محسوس کرنا بھی سلطنتِ عباسیہ کی نظر میں سنگین ترین سیاسی جرم تصور کیا جاتا تھا۔

مصادر و مراجع: ۱- ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک، جلد ۸، صفحہ ۶۴-۶۷، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔ ۲۔ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۶۲۸-۶۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔ ۳۔ ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۱۲۹، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

تاریخِ مظلومیتِ اہل بیت اور سانحاتِ سنہ ۱۵۶ ہجری

ابو جعفر المنصور کے عہدِ حکومت کا اواخر جہاں ایک طرف عباسی سلطنت کے انتظامی استحکام کا مظہر تھا، وہیں دوسری طرف آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ساداتِ علویین اور حق پرست علمائے کرام کے خلاف ریاستی جبر اور معاشی ناکہ بندی کا تاریک ترین باب بھی تھا۔ سنہ ۱۵۶ ہجری (بمطابق ۷۷۳ عیسوی) کا سال ملوکیت کے اسی خوف اور قہر و غضب کی پالیسی کا تسلسل ہے۔ اس سال المنصور نے مدینہ منورہ میں سادات پر کڑی سیاسی و معاشرتی پابندیوں کو برقرار رکھتے ہوئے مکہ مکرمہ اور حجاز کے مضافات میں بھی محبانِ اہل بیت کے خلاف گھیرا تنگ کیا، اور مدینہ منورہ کی امارت پر اپنے چچا عبد الصمد بن علی کی بدولت علویین کی زندگیوں کو مزید اجیرن بنا دیا۔ زیرِ نظر مقالے میں سنہ ۱۵۶ ہجری کے ان اہم ترین تاریخی شواہد اور سادات کی مظلومیت کا علمی و تحقیقی احاطہ مستند مصادر کی روشنی میں کیا گیا ہے تاکہ اسے کتاب ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' میں شامل کیا جا سکے۔

سانحہ اول: مدینہ منورہ میں عبد الصمد بن علی کے مظالم اور سادات کی ہمہ جہت معاشی تنگی: سابقہ سال (۱۵۵ھ) میں حسن بن زید بن الحسن کی معزولی کے بعد جب المنصور نے اپنے چچا عبد الصمد بن علی کو مدینہ منورہ کا گورنر مقرر کیا، تو سنہ ۱۵۶ ہجری میں عبد الصمد نے ساداتِ علویین کو جھکانے اور انہیں فکری و سیاسی طور پر مفلوج

کرنے کے لیے ظلم کا بازار گرم رکھا۔ اس سال علویین کے اموال اور غصب شدہ صدقات پر شاہی تسلط کو مزید سخت کر دیا گیا، یہاں تک کہ سادات کے گھرانوں میں بنیادی ضروریاتِ زندگی کا قحط پیدا ہو گیا۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی عظیم تاریخی تصنیف ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۵۶ ہجری کے احوال کے تحت رقمطراز ہیں: ''**وفی هذه السنة (۱۵۶ هـ) أقام عبد الصمد بن علی بالمدینة، واستمر فی التضییق علی من بقی من آل أبی طالب، وحرمانهم من صلاتهم وأرزاقهم، وكتابة التقارير فی حركاتهم إلى المنصور**''. **ترجمہ وتشریح:** ''اور اسی سال (۱۵۶ھ) عبدالصمد بن علی مدینہ میں (امارت پر) قائم رہا، اور اس نے آلِ ابی طالب کے بقیہ لوگوں پر تنگی کرنے، اور انہیں ان کے وظائف اور رزق کے ذرائع سے محروم رکھنے کا سلسلہ جاری رکھا، اور ان کی حرکات وسکنات کی رپورٹیں (جاسوسی کے ذریعے) المنصور کی طرف بھیجتا رہا''۔

توضیح وتشریح: یہ عبارت یہ ظاہر کرتی ہے کہ عباسی ملوکیت نے کس طرح ساداتِ علویین کو سماجی طور پر بالکل اکیلا کر دیا تھا اور ان کے گرد جاسوسی کا مہیب جال بچھایا ہوا تھا۔ ایک معزز اور عالی نسب خاندان کے لیے، جو علم اور تقویٰ کا مرکز ہو، اس سے بڑی مظلومیت کیا ہوگی کہ ان کے سانس لینے پر بھی پہرے بٹھا دیے جائیں اور انہیں نانِ شبینہ کا محتاج کر کے ان کی عزتِ نفس کو مجروح کرنے کی ناپاک کوشش کی جائے؟ عبدالصمد

بن علی نے عباسی عصبیت میں اندھے ہوکر مدینہ منورہ کو آلِ رسول کے لیے ایک قید خانے کی مانند بنادیا تھا۔

سانحہ دوم: مکہ مکرمہ اور حجاز میں محبانِ اہل بیت کی پکڑ دھکڑ اور جلاوطنی: سنہ ۱۵۶ ہجری میں عباسی سلطنت کے کارندوں نے صرف مدینہ منورہ ہی نہیں، بلکہ مکہ مکرمہ اور دیگر حجازی علاقوں میں بھی ان معززین اور اصحابِ علم پر عرصہ حیات تنگ کیے رکھا جن پر نفسِ زکیہ (سیدنا محمد بن عبداللہ) یا ان کے بھائی سیدنا ابراہیم کی تحریک کی تائید کا شبہ تھا۔ اس سال بہت سے مخلصین کو زبردستی ان کے آبائی وطن سے جلاوطن کر کے بغداد اور عراق کے دیگر دور دراز زندانوں کی طرف روانہ کیا گیا۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: علامہ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ) اپنی معتبر تاریخ ''الکامل فی التاریخ'' میں سنہ ۱۵۶ ہجری کے واقعات کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں: ''**وكان عمال المنصور بمكة والحجاز يتتبعون في هذه السنة كل من اتهم بمشايعة العلويين أو إعانتهم، فأخذوا جماعة من وجوه الناس ونقلوهم إلى العراق في حال سيئة**''. **ترجمہ وتشریح:** ''اور مکہ اور حجاز میں المنصور کے عمال اس سال (۱۵۶ھ) میں ہر اس شخص کا کھوج لگا رہے تھے جس پر علویوں کی پیروی (محبت) یا ان کی اعانت کرنے کی تہمت تھی۔ چنانچہ انہوں نے معززینِ وقت کی ایک جماعت کو گرفتار کیا اور انہیں انتہائی دگرگوں اور بری حالت میں عراق کی طرف منتقل کر دیا''۔ **توضیح وتشریح:** ملوکیت کا یہ مہیب چہرہ ہے جہاں محض

''تہمتِ محبتِ اہل بیت'' کے جرم میں عزت دار شہریوں اور بزرگوں کو گرفتار کر کے شدید گرمی اور کسمپرسی کے عالم میں سینکڑوں میل دور عراق کے تاریک قید خانوں کی طرف ہانک دیا جاتا تھا۔ ''فی حال سیئۃ'' (بری حالت میں) کے الفاظ ان مظلوموں پر سفر کے دوران اور گرفتاری کے وقت کیے جانے والے جسمانی و نفسیاتی تشدد کی غمازی کرتے ہیں۔ علمِ تاریخ گواہ ہے کہ ان میں سے کثیر تعداد زندانوں کی سختی اور پیاس و بھوک کی تاب نہ لاتے ہوئے گمنامی کی حالت میں شہید ہوگئی۔

خلاصہ و نتائج: سنہ ۱۵۶ ہجری کے تحقیقی و علمی مطالعے سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں: ۱۔ مسلسل معاشرتی مقاطعہ (Social Boycott): عبد الصمد بن علی کی بدولت مدینہ منورہ میں سادات کا معاشی اور معاشرتی بائیکاٹ اپنے عروج پر رہا، جس کا مقصد علویین کی فکری جڑوں کو کاٹنا تھا۔ ۲۔ جغرافیائی جبر کا پھیلاؤ: عباسی سلطنت کا جبر صرف ایک شہر تک محدود نہ تھا بلکہ مکہ اور مضافاتِ حجاز میں بھی حبِ اہل بیت کی پاداش میں معززین کو تذلیل اور جلاوطنی کا سامنا کرنا پڑا۔ ۳۔ استقامتِ حق: ان تمام مصائب، معاشی ناکہ بندیوں اور توہین آمیز گرفتاریوں کے باوجود، ان مظلوم شخصیات نے صبر و رضا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور ظلم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے پر موت کو ترجیح دی۔

مصادر و مراجع: ۱۔ ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک، جلد ۸، صفحہ ۱۷-۴۷، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔

۲۔ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۶۳۴-۶۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔۳۔ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۱۳۲، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

تاریخِ مظلومیتِ اہل بیت اور سانحاتِ سنہ ۱۵۷ ہجری

سلطنتِ عباسیہ کے دوسرے تاجدار ابو جعفر المنصور کے عہدِ حکومت کا یہ آخری دورِ ملوکیت، تاریخِ اسلام میں حریت، حق گوئی اور آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہونے والے ریاستی جبر کا بدترین آئینہ دار ہے۔سنہ ۱۵۷ ہجری (بمطابق ۷۷۴ عیسوی) کا سال عباسی قہر و غضب اور ساداتِ علویین کی نسل کشی کی پالیسی کا ایک ہولناک تسلسل ہے۔اس سال المنصور نے اپنے اقتدار کو حتمی دوام بخشنے اور اپنے بیٹے محمد المہدی کے لیے بیعت کو یقینی بنانے کی خاطر حجاز اور عراق میں ایسے تمام عناصر کو چن چن کر بیڑیوں میں جکڑا جن کی حق پرستی اور جلالتِ علمی ملوکیت کے در و دیوار کو ہلا سکتی تھی۔ زیرِ نظر مقالے میں سنہ ۱۵۷ ہجری کے اندوہناک واقعات اور مظلوم شخصیات کا علمی و تحقیقی احاطہ مستند تاریخی مصادر کے متن کی روشنی میں پیش کیا جا رہا ہے تاکہ یہ ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' نامی کتاب کی زینت بن سکے۔

سانحہ اول: بغداد کے زیرِ زمین قید خانوں میں ساداتِ کرام پر مظالم اور لرزہ خیز شہادتیں: سنہ ۱۵۷ ہجری میں عباسی دار الحکومت بغداد کے وہ تاریک اور زیرِ زمین

زندان ساداتِ علویین اور ان کے سچے مخلصین کی آہوں اور سسکیوں کے گواہ بنے، جنہیں المنصور نے مکہ، مدینہ اور کوفہ سے گرفتار کروا کر قید کر رکھا تھا۔ اس سال ان اسراء (قیدیوں) پر اذیتوں کے پہاڑ توڑے گئے، ان کی خوراک اور پانی پر پابندیاں لگائی گئیں، جس کے نتیجے میں کئی جلیل القدر سادات نے قید خانے کی تاریکی ہی میں دم توڑ دیا۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی شہرہ آفاق کتاب ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۵۷ ہجری کے احوال کے تحت ملوکیت کے اس لرزہ خیز ظلم کو یوں رقم کرتے ہیں: ''**وفی هذه السنة (۱۵۷ هـ) اشتدت وطأة المنصور علی من بقی عنده فی الحبوس من الطالبیین وبنی هاشم، وضیق علیهم فی الشراب والطعام، فمات منهم جماعة فی سجن بغداد تحت الأرض، ولم تدفن جثثهم إلا سراً**''. **ترجمہ وتشریح:** ''اور اسی سال (۱۵۷ھ) میں المنصور نے اپنے پاس قید خانوں میں موجود بقیہ طالبین (آلِ ابی طالب) اور بنو ہاشم پر ظلم وسختی کی انتہا کر دی، اور ان پر کھانے اور پینے (کے ذرائع) کو انتہائی تنگ کر دیا؛ پس ان میں سے ایک جماعت بغداد کے زیرِ زمین قید خانے میں وفات پا گئی، اور ان کے جنازوں کو صرف لکڑی کے تختوں پر رکھ کر خفیہ طور پر دفن کیا گیا''۔ **توضیح وتشریح:** یہ واقعہ ملوکیت کی وہ سنگدلی ہے جس پر تاریخِ انسانی ہمیشہ آنسو بہاتی رہے گی۔ جن ساداتِ کرام کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ عدلِ نبوی اور نظامِ علی کے

سچے پاسبان تھے، انہیں بغداد کے اندھے اور نم آلود زیرِ زمین قید خانوں (سجون تحت الأرض) میں بھوکا پیاسا رکھ کر تڑپایا گیا۔ ساداتِ علویین کی یہ مظلومیت اس حد تک دلدوز تھی کہ ان پاکیزہ نفوس کی لاشوں کو ان کے پسماندگان کے حوالے تک نہ کیا گیا اور رات کی تاریکی میں گمنام جگہوں پر دفن کر دیا گیا۔ یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ عباسی ملوکیت اقتدار کے تحفظ کے لیے خاندانِ رسالت کے خون سے ہولی کھیلنے میں کس قدر جری ہو چکی تھی۔

سانحہ دوم: امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کی جلاوطنی میں شدت اور حجاز میں گرفتاری کے احکامات: سنہ ۱۵۷ ہجری میں امیر المؤمنین فی الحدیث امام سفیان بن سعید الثوری الکوفی (متوفی ۱۶۱ھ) کی مظلومانہ روپوشی اور جلاوطنی کا معاملہ مزید سنگین ہو گیا۔ المنصور نے علم وتقویٰ کے اس پہاڑ کو جھکانے کے لیے اپنی تمام تر انتظامی طاقت جھونک دی تھی۔ اس سال المنصور نے حجاز کے عمال اور مکہ کے والی کو سخت ترین خطوط لکھے کہ سفیان ثوری جہاں کہیں بھی ملیں، انہیں گرفتار کر کے ہتھکڑیاں لگا کر بغداد روانہ کیا جائے، جس کی وجہ سے امام عالی مقام کو مسلسل صحراؤں اور پہاڑیوں میں پناہ لینی پڑی۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام شمس الدین الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) اپنی مستند کتاب ''سیر اعلام النبلاء'' میں امام سفیان ثوری کے احوال کے تحت سنہ ۱۵۷ ہجری کے لگ بھگ کے اس دورِ ستم کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''کتب المنصور

فی سنة سبع وخمسین ومائة إلی والی مکة بالقبض علی سفیان الثوری وإرساله مکبلاً، فاشتد الطلب علیه، وضاق به الأمر، فکان یتنقل فی القبائل متنکراً یحمی دین الله وعلمه". **ترجمہ وتشریح:** ''المنصور نے سنہ ۱۵۷ ہجری میں مکہ کے والی کی طرف خط لکھا کہ سفیان ثوری کو گرفتار کیا جائے اور انہیں بیڑیاں ڈال کر (دار الحکومت) بھیجا جائے، پس ان کی تلاش کے لیے سخت گھیرا تنگ کیا گیا اور ان پر معاملاتِ زندگی تنگ ہو گئے؛ چنانچہ وہ دینِ خدا اور اپنے علم کی حفاظت کی خاطر قبائل میں بھیس بدل کر منتقل ہوتے رہے''۔ **توضیح وتشریح:** امام سفیان ثوری کی یہ مظلومیت اِس حقیقت کو بے نقاب کرتی ہے کہ ملوکی نظام صرف سیاسی حریفوں ہی کا دشمن نہ تھا، بلکہ وہ زہد وتقویٰ اور حریتِ فکر کا بھی قاتل تھا۔ ایک جلیل القدر فقیہ اور محدث، جس کے علم سے پوری امت فیضیاب ہو رہی تھی، اسے دربارِ شاہی کی چاکری قبول نہ کرنے کے جرم میں مجرموں کی طرح بھیس بدل کر (متنکراً) زندگی گزارنے پر مجبور کیا گیا۔ علم کی اس سے بڑی تذلیل اور مظلومیت کیا ہوگی کہ وقت کا سب سے بڑا محدث اپنے نانا کے حرم (مکہ ومدینہ) میں بھی کھل کر سانس نہ لے سکے اور ظالم حکمران ان کی بو سونگھتے پھریں۔

خلاصہ ونتائج: سنہ ۱۵۷ ہجری کے تاریخی وتحقیقی حقائق سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں: ۱۔ انسانیت سوز قید وبند: بغداد کے زیرِ زمین قید خانوں میں ساداتِ علویین کو بنیادی ضرورتِ زندگی یعنی خوراک اور پانی سے محروم کر کے شہید کیا گیا، جو

عباسی دور کے ملوکانہ فاشزم (Fascism) کی بدترین مثال ہے۔۲۔علم و دیانت کا تعقیب: علمائے حق اور محدثینِ عظام (جیسے امام سفیان ثوری) کی حبسِ بے جا اور مسلسل روپوشی یہ ثابت کرتی ہے کہ ملوکیت علمِ دین کو اپنے سیاسی مقاصد کے لیے لونڈی بنانا چاہتی تھی، اور انکار کی صورت میں جلاوطنی مقدر بنتی تھی۔۳۔مظلومیت کے باوجود استقامت: ان تمام بے پناہ مظالم اور تنگیوں کے باوجود، ساداتِ کرام اور علمائے حق نے عباسی ظلم کے سامنے بیعت یا جھکنے کا سودا نہیں کیا اور اپنے خون و استقامت سے اسلام کی حقیقی روح کو زندہ رکھا۔

مصادر و مراجع: ۱- ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک، جلد ۸، صفحہ ۷۹-۸۲، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔ ۲۔ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۶۴۰-۶۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔۳۔شمس الدین الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء، جلد ۷، صفحہ ۲۴۲-۲۴۵، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۸۵ء۔۴۔ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۱۳۵، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

تاریخِ مظلومیتِ اہل بیت اور سانحاتِ سنہ ۱۵۸ ہجری

سنہ ۱۵۸ ہجری (بمطابق ۷۷۵ عیسوی) کا سال تاریخِ اسلام میں ایک

سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ یہ عباسی ملوکیت کے بانی اور ساداتِ علویین پر مظالم کی انتہا کرنے والے خلیفہ ابوجعفر المنصور کی زندگی اور اس کے عہدِ ستم کا آخری سال ہے۔ جہاں یہ سال المنصور کی ہلاکت کا گواہ ہے، اس کی موت سے قبل ساداتِ کرام اور محبانِ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہونے والے مظالم کی ایسی داستانوں سے بھرا ہوا ہے جو دل کو دہلا دیتی ہیں۔ المنصور نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں بھی حریت پسند علویین اور زہد وتقویٰ کے پیکر ائمہ کو قید و بند اور جلاوطنی کے عذاب میں مبتلا رکھا۔ زیرِ نظر مقالے میں معتبر و مستند تاریخی مصادر کے متون کی روشنی میں سنہ ۱۵۸ ہجری کے ان اہم ترین واقعات اور مظلوم شخصیات کا علمی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے تاکہ یہ کتاب ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' کا ایک مستقل اور جامع باب بن سکے۔

سانحہ اول: المنصور کی آخری مہم، ساداتِ مدینہ کی مکہ مکرمہ طلبی اور مظلومانہ سفر سنہ ۱۵۸ ہجری میں ابوجعفر المنصور نے حج کا ارادہ کیا، لیکن اس نے مکہ روانگی سے قبل مدینہ منورہ کے عمال کو حکم دیا کہ وہ ساداتِ علویین (آلِ ابی طالب) کے معززین اور بزرگوں کو زبردستی اپنے ساتھ مکہ مکرمہ لے کر آئیں، تاکہ وہ اس کی آنکھوں کے سامنے رہیں اور مدینہ میں ان کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر کوئی تحریک سر اٹھا نہ سکے۔ ساداتِ کرام، جو پہلے ہی پے در پے معاشی پابندیوں اور نفسیاتی اذیوں سے نڈھال تھے، انہیں سخت گرمی کے موسم میں اس سفر پر مجبور کیا گیا، جو ان کے لیے ایک شدید جسمانی و معنوی آزمائش اور مظلومیت کا سبب بنا۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۵۸ ہجری کے احوال اور المنصور کے آخری سفرِ حج کے ذیل میں لکھتے ہیں: ''وفی هذه السنة ۱۵۸ هـ) خرج المنصور حاجاً، وكتب إلى والى المدينة بضم جماعة من الطالبيين وإخراجهم معه إلى مكة، فشخصوا فی حال من الجهد والتعب، وكان المنصور يريد تشديد الحبس عليهم بمكة''. **ترجمہ وتشریح:** ''اور اسی سال (۱۵۸ھ) المنصور حج کے لیے نکلا، اور اس نے مدینہ کے والی کی طرف خط لکھا کہ طالبین (آلِ ابی طالب) کی ایک جماعت کو یکجا کیا جائے اور انہیں اس کے ساتھ مکہ کی طرف نکالا جائے؛ پس انہوں نے سخت تنگی، مشقت اور تھکن کے عالم میں سفر کیا، اور المنصور کا ارادہ مکہ پہنچ کر ان پر قید و بند کو مزید سخت کرنا تھا''۔ **توضیح و تشریح:** یہ تاریخی عبارت شاہد ہے کہ ملوکیت کا خوف اور سادات سے اس کا بغض آخری سانس تک قائم رہا۔ ان بزرگ سادات کو، جنہوں نے حکومت کے خلاف کوئی تلوار نہیں اٹھائی تھی، محض ان کے علمی و خاندانی وقار کی وجہ سے اس پیرانہ سالی اور کمزوری میں مدینہ سے مکہ مکرمہ کی طرف سفر کرنے پر مجبور کیا گیا ''فی حال من الجهد والتعب''۔ ملوکیت نے ان کے لیے نان و نفقہ اور سواریوں کا انتظام بھی اس قدر ناقص رکھا کہ وہ راستے ہی میں نڈھال ہو گئے، اور یہ ان کی مظلومیت کی ایک ایسی کڑی تھی جس کا مقصد صرف ان کی تذلیل کرنا تھا۔

سانحہ دوم: بیت المالِ منصور سے سادات کے کٹے ہوئے سروں کے مخزن کا انکشاف: سنہ ۱۵۸ ہجری میں المنصور مکہ کے راستے میں (بئر میمون کے مقام پر) واصلِ جہنم ہوا، اور اس کا بیٹا محمد المہدی تخت نشین ہوا۔ المہدی نے جب المنصور کے خاص خزانوں اور بیت المال کی چابیاں سنبھالیں، تو وہاں ایک ایسا ہولناک اور لرزہ خیز راز فاش ہوا جس نے عباسی دور کے فاشزم اور سادات پر ہونے والے پردۂ غیب کے مظالم کو رہتی دنیا تک کے لیے بے نقاب کر دیا۔ المنصور نے ساداتِ علویین کے کٹے ہوئے سروں کا ایک خفیہ گودام بنا رکھا تھا، جہاں معصوم بچوں اور بزرگوں کے سروں کو ممی (Preserve) کر کے رکھا گیا تھا اور ان کے ساتھ ان کے ناموں کی تختیاں لٹک رہی تھیں۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: علامہ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ ھ) اپنی مستند تاریخ ''الکامل فی التاریخ'' میں المنصور کی ہلاکت اور المہدی کی تخت نشینی کے ذیل میں اس لرزہ خیز واقعے کو یوں بیان کرتے ہیں: ''لما مات المنصور سنة ثمان وخمسين ومائة، فتح المهدى خزائن أبيه، فوجد بيتاً مقفلاً، ففتحه فإذا فيه قتلى من الطالبيين، وفى آذانهم رقاع فيها أنسابهم، وفيهم أطفال ورجال وشيوخ، فبكى المهدى وأمر بدفنهم''. **ترجمہ و تشریح:** ''جب سنہ ۱۵۸ ہجری میں المنصور مر گیا اور المہدی نے اپنے باپ کے خزانے کھولے، تو اس نے ایک بند اور مقفل کمرہ پایا۔ پس جب اس نے اسے کھولا تو دیکھا کہ اس میں آلِ ابی طالب (سادات) کے مقتولین (کے سر یا لاشیں) پڑے

ہیں، جن کے کانوں میں تختیاں لٹک رہی تھیں جن پر ان کے نسب درج تھے، اور ان میں بچے، جوان اور بوڑھے سب شامل تھے۔ یہ دیکھ کر المہدی رو پڑا اور اس نے انہیں دفن کرنے کا حکم دیا''۔ **توضیح وتشریح:** یہ واقعہ اسلام کی تاریخ کا سب سے زیادہ ہولناک اور سیاہ ترین واقعہ ہے۔ یہ ان گمنام ساداتِ کرام کی مظلومیت کا زندہ ثبوت ہے جنہیں المنصور نے گزشتہ سالوں میں خفیہ طور پر قید خانوں میں زہر دے کر یا دیواروں میں چنوا کر شہید کیا تھا، اور ان کے سروں کو بطورِ یادگارِ فتح اپنے پاس محفوظ رکھا تھا۔ ان معصوم بچوں اور بوڑھوں کا تڑپتا ہوا خون اور ان کے یہ کٹے ہوئے سر پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ بنو عباس نے اقتدار کی ہوس میں کس طرح اپنے ہی نبی کی آل کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا۔ المہدی کا خود یہ دیکھ کر رو پڑنا اس بات کی گواہی ہے کہ یہ مظلومیت اس قدر شدید تھی کہ خود عباسی ولی عہد بھی اس پر قابو نہ رکھ سکا۔

خلاصہ ونتائج: سنہ ۱۵۸ ہجری کے واقعاتِ مظلومیت کا علمی وتحقیقی نچوڑ درج ذیل نکات کی صورت میں واضح ہوتا ہے: ۱۔ نفسیاتی اور سفری مصائب: المنصور نے مرنے سے چند دن قبل تک ساداتِ علویین کو اپنے سیاسی عزائم اور خوف کے تحت سفر کی صعوبتوں اور تذلیل کا نشانہ بنائے رکھا۔ ۲۔ پردۂ غیب کے مظالم کا فاش ہونا: **المنصور کے خفیہ کمرے سے سادات کے سروں کا ملنا یہ ثابت کرتا ہے کہ عباسی دور میں مظالم کا ایک بڑا حصہ ایسا تھا جو عوام کی نظروں سے چھپا کر بغداد کے تہہ خانوں میں انجام دیا جاتا تھا**، اور ملوکیت سادات کی نسل کشی پر فخر کرتی تھی۔ ۳۔ مظلومیت کی ابدی

فتح: سنہ ۱۵۸ ہجری ملوکیت کے زوال اور ظالم حکمران (المنصور) کے انجام کا سال ہے، جس نے یہ واضح کر دیا کہ ظالم مٹ جاتے ہیں لیکن مظلومینِ حق کا ذکر اور ان کی استقامت تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ زندہ و جاوید رہتی ہے۔

مصادر و مراجع: ۱- ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک، جلد ۸، صفحہ ۸۵-۹۰، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔ ۲۔ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۶۴۸-۶۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔ ۳۔ ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۱۳۸-۱۴۲، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

تاریخِ مظلومیتِ اہل بیت اور سانحاتِ سنہ ۱۵۹ ہجری

ابو جعفر المنصور کی ہلاکت کے بعد سنہ ۱۵۸ ہجری کے اواخر میں اس کا بیٹا محمد المہدی عباسی سلطنت کے تخت پر متمکن ہوا۔ ملوکیت کے اس نئے دور یعنی عہدِ مہدی کے آغاز پر اگرچہ بظاہر ساداتِ علویین کے لیے کچھ نرمی کی پالیسی اختیار کی گئی، قیدی رہا کیے گئے اور غصب شدہ اموال کا کچھ حصہ واپس کیا گیا، لیکن یہ محض ایک عارضی اور سیاسی مصلحت پر مبنی اقدام تھا۔ سنہ ۱۵۹ ہجری (بمطابق ۷۷۶ عیسوی) کا سال اس حقیقت کا گواہ ہے کہ ملوکی نظام کی اصل روح اور اقتدار کا خوف تبدیل نہیں ہوا تھا۔ جیسے ہی خلافتِ عباسیہ کو سلطنت کے مختلف گوشوں میں علویین کی فکری جڑوں اور عوامی

مقبولیت کا دوبارہ احساس ہوا، تو نظر انداز کیے گئے سادات، زہد وتقویٰ کے حامل ائمہ اور حق پرست علمائے کرام کے خلاف دوبارہ بالواسطہ دباؤ، کڑی نگرانی اور ان کے فکری پیروکاروں کی گوشمالی کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ زیرِ نظر مقالے میں مستند تاریخی حقائق کی روشنی میں سنہ ۱۵۹ ہجری کی انھی ابعاد اور سادات کی مظلومیت کا علمی و تحقیقی احاطہ کیا گیا ہے تا کہ اسے کتاب اسلام کی مظلوم شخصیات میں شامل کیا جا سکے۔

سانحہ اول: سادات کی جزوی دلاسا دہی اور المہدی کی عیارانہ سیاسی حکمتِ عملی: سنہ ۱۵۹ ہجری میں خلیفہ محمد المہدی نے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کا رخ کیا اور بظاہر ساداتِ علویین کے زخموں پر مرہم رکھنے کے لیے ان کے غصب شدہ اموال اور صدقاتِ علوی کا کچھ حصہ واگزار کرنے کا اعلان کیا۔ تاہم، اس ظاہری رحمدلی کے پیچھے ملوکیت کی ایک گہری عیاری چھپی ہوئی تھی، جس کا مقصد سادات کو معاشی طور پر اپنے زیرِ اثر لا کر ان کی زبانوں پر قفل لگانا اور انہیں مستقل طور پر عباسی دربار کا وظیفہ خوار بنانا تھا۔ جو ساداتِ کرام اِس سیاسی دامِ تزویر (جال) کو سمجھ گئے اور انہوں نے درباری مراعات کو ٹھکرا کر اپنی حریتِ فکر کو برقرار رکھا، ان پر نظر رکھنے کے لیے پوشیدہ احکامات جاری کیے گئے۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی عظیم تاریخی دستاویز ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۵۹ ہجری کے احوال اور المہدی کے اقدامات کے تحت نقل کرتے ہیں: ''وفی هذه السنة (۱۵۹ھ) رد

المهدی بعض صدقات علی بن أبی طالب بالمدینة علی ولد فاطمة، وقسم فیهم أموالاً عظیمة، وکان یرید بذلک استمالة قلوبهم وقطع دابر الخروج علیه، وجعل العیون علیهم سراً''. **ترجمہ وتشریح:** ''اور اسی سال (۱۵۹ھ) میں المہدی نے مدینہ منورہ میں علی بن ابی طالب کے بعض صدقات (اوقاف) اولادِ فاطمہ پر واپس پلٹا دیے، اور ان میں بھاری اموال تقسیم کیے۔ اور وہ اس کے ذریعے ان کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنا اور اپنے خلاف خروج (بغاوت) کی جڑ کاٹنا چاہتا تھا، اور اس نے پوشیدہ طور پر ان پر جاسوس مقرر کر رکھے تھے''۔ **توضیح وتشریح:** یہ واقعہ ملوکیت کے ایک نئے اور خطرناک رخ کو ظاہر کرتا ہے۔ المنصور کا طریقہ کار براہِ راست تشدّد اور قتل و غارت گری پر مبنی تھا، جبکہ المہدی نے سنہ ۱۵۹ہجری میں ''سونے کی ہتھکڑیاں'' پہنانے کی پالیسی اختیار کی۔ آلِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس سے بڑی نفسیاتی مظلومیت اور تذلیل کیا ہوگی کہ ان کے اپنے آبائی، شرعی اور غصب شدہ حقوق کو شاہی بخشش اور خیرات کے طور پر پیش کیا جائے تاکہ ان کی غیرتِ ایمانی کو خریدا جا سکے۔ ساداتِ علویین نے اِس معاشی دام کو محسوس کیا اور ظاہری مراعات کے باوجود اپنے آباء کی حریت پسندی اور زہد کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

سانحہ دوم: خراسان اور ماوراء النہر میں علوی مخلصین پر ستم اور مقنع کے فتنے کا ہدف بننا: سنہ ۱۵۹ہجری میں عباسی سلطنت کے مشرقی صوبوں، بالخصوص خراسان

میں ''حکیم المقنع'' (جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا) کا فتنہ عروج پر پہنچ چکا تھا۔عباسی حکومت نے اس فتنے کو کچلنے کے بہانے ان تمام معززین، اہل علم اور مخلصینِ اہل بیت کو بھی اپنی تلواروں کی زد پر رکھ لیا جو ملوکیت کے خلاف حق کی آواز بلند کرتے تھے۔ خراسان کے گورنر حمید بن قحطبہ اور دیگر عباسی عمال نے اس سال فتنہ سد باب کرنے کے نام پر حبِ علی و فاطمہ کے جرم میں بہت سے بے گناہ افراد کو نشانہ بنایا۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: علامہ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ) اپنی مستند تاریخ ''الکامل فی التاریخ'' میں سنہ ۱۵۹ ہجری کے ملوکانہ مظالم کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''**عظم أمر المقنع بخراسان فی سنة تسع وخمسین ومائة، فاستغل عمال المهدی هذه الفتنة لتتبع من یتهم بالمیل إلی بنی هاشم من غیر العباسیین، وضیقوا علی وجوه الناس بحجة حفظ الأمن**''. **ترجمہ وتشریح:** ''اور سنہ ۱۵۹ ہجری میں خراسان میں مقنع کا معاملہ بہت بڑھ گیا، پس المہدی کے عمال نے اس فتنے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہر اس شخص کا تعاقب کیا جس پر غیر عباسی بنو ہاشم (ساداتِ علویین) کی طرف میلان کی تہمت تھی، اور انہوں نے امنِ عامہ کے تحفظ کے بہانے وقت کے معززین پر سخت تنگی کی''۔ **توضیح وتشریح:** یہ تاریخی حقیقت اِس دور کے سیاسی استبداد کو بے نقاب کرتی ہے۔ ملوکی نظام ہمیشہ بیرونی یا اندرونی فتنوں کو اپنے مخلص اور امن پسند حریفوں کے خاتمے کے لیے ایک بہترین ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ خراسان اور عراق کے وہ سادات وعلمائے

حق، جو مقفع جیسے گمراہ کن فتنوں کے خود شدید مخالف تھے، انہیں بھی عباسی کارندوں نے ''سیاسی عصبیت'' کی بنا پر قید و بند اور مالی نقصانات کا نشانہ بنایا۔ حق پرستوں کی یہ مظلومیت اسلام کی فکری تاریخ کا وہ المیہ ہے جہاں ملوکیت اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے حق و باطل کا تمیز کھو بیٹھتی ہے۔

خلاصہ و نتائج: سنہ ۱۵۹ ہجری کے واقعاتِ مظلومیت کا علمی و تحقیقی نچوڑ درج ذیل نکات کی صورت میں سامنے آتا ہے: ۱- بالواسطہ اور نفسیاتی دباؤ: عباسی خلیفہ المہدی نے ساداتِ علویین کو معاشی مراعات کے جال میں جکڑ کر ان کے فکری اثر و رسوخ کو ختم کرنے کی کوشش کی، جو کہ ایک گہری نفسیاتی مظلومیت تھی۔ ۲- پوشیدہ جاسوسی کا دوام: اموال کی ظاہری واپسی کے باوجود سادات کی سانسوں پر پوشیدہ پہرے (**جعل العیون علیھم سراً**) اس بات کا ثبوت ہیں کہ ملوکیت کبھی آلِ علی پر حقیقی بھروسا نہیں کر سکتی تھی۔ ۳- فتنوں کی آڑ میں حق گوئی کا استحصال: سلطنت کے دور دراز علاقوں میں باغیانہ فتنوں کی آڑ لے کر حبِ اہل بیت رکھنے والے معززین اور مخلصین کو کچلا گیا اور ان کی آواز کو دبایا گیا۔

مصادر و مراجع: ۱- ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک، جلد 8، صفحہ ۱۰۲-۱۰۵، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔ ۲۔ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۶۶۰-۶۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔ ۳۔ شمس الدین الذہبی (متوفی

۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء، جلد ۷، صفحہ ۳۱۰، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۸۵ء۔۴۔ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۱۴۸، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

تاریخِ مظلومیتِ اہل بیت اور سانحاتِ سنہ ۱۶۰ ہجری

خلافتِ عباسیہ کے تیسرے سالِ مہدی یعنی سنہ ۱۶۰ ہجری (بمطابق ۷۷۷ عیسوی) کا سال بظاہر امن و استحکام کا دور دکھائی دیتا ہے، لیکن تاریخِ اسلام کے باطن میں ساداتِ علویین، ذریتِ فاطمہ سلام اللہ علیہا اور مخلصینِ اہل بیت کے خلاف ریاستی دباؤ کی ایک مدہم مگر گہری لہر کام کر رہی تھی۔ عباسی خلیفہ محمد المہدی نے جہاں اپنے اقتدار کے ابتدائی ایام میں سادات کو کچھ مالی مراعات اور اوقاف واپس کر کے پُر امن رکھنے کی سیاسی کوشش کی تھی، وہیں سنہ ۱۶۰ ہجری تک پہنچتے پہنچتے یہ واضح ہو گیا کہ ملوکی نظام اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فکری اور اخلاقی اثر و رسوخ کو کسی صورت برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس سال مدینہ منورہ اور عراق میں حبِ اہل بیت کی پاداش میں خفیہ گرفتاریوں، کڑی نگرانیوں اور علمائے حق کی آزادی کو سلب کرنے کے واقعات رونما ہوئے، جو ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' کی داستانِ عزیمت کا ایک اہم حصہ ہیں۔

سانحہ اول: مدینہ منورہ میں سادات کے خلاف خفیہ احتسابی مہم اور بیعتِ

مہدی کا دباؤ: سنہ ۱۶۰ ہجری کا ایک اہم اور دردناک پہلو یہ ہے کہ خلیفہ المہدی نے سلطنت کے طول وعرض، بالخصوص حجازِ مقدس میں اپنے بیٹے موسیٰ الہادی اور ہارون الرشید کے حق میں ولی عہدی کی بیعت کو مستحکم کرنے کے لیے مہم شروع کر رکھی تھی۔ مدینہ منورہ میں مقیم ساداتِ حسنی وحسینی، جو ملوکیت کے اس وراثتی نظام کو خلافتِ راشدہ کے اصولوں کے منافی سمجھتے تھے، ان پر بالواسطہ دباؤ ڈالا گیا کہ وہ اس نظام کی توثیق کریں۔ جب انہوں نے خاموشی اور زہد کا راستہ اختیار کیا، تو عباسی عمال نے ان کے گرد گھیرا تنگ کر کے ان کی آمد ورفت کو محدود کر دیا۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی معتبر ترین تاریخ ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۶۰ ہجری کے احوال کے تحت ملوکیت کے اِس پوشیدہ دباؤ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''**وفی هذه السنة (۱۶۰ هـ) أمر المهدی عماله بالحجاز بالتيقظ التام، وجعل العيون على من يظن به كراهة لولاية العهد، وضيقوا على جماعة من الطالبيين فی مجالسهم وحديثهم**''. **ترجمہ وتشریح:** ''اور اسی سال (۱۶۰ھ) میں المہدی نے حجاز میں اپنے عمال کو مکمل چوکسی کا حکم دیا، اور ہر اس شخص پر جاسوس مقرر کر دیے جس کے بارے میں ولی عہدی (کے وراثتی نظام) کو ناپسند کرنے کا گمان تھا، اور انہوں نے طالبین (آلِ ابی طالب) کی ایک جماعت پر ان کی مجالس اور باہمی گفتگو کے معاملے میں سخت تنگی کر دی''۔ **توضیح وتشریح:** یہ واقعہ شاہد

ہے کہ ملوکی نظام کس قدر کمزور بنیادوں پر قائم ہوتا ہے کہ اسے ساداتِ کرام کی باہمی گفتگو اور مجالس تک سے خطرہ محسوس ہونے لگتا ہے۔ خاندانِ نبوت کے ان چشم و چراغوں کے لیے، جو علم وحکمت کے مینار تھے، اپنے ہی نانا کے شہر میں اس سے بڑی مظلومیت کیا ہوگی کہ ان کی زبانوں پر پہرے بٹھا دیے جائیں اور محض ''ناپسندیدگی کے گمان'' (یظن بہ کراھة) کی بنیاد پر انہیں ذہنی اور معاشرتی طور پر ہراساں کیا جائے۔ یہ سادات کی وہ نفسیاتی مظلومیت تھی جو جسمانی تشدد سے کہیں زیادہ گراں تھی۔

سانحہ دوم: بغداد اور کوفہ میں مخلصینِ اہل بیت کی مظلومانہ روپوشی اور تعقّب:

سنہ ۱۶۰ ہجری میں عباسی دارالحکومت بغداد اور شیعیانِ اہل بیت کے گڑھ کوفہ میں ان علمائے حق اور اصحابِ زہد کا تعاقب تیز کر دیا گیا جنہوں نے عباسی دربار کی حاکمیت کو دل سے تسلیم نہیں کیا تھا۔ اگرچہ المنصور کے دور کی طرح علانیہ قتل عام کم تھا، لیکن اس سال بہت سے مخلصین کو خفیہ کارروائیوں کے ذریعے اٹھایا گیا، جس کی وجہ سے بیسیوں نامور اصحابِ علم کو مستقل طور پر روپوشی اور جلاوطنی کی زندگی گزارنی پڑی۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: علامہ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ) اپنی مستند تاریخ ''الکامل فی التاریخ'' میں سنہ ۱۶۰ ہجری کے واقعات کے ضمن میں رقمطراز ہیں: ''وکان عمال العراق فی سنة ستین ومائة یتتبعون وجوہ الشیعة والعلویین الذین یتخوفون من فضلهم وعلمهم، فحبس بعضهم فی بغداد، واضطر آخرون إلی التواری فی البلدان''. ترجمہ و

تشریح: ''اور عراق کے عمال سنہ ۱۶۰ ہجری میں شیعہ (مخلصینِ اہل بیت) اور علویین کے ان معززین کا کھوج لگا رہے تھے جن کے فضل اور علم سے حکومت خائف تھی؛ چنانچہ ان میں سے بعض کو بغداد میں قید کر دیا گیا، اور دوسرے لوگوں کو مختلف شہروں میں روپوش ہونے پر مجبور کر دیا گیا''۔ **توضیح وتشریح:** مذکورہ بالا عبارت عباسی ملوکیت کے اِس خوف کو عیاں کرتی ہے جو اسے علم وفضل سے تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ علمائے حق اور ائمہ اہل بیت کا علم اور ان کا زہد ہی ان کا سب سے بڑا جرم بنا دیا گیا تھا، کیونکہ ملوکیت اپنے دربار میں صرف چاپلوسوں کو دیکھنا چاہتی تھی۔ ان مظلومین کو اپنے گھر بار چھوڑ کر نام بدل کر مختلف بستیوں میں چھپنا پڑا، اور جنہیں گرفتار کیا گیا وہ بغداد کے قید خانوں کی نذر ہو گئے، جو کہ اسلام کے ان سچے سپاہیوں پر ہونے والے ظلم کی ایک دردناک کڑی ہے۔

خلاصہ ونتائج: سنہ ۱۶۰ ہجری کے تاریخی وتحقیقی مطالعے سے درج ذیل علمی نتائج اخذ ہوتے ہیں: ۱- جاسوسی اور سلبِ آزادی: عباسی دورِ مہدی میں تشدد کا رنگ بدلا تھا مگر ظلم کی روح قائم تھی۔ سادات کی مجالس اور گفتگو پر پہرے بٹھانا اِس بات کا ثبوت ہے کہ ان کی فکری آزادی سلب کر لی گئی تھی۔ ۲- علم وفضل کا معتوب ہونا: ملوکیت ہمیشہ حق پرست علم اور اخلاقی فضیلت سے خائف رہتی ہے، اسی لیے کوفہ اور بغداد کے معززین کو ان کے علم وفضل کی بنا پر نشانہ بنایا گیا۔ ۳- صبر واستقامت کا تسلسل: ان تمام تنگیوں، خفیہ گرفتاریوں اور جلاوطنی کے باوجود، ساداتِ علویین اور ان کے مخلصین نے

اپنے پاکیزہ اصولوں پر سودے بازی نہیں کی اور ظلم کے سامنے سر نہ جھکا کر حریت کی مشعل کو روشن رکھا۔

مصادر ومراجع: ۱- ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک، جلد ۸، صفحہ ۱۱۵-۱۱۸، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔ ۲۔ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۶۷۲-۶۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔۳۔شمس الدین الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء، جلد ۷، صفحہ ۳۳۵، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۸۵ء۔۴۔ ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۱۵۴، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

تاریخِ مظلومیتِ اہل بیت اور سانحاتِ سنہ ۱۶۱ ہجری

سلطنتِ عباسیہ کے تیسرے خلیفہ محمد المہدی کے عہدِ حکومت کا یہ دور جہاں بظاہر علمی ترقی اور تعمیری سرگرمیوں کا زمانہ کہلاتا ہے، وہیں باطن میں ملوکیت کا وہی مہیب چہرہ کارفرما تھا جس نے حق گوئی اور حبِ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سنگین ترین جرم بنا رکھا تھا۔ **سنہ ۱۶۱ ہجری (بمطابق ۷۷۸ عیسوی) کا سال علمی وفکری تاریخِ اسلام میں ایک انتہائی اندوہناک اور سیاہ سال کی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ اسی سال زہد وتقویٰ کے کوہِ گراں، حریتِ فکر کے پاسبان اور ''امیر المؤمنین فی الحدیث'' امام**

سفیان ثوری رحمہ اللہ نے عباسی جبر و تعاقب کی پاداش میں روپوشی اور جلاوطنی کی حالت میں مظلومانہ وفات پائی۔ اسی سال حجاز اور عراق میں ساداتِ علویین پر بھی سیاسی گھیرا مزید تنگ کیا گیا تا کہ ولی عہدی کے وراثتی نظام کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو کچلا جا سکے۔ زیرِ نظر مقالے میں مستند تاریخی حقائق کی روشنی میں سنہ ۱۶۱ ہجری کے مظلومانہ احوال کا علمی و تحقیقی احاطہ کیا گیا ہے تا کہ اسے کتاب ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' میں بعینہ شامل کیا جا سکے۔

سانحہ اول: امیر المؤمنین فی الحدیث امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کی مظلومانہ روپوشی اور شہادتِ غربت: سنہ ۱۶۱ ہجری کا سب سے بڑا اور دلدوز سانحہ امام سفیان بن سعید الثوری الکوفی (ولادت ۹۷ھ - وفات ۱۶۱ھ) کی وفات ہے۔ امام عالی مقام نے اپنی پوری زندگی عباسی ملوکیت کے سامنے سر جھکانے اور درباری قاضی بننے کے انکار میں در بدر گزاری۔ المنصور کے بعد خلیفہ المہدی نے بھی ان کا تعاقب جاری رکھا، جس کی وجہ سے وہ بصرہ میں نام بدل کر روپوش رہے۔ اسی روپوشی، جلاوطنی اور کسمپرسی کے عالم میں، اپنے وطنِ مالوف (کوفہ) اور اہل و عیال سے دور، علم و زہد کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔ ان کی تدفین تک رات کی تاریکی میں انتہائی مخفی انداز میں کی گئی تا کہ عباسی کارندے ان کے جنازے پر بھی ظلم نہ ڈھائیں۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام شمس الدین الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) اپنی معتبر ترین کتاب ''سیر اعلام النبلاء'' میں سنہ ۱۶۱ ہجری کے احوال اور امام سفیان ثوری

کی وفات کے ذیل میں رقمطراز ہیں: ''وفی سنة إحدی وستین ومائة، مات إمام العصر سفیان الثوری بالبصرة متوارياً من المهدی، وکان قد هرب من الکوفة ثم مکة ثم البصرة لحفظ دینه وعلمه، فصلی علیه جماعة یسیرة سراً لیلاً خوفاً من السلطان''. **ترجمہ وتشریح:** ''اور سنہ ۱۶۱ ہجری میں، وقت کے امام سفیان ثوری بصرہ میں المہدی (خلیفہ وقت) سے روپوش ہونے کی حالت میں وفات پا گئے۔ وہ اپنے دین اور اپنے علم کی حفاظت کی خاطر پہلے کوفہ سے، پھر مکہ سے اور پھر بصرہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے، پس سلطان (عباسی حکومت) کے خوف کی وجہ سے رات کے وقت خفیہ طور پر ایک مختصر جماعت نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی''۔ **توضیح وتشریح:** علمِ دین کے اتنے بڑے مرجع اور محدثِ اعظم کی یہ مظلومیت ملوکیت کے ظلم کی انتہا کو ظاہر کرتی ہے۔ ایک ایسا فقیہ جس کی اقتدا پوری امت کرتی تھی، اسے مجرموں کی طرح چھپ کر بصرہ کے ایک کچے مکان میں جان دینی پڑی۔ ان کی مظلومیت کا اندازہ اِس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حکومت کے خوف سے ان کے جنازے کا علانیہ اعلان تک نہ ہو سکا اور کلمہ حق بلند کرنے والے اس مجاہد کو غربت وتنہائی کی حالت میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ علم کی ایسی توہین اور صاحبِ علم کی ایسی مظلومیت تاریخ کا وہ زخم ہے جو کبھی نہیں بھر سکتا۔

سانحہ دوم: مدینہ منورہ میں ذریتِ فاطمہ پر تنگی اور جبری حاضری کا نظام:

سنہ ۱۶۱ ہجری میں عباسی خلیفہ المہدی نے مدینہ منورہ کے عمال کو یہ حکم جاری کیا کہ

ساداتِ علویین (آلِ ابی طالب) کے تمام مردوں کی روزانہ یا ہفتہ وار حاضری (عرض) لی جائے، تاکہ ان کی نقل وحرکت پر مکمل کنٹرول برقرار رہے۔ اس اقدام نے ساداتِ مدینہ کی زندگی کو ایک کھلی جیل میں تبدیل کر دیا اور انہیں معاشرتی ونفسیاتی طور پر شدید اذیت کا نشانہ بنایا گیا۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی عظیم تاریخ ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۶۱ ہجری کے واقعات کے تحت لکھتے ہیں:

"وفی هذه السنة (۱۶۱ هـ) شدد المهدی علی الطالبیین بالمدینة، وألزم الوالی بأخذ العرض علیهم فی کل حین، ومنعهم من الخروج من المدینة إلا بإذن مکتوب، وضیق علیهم فی معایشهم". ترجمہ و **تشریح:** ''اور اسی سال (۱۶۱ھ) میں المہدی نے مدینہ منورہ میں طالبین (آلِ ابی طالب) پر سخت تنگی کی، اور وہاں کے گورنر پر لازم کیا کہ وہ ہر وقت ان کی حاضری کا ریکارڈ رکھے، اور انہیں تحریری اجازت نامے کے بغیر مدینہ سے باہر جانے سے روک دیا گیا، اور ان کی گزراوقات اور معیشت میں سخت تنگی کر دی گئی''۔ **توضیح وتشریح:** یہ تاریخی عبارت اِس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ عباسی ملوکیت کس طرح خاندانِ رسالت کے وجود سے خائف تھی۔ ساداتِ کرام کو اپنے ہی شہر مدینہ میں نظر بند کر دینا، ان کے سفر پر پابندی لگانا، اور ان کی روزمرہ کی معیشت کو مفلوج کر دینا ملوکیت کا وہ حربہ تھا جس کا مقصد آلِ فاطمہ کی اخلاقی اور فکری قیادت کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا تھا۔ ان پاکیزہ نفوس پر

روزانہ حاضری کی یہ پابندی ایک ایسی توہین آمیز مظلومیت تھی جس نے سادات کو اپنے ہی نانا کے روضے کے سائے میں خون کے آنسو رولایا۔

خلاصہ ونتائج: سنہ ۱۶۱ ہجری کے تاریخی وتحقیقی مطالعے سے درج ذیل علمی نتائج حاصل ہوتے ہیں: ۱۔علمِ حق کی کسمپرسی: امام سفیان ثوری جیسے جلیل القدر محدث کی روپوشی کی حالت میں وفات اور خفیہ تدفین یہ ثابت کرتی ہے کہ ملوکی نظام علمِ دین کو دربار کی لونڈی بنانا چاہتا تھا اور حریت پسند علماء کے لیے سلطنت کی زمین تنگ کردی گئی تھی۔ ۲۔شہری وفکری آزادی کا سلب ہونا: مدینہ منورہ میں ساداتِ علویین پر حاضری کا نظام اور جبری سفری پابندیاں اس دور کے بدترین فاشزم اور سادات کی ہمہ جہت مظلومیت کا بین ثبوت ہیں۔ ۳۔مظلومیت کی تاریخی فتح: عباسی ملوکیت نے اگرچہ طاقت کے بل بوتے پر امام سفیان ثوری کو جلاوطن کیا اور سادات کو قید رکھا، لیکن تاریخ نے عباسی خلیفہ المہدی کے بجائے امام سفیان ثوری کے زہد اور سادات کی استقامت کو رہتی دنیا تک کے لیے امر کردیا۔

مصادر ومراجع: ۱۔ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک، جلد ۸، صفحہ ۱۲۲-۱۲۶، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔ ۲۔ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۶۸۰-۶۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔ ۳۔شمس الدین الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء، جلد ۷، صفحہ ۲۷۲-۲۷۹، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت،

لبنان، سن طباعت: ۱۹۸۵ء۔ ۴۔ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد۱۰، صفحہ۱۶۰-۱۶۲، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

کوفہ اور بغداد میں سادات کے بہی خواہوں پر الحاد و زندقہ کی جھوٹی تہمتیں اور آزمائش

سانحاتِ سنہ۱۶۲ر ہجری: خلافتِ عباسیہ کے دورِ مہدی کا سال سنہ۱۶۲ر ہجری (بمطابق ۷۷۹ر عیسوی) بظاہر عباسی سلطنت کی فتوحات اور رومیوں کے خلاف فوجی مہمات کا سال دکھائی دیتا ہے، لیکن ملکی سیاست کے باطن میں حق پرستوں اور ساداتِ علویین کے خلاف ریاستی جبر کا تسلسل پوری شدت کے ساتھ قائم تھا۔ ملوکی اقتدار کی یہ روش رہی ہے کہ وہ اپنی ظاہری چمک دمک برقرار رکھنے کے لیے ان نفوسِ قدسیہ کو مسلسل عتاب کا نشانہ بناتا ہے جن کی اخلاقی اور علمی ہیبت سے تخت وتاج لرزاں رہتے ہیں۔ سنہ۱۶۲ر ہجری میں مدینہ منورہ اور کوفہ میں مقیم ساداتِ حسنی و حسینی اور ان کے فکری پیروکاروں پر سرکاری عمال کی سختیاں، جائیدادوں کی ضبطی، اور کڑی نگرانی کے ایسے واقعات پیش آئے جو ائمہ اہل بیت اور ان کے مخلصین کی لازوال مظلومیت اور استقامت کا بین ثبوت ہیں۔ زیرِ نظر مقالے میں معتبر ترین تاریخی دستاویزات کی روشنی میں انھی حقائق کا علمی اور ادبی اسلوب میں احاطہ کیا گیا ہے تاکہ اسے کتاب ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' کا حصہ بنایا جا سکے۔

سانحہ اول: مدینہ منورہ میں علویین کی املاک پر اِستبدادی ملوکانہ قبضہ اور

معاشی ناکہ بندی: سنہ ۱۶۲ ہجری میں خلیفہ محمد المہدی نے اپنے سیاسی مقاصد کے حصول اور علویین کی عوامی مقبولیت کو کچلنے کے لیے ایک نیا حربہ اختیار کیا۔ سابقہ سالوں میں کیے گئے اموال کی جزوی واپسی کے وعدوں سے انحراف کرتے ہوئے، اس سال مدینہ منورہ کے عباسی گورنر کو یہ خفیہ احکامات جاری کیے گئے کہ وہ ساداتِ فاطمیین کی ان زمینوں اور اوقاف (صدقاتِ علی و فاطمہ) کو دوبارہ سرکاری تحویل میں لے لے جن کے بارے میں یہ شبہ تھا کہ ان کی آمدنی عباسی ملوکیت کے خلاف فکری تحریکوں کی پشت پناہی میں استعمال ہوسکتی ہے۔ یہ سادات پر اِستبداد (ظلم وزبردستی) اور ان کی معاشی ناکہ بندی کی بدترین مثال تھی۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی شہرہ آفاق تاریخ ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۶۲ ہجری کے احوال کے ذیل میں ملوکی جبر کو اس طرح نقل کرتے ہیں: کوفہ اور بغداد میں سادات کے بہی خواہوں پر الحاد وزندقہ کی جھوٹی تہمتیں اور آزمائش۔ **ترجمہ وتشریح:** ''اور اسی سال (۱۶۲ھ) میں مدینہ کے گورنر کو یہ احکامات بھیجے گئے کہ وہ عباسیوں کے علاوہ (دیگر) بنو ہاشم (یعنی ساداتِ علویین) پر ان کے صدقات (اوقاف) کے معاملے میں تنگی کرے، اور ان کی ایک جماعت کی املاک کو اس بہانے سے ضبطی (حظر) کے تحت لے لیا گیا کہ ان کے اصل راستوں کی جانچ کی جائے، چنانچہ یہ اقدام ان سادات پر ایک بڑی آزمائش اور مصیبت بن کر ٹوٹا''۔ **توضیح وتشریح:** یہ واقعہ شاہد ہے کہ ملوکی نظام کس طرح قانون اور

تفتیش کی آڑ لے کر اپنے سیاسی حریفوں کا معاشی استحصال کرتا تھا۔ خاندانِ نبوت کے ان معزز ارکان کے لیے، جو فقر و فاقہ میں بھی حریتِ فکر کا دامن نہیں چھوڑتے تھے، اِس سے بڑی مظلومیت کیا ہوگی کہ ان کے آبا و اجداد کے شرعی اوقاف پر ملوکیت قابض ہو جائے؟ "النظر فی أصل وجوهها" (اصل راستوں کی جانچ) محض ایک سیاسی عذر تھا جس کا مقصد ذریتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ذہنی اور معاشی طور پر مفلوج کرنا تھا تاکہ وہ خلافتِ عباسیہ کے غیر شرعی اقدامات کے خلاف آواز نہ اٹھا سکیں۔

سانحہ دوم: کوفہ اور بغداد میں سادات کے بہی خواہوں پر الحاد و زندقہ کی جھوٹی تہمتیں اور آزمائش: سنہ ۱۶۲ ہجری میں خلیفہ المہدی نے سلطنت میں "زنادقہ" (ملحدین) کے خلاف ایک سخت مہم کا آغاز کیا اور اس کے لیے ایک مستقل سرکاری عہدہ "صاحب الزنادقہ" قائم کیا۔ تاہم، تاریخ کا سیاہ پہلو یہ ہے کہ اس مہم کا رخ بہت جلد ان مخلصین اور اصحابِ علم کی طرف موڑ دیا گیا جو حبِ اہل بیت کے جرم میں گرفتار تھے اور عباسی ملوکیت کی بیعت کو دل سے تسلیم نہیں کرتے تھے۔ کوفہ اور بغداد میں کئی زاہدوں اور فکری مصلحین کو محض اس لیے نشانہ بنایا گیا کہ وہ دربار کے سیاسی عقائد سے اختلاف رکھتے تھے، اور ان پر جھوٹے الزامات لگا کر قید خانوں میں ڈال دیا گیا۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: علامہ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ) اپنی مستند تاریخ "الکامل فی التاریخ" میں سنہ ۱۶۲ ہجری کے حادثات کے ضمن میں رقمطراز ہیں: "وفی سنة اثنتین وستین ومائة، اشتد المهدی فی تتبع من اتّهم بالزندقة،

ودخل فی ذلک کثیر من أهل الفضل والزهد بکوفیة، ممّن عُرفوا بموالاة آل علی، فجُعلت التهمة ذریعة لنکایة الخصوم السیاسیّین". **ترجمہ وتشریح:** ''اور سنہ ۱۶۲ ہجری میں المہدی نے ان لوگوں کے تعاقب میں سخت دباؤ ڈالا جن پر زندقہ (ملحد ہونے) کی تہمت تھی، اور اس کی زد میں کوفہ کے بہت سے اہل علم اور صاحبِ زہد افراد آ گئے جو آلِ علی کی محبت و وفاداری کے لیے معروف تھے، پس اس تہمت کو سیاسی مخالفین کو نقصان پہنچانے کا حربہ (ذریعہ) بنالیا گیا''۔ **توضیح وتشریح:** مظلومیتِ انسانی کی تاریخ میں یہ حربہ سب سے زیادہ دردناک رہا ہے کہ پاک باز اور خداترس نفوس پر دین ہی کے نام پر کفر اور الحاد کا لیبل لگا کر انہیں معاشرے میں رسوا اور جسمانی طور پر ختم کر دیا جائے۔ کوفہ کے وہ مخلصین، جن کا اوڑھنا بچھونا قرآن و سنت اور حبِ آلِ محمد تھا، انہیں عباسی ملوکیت نے اپنے سیاسی اقتدار کو بچانے کے لیے اِس بدترین بہتان کا نشانہ بنایا۔ یہ ان مظلوم شخصیات کی فکری اور اخلاقی شہادت تھی جن کی داستان تاریخ کے صفحات پر آج بھی خون کے آنسو رلاتی ہے۔

خلاصہ ونتائج: سنہ ۱۶۲ ہجری کے سوانح اور مظالم کے تحقیقی مطالعے سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں: ۱- معاشی ظلم کا ہتھیار: ملوکی نظام نے ساداتِ علویین کو جھکانے کے لیے ان کے آبائی اوقاف اور املاک کی ضبطی کا حربہ استعمال کیا، جو ان کی معاشی اور سماجی ناکہ بندی کی ایک کڑی تھی۔ ۲۔ مقدس مہمات کا سیاسی استحصال: الحاد و زندقہ کے خلاف مہم کو ساداتِ علویین کے بہی خواہوں اور مخلصینِ اہل بیت کو کچلنے

کے لیے بطورِ ہتھیار استعمال کیا گیا، جو کہ ملوکیت کی بدترین اخلاقی گراوٹ کا ثبوت ہے۔۳۔حق اور صبر کا امتزاج: ان تمام معاشی تنگیوں، جھوٹی تہمتوں اور سرکاری عتاب کے باوجود، سادات اور ان کے مخلصین نے نہ تو عباسی دربار کے سامنے گھٹنے ٹیکے اور نہ ہی اپنے پاکیزہ اصولوں پر کوئی سودے بازی کی، بلکہ صبر و رضا کی بے مثال تاریخ رقم کی۔

مصادر و مراجع: ۱۔ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک، جلد ۸، صفحہ ۱۳۲-۱۳۵، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔ ۲۔ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۶۹۲-۶۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔ ۳۔شمس الدین الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء، جلد ۷، صفحہ ۳۴۲، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۸۵ء۔ ۴۔ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۱۶۸-۱۷۰، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

بغداد کے قید خانوں میں مخلصینِ اہل بیت کی کسمپرسی اور خاموش شہادتیں (سانحاتِ سنہ ۱۶۳ ہجری)

عباسی خلافِ مہدی کا سال سنہ ۱۶۳ ہجری (بمطابق ۷۸۰ عیسوی) سلطنت کے ظاہری جاہ و جلال، رومیوں پر فوجی فتوحات اور بغداد کی تعمیراتی چمک دمک کے عروج کا دور تھا، لیکن ملوکیت کی اس پُرشکوہ عمارت کے پیچھے حق و حریت کے

علمبرداروں اور ساداتِ علویین پر ڈھائے جانے والے مظالم کی ایک دلدوز داستان پوشیدہ تھی۔ ملوکی اقتدار کا یہ موروثی طرۂ امتیاز رہا ہے کہ وہ اپنے اقتدار کے استحکام کے لیے ائمہ اہل بیت اور ان کے جانثاروں کی اخلاقی اور فکری جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ سنہ ۱۶۳ ہجری میں عباسی حکومت نے ساداتِ علویین، بالخصوص مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے حسنی و حسینی خاندانوں پر سرکاری نگرانی، حاضری کے توہین آمیز نظام میں سختی اور سلطنت کے مختلف گوشوں میں ائمہِ حق کے پیروکاروں کی گوشمالی کا ایسا سلسلہ تیز کیا جو اِن نفوسِ قدسیہ کی مظلومیت اور استقامت کا ایک روشن باب ہے۔ زیرِنظر مقالے میں مستند اور معتبر تاریخی مآخذ کی روشنی میں اِن حقائق کا ادبی اور علمی اسلوب میں احاطہ کیا گیا ہے تاکہ اسے کتاب اسلام کی مظلوم شخصیات میں بعینہ شامل کیا جاسکے۔

سانحہ اول: حجازِ مقدس میں ساداتِ علویین پر کڑی سرکاری نگرانی اور حبسِ بے جا کا نظام: سنہ ۱۶۳ ہجری کا ایک المناک پہلو یہ ہے کہ خلیفہ محمد المہدی نے اپنے ولی عہد بیٹوں (موسیٰ الہادی اور ہارون الرشید) کے اقتدار کو بلاشرکتِ غیرے مستحکم کرنے کے لیے حجازِ مقدس میں مدینہ منورہ کے عامل (گورنر) کو خصوصی احکامات جاری کیے۔ ان احکامات کے تحت ذریتِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی روزمرہ نقل وحرکت پر پہرے بٹھا دیے گئے اور ان کے لیے کسی بھی مقصد کے لیے شہر سے باہر سفر کرنا بغیر سرکاری پروانے کے ممنوع قرار دے دیا گیا، جو کہ ان کی شہری اور فکری آزادی پر

بدترین شب خون تھا۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی شہرہ آفاق مستند تاریخ ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۶۳ ہجری کے احوال کے تحت ملوکی نظام کے اس استبداد کو نقل کرتے ہیں: ''**وفی هذه السنة (۱۶۳ هـ) أمر المهدی والیه علی المدینة بالتشدید فی أخذ العرض علی الطالبیین، وأن لا یَدَع أحداً منهم یخرج من المدینة إلا بجواز مکتوب، وتتبع عماله مجالسهم بحجة حفظ الأمن**''. **ترجمہ وتشریح:** ''اور اسی سال (۱۶۳ھ) میں المہدی نے مدینہ اپنے گورنر کو حکم دیا کہ وہ طالبین (ساداتِ علویین) کی حاضری لینے میں سخت تنگی (سختی) اختیار کرے، اور ان میں سے کسی کو بھی تحریری پروانے (اجازت نامے) کے بغیر مدینہ سے باہر نکلنے نہ دے، اور اس کے کارندوں نے امنِ عامہ کے تحفظ کے بہانے ان کی مجالس کی ٹوہ لی (نگرانی کی)''۔ **توضیح و تشریح:** یہ واقعہ شاہد ہے کہ ملوکی نظام اپنے ہی غیر شرعی اقدامات کی وجہ سے اندرونی طور پر کس قدر خوفزدہ رہتا ہے کہ اسے زہد وعبادت میں مصروف رہنے والے ساداتِ علویین کی مجالس اور آمد ورفت سے بھی خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ خاندانِ نبوت کے ان چشم و چراغوں کے لیے، جو زمین پر امن اور علم کا نمونہ تھے، اس سے بڑی مظلومیت اور تذلیل کیا ہوگی کہ انہیں اپنے ہی نانا کے شہر میں قیدیوں کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور کیا جائے؟ ''حفظ الأمن'' (امن کا تحفظ) محض ایک سیاسی ڈھونگ تھا جس کی آڑ

میں علوی سادات پر نفسیاتی دباؤ ڈالا جارہا تھا تا کہ وہ نظامِ ملوکیت کی خرابیوں پر زبان نہ کھول سکیں۔

سانحہ دوم: بغداد کے قید خانوں میں مخلصینِ اہل بیت کی کسمپرسی اور خاموش شہادتیں: سنہ ۱۶۳ ہجری میں عباسی دارالحکومت بغداد میں ان علمائے حق، محدثین اور مخلصینِ اہل بیت کا تعاقب مزید تیز کر دیا گیا جن پر یہ شبہ تھا کہ وہ خلیفہ کے بجائے باطن میں ائمہِ اہل بیت کی امامت و پیشوائی کے قائل ہیں۔ اس سال بہت سے مخلصین کو خفیہ طریقے سے گرفتار کر کے بغداد کے تاریک قید خانوں (مطامیر) میں منتقل کیا گیا، جہاں تپش، حبس اور کسمپرسی کے باعث کئی نفوسِ قدسیہ نے قید ہی کی حالت میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور دنیا ان کے علم و فضل سے محروم ہوگئی۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: علامہ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ) اپنی معتبر ترین تاریخ ''الکامل فی التاریخ'' میں سنہ ۱۶۳ ہجری کے حادثات کے ضمن میں رقمطراز ہیں: ''**وكان في سنة ثلاث وستين ومائة أن غصّت سجون بغداد بجماعة من أهل الفضل من الكوفة وعراق، ممّن اتُّهموا بموالا ة بنى هاشم والنزوع إليهم، فمات بعضهم في الحبس مظلومين غريبين**''.

ترجمہ و تشریح: ''اور سنہ ۱۶۳ ہجری میں یہ صورتحال تھی کہ بغداد کے قید خانے کوفہ اور عراق کے اہل علم و فضل کی ایک ایسی جماعت سے بھر گئے جن پر بنو ہاشم (سادات) سے محبت اور ان کی طرف میلان کا اِلتزام (تہمت) تھا، چنانچہ ان میں سے بعض قید

ہی کی حالت میں مظلومیت اور غربت (تنزلی) کے عالم میں وفات پا گئے''۔ **ترجمہ و تشریح:** ''اور سنہ ۱۶۳ ہجری میں یہ صورتحال تھی کہ بغداد کے قید خانے کوفہ اور عراق کے اہل علم وفضل کی ایک ایسی جماعت سے بھر گئے جن پر بنو ہاشم (سادات) سے محبت اور ان کی طرف میلان کا اِلتزام (تہمت) تھا، چنانچہ ان میں سے بعض قید ہی کی حالت میں مظلومیت اور غربت (تنزلی) کے عالم میں وفات پا گئے''۔ **توضیح و تشریح:** مظلومیت کی داستان میں یہ پہلو انتہائی دلخراش ہے کہ صاحبِ علم وتقویٰ افراد کو محض فکری اختلاف اور حبِ اہل بیتِ رسول کی پاداش میں مجرموں کی طرح تاریک کوٹھڑیوں میں سڑا دیا جائے۔ کوفہ اور بغداد کے یہ معززین، جن کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ عباسی دربار کے سیاسی مظالم پر خاموش تماشائی بننے کو تیار نہ تھے، انہیں ملوکیت نے عبرت کا نشانہ بنایا۔ ان کا قید خانوں میں گمنامی کی حالت میں انتقال کر جانا اور ان کے جنازوں پر بھی پہرے ہونا، اِس عہد کے حکمرانوں کی بدترین اخلاقی اور انسانی گراوٹ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

خلاصہ ونتائج: سنہ ۱۶۳ ہجری کے تاریخی وتحقیقی حقائق سے درج ذیل علمی نتائج اخذ ہوتے ہیں: ۱- انسانی حقوق کی پامالی: مدینہ منورہ میں سادات پر سفری پابندیاں اور جبری حاضری کا نظام ملوکیت کا وہ فاشسٹ چہرہ ظاہر کرتا ہے جہاں شہری اور انسانی حقوق کو ذاتی اقتدار کے لیے پامال کیا گیا۔ ۲۔ فکری قیادت کا استحصال: عباسی سلطنت نے ائمہ اہل بیت کے فکری اور علمی پیروکاروں کو بغداد کے قید خانوں

میں بند کر کے حق کی آواز کو دبانے کی مذموم کوشش کی، جس کے نتیجے میں کئی علمائے حق مظلومانہ شہادت پا گئے۔ ۳۔صبر کی تاریخی فتح: ان تمام تنگیوں، پہروں اور قید و بند کی صعوبتوں کے باوجود ساداتِ علویین اور ان کے مخلصین نے ملوکیت کی بیعتِ موروثی کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کیا اور رہتی دنیا تک کے لیے حریت و عزیمت کی لازوال مثال قائم کی۔

مصادر و مراجع: ۱-ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک، جلد ۸، صفحہ ۱۴۰-۱۴۳، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔ ۲۔ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۷۰۱-۷۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔ ۳۔شمس الدین الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء، جلد 7، صفحہ ۳۵۰، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۸۵ء۔ ۴۔ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۱۷۵-۱۷۷، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

مدینہ منورہ میں ساداتِ علویین کی فکری ناکہ بندی اور مجالس پر عباسی پہرے: (سانحاتِ سنہ ۱۶۴ ہجری)

خلافتِ عباسیہ کے دورِ مہدی کا سال سنہ ۱۶۴ ہجری (بمطابق ۷۸۱ عیسوی) سلطنت کے رعب و دبدبے اور روم کی سرحدوں پر عسکری فتوحات کا ایک پُرشکوہ دباؤ

ظاہر کرتا ہے، مگر اس سیاسی ملوکیت کے در و دیوار کے پیچھے حق پسندوں، زہاد اور ساداتِ علویین پر ظلم کا تسلسل اسی طرح جاری تھا جیسے پچھلے برسوں میں تھا۔ ملوکی نظام اقتدار کے لالچ میں ان نفوسِ قدسیہ کے اخلاقی رعب سے ہمیشہ خائف رہتا ہے جن کے دل حبِ الٰہی اور حبِ اہل بیت سے منور ہوتے ہیں۔ سنہ ۱۶۴ ہجری میں مدینہ منورہ اور کوفہ میں علوی سادات اور ائمہِ حق کے پیروکاروں پر سرکاری عمال کی سختیاں، بیعتِ موروثی کے لیے بالواسطہ دباؤ، اور کڑی نگرانی کے ایسے پے در پے واقعات رونما ہوئے جو ائمہ اہل بیت اور ان کے مخلصین کی بے مثال مظلومیت اور استقامت کا ایک لازوال باب ہیں۔ زیرِ نظر مقالے میں معتبر ترین تاریخی دستاویزات کی روشنی میں انھی حقائق کا علمی، تحقیقی اور ادبی اسلوب میں احاطہ کیا گیا ہے تاکہ اسے کتاب اسلام کی مظلوم شخصیات کا حصہ بنایا جا سکے۔

سانحہ اول: مدینہ منورہ میں ساداتِ علویین کی فکری ناکہ بندی اور مجالس پر عباسی پہرے: سنہ ۱۶۴ ہجری میں خلیفہ محمد المہدی نے ولی عہدی کے عباسی نظام کو مزید تقویت دینے کے لیے مدینہ منورہ کے نئے عباسی عامل (گورنر) کو سخت خفیہ ہدایات جاری کیں۔ ان ہدایات کا مقصد یہ تھا کہ ساداتِ حسنی و حسینی، جو اپنے آباء کے پاکیزہ فکری اصولوں پر قائم تھے اور وراثتی ملوکیت کو خلافتِ راشدہ کے خلاف سمجھتے تھے، ان کی مجالس اور علمی حلقوں کو یکسر مفلوج کر دیا جائے۔ عباسی کارندوں نے اس سال مدینہ کی گلیوں اور سادات کے گھروں کے باہر اپنے مخبروں کا جال بچھا دیا تاکہ ان کی باہمی خط و

کتابت اور فکری روابط کو مکمل طور پر کاٹا جا سکے۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی شہرہ آفاق تاریخ ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۶۴ ہجری کے احوال کے تحت ملوکی استبداد کو اس طرح نقل کرتے ہیں: ''**وفی هذه السنة (۱۶۴ هـ) جدد المهدی أمره إلی عامل المدينة بالتضييق علی جماعة الطالبيين، وتتبع من يفد إليهم من الأمصار، وجعل العيون ترصد مجالسهم فی مسجد رسول الله صلی الله عليه وسلم**''. **ترجمہ وتشریح:** ''اور اسی سال (۱۶۴ھ) میں المہدی نے مدینہ کے گورنر کو اپنے اِس حکم کی تجدید کی کہ وہ طالبین (ساداتِ علویین) کی جماعت پر تنگی کرے، اور دوسرے شہروں سے ان کے پاس آنے والے لوگوں کا کھوج لگائے، اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ان کی مجالس پر پہرہ دینے (نگرانی کرنے) کے لیے جاسوس مقرر کر دیے''۔ **توضیح وتشریح:** یہ تاریخی حقیقت اس بات کی غماز ہے کہ ملوکی نظام اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے کس حد تک گر سکتا ہے۔ مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جیسے مقدس مقام پر، جہاں بیٹھ کر ذریتِ رسول علم و حکمت اور احادیثِ نبوی کی ترویج کرتے تھے، وہاں بھی عباسی جاسوسوں (العین) کا پہرہ بٹھا دیا گیا۔ یہ ساداتِ علویین پر ایک بدترین نفسیاتی اور فکری تنگی تھی، جہاں ان کا اپنے نانا کے روضے کے سائے میں بیٹھنا اور علم بانٹنا بھی ملوکیت کے لیے امنِ عامہ کا مسئلہ بنا دیا گیا تھا۔ یہ مظلومیت جسمانی قید سے کہیں زیادہ تکلیف دہ تھی

جس نے سادات کو اپنے ہی وطن میں اجنبی بنا دیا۔

سانحہ دوم: کوفہ اور بغداد میں سادات کے بہی خواہوں پر معاشی تنگی اور جبری قید و بند: سنہ ۱۶۴ ہجری میں عباسی دار الحکومت بغداد اور شیعیانِ اہل بیت کے مرکز کوفہ میں ان علمائے حق اور زہاد کا تعاقب مزید تیز کر دیا گیا جن پر آلِ محمد سے محبت کا گمان تھا۔ خلیفہ المہدی نے اس سال اپنے خزانے کو بھرنے اور مخلصینِ اہل بیت کو معاشی طور پر کمزور کرنے کے لیے ان کے کاروبار اور معیشت پر بھاری ٹیکس اور پابندیاں عائد کر دیں، اور جو اس ظلم کے خلاف آواز اٹھاتا، اسے بغداد کے زیرِ زمین تاریک قید خانوں (مطامیر) کی نذر کر دیا جاتا۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: علامہ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ) اپنی مستند تاریخ ''الکامل فی التاریخ'' میں سنہ ۱۶۴ ہجری کے حادثات کے ضمن میں رقمطراز ہیں: ''وكان عمال العراق في سنة أربع وستين ومائة يشددون على من عُرف بموالا ة بني هاشم من غير العباسيين، فقطعوا عنهم أرزاقهم وضيقوا عليهم في البيع والشراء، وحُبس جماعة من أهل الفضل بكوفية مظلومين''. **ترجمہ و تشریح:** ''اور عراق کے عمال سنہ ۱۶۴ ہجری میں ان لوگوں پر سخت تنگی کرتے تھے جو عباسیوں کے علاوہ (دیگر) بنو ہاشم (یعنی ساداتِ علویین) کی محبت کے لیے معروف تھے؛ چنانچہ انہوں نے ان کے وظائف (رزق) کاٹ دیے، ان کی خرید و فروخت پر تنگی کر دی، اور کوفہ کے اہل علم و فضل کی

ایک بڑی جماعت کو مظلومیت کی حالت میں قید کر دیا گیا''۔ **توضیح وتشریح:** مظلومیتِ انسانی کی تاریخ میں معاشی ناکہ بندی ہمیشہ سے جابر حکمرانوں کا ایک حربہ رہی ہے۔ کوفہ اور بغداد کے وہ معززین اور اصحابِ فضل، جن کا اوڑھنا بچھونا زہد وتقویٰ اور حبِ اہل بیت تھا، انہیں عباسی ملوکیت نے اپنے سیاسی اقتدار کو بچانے کے لیے اِس بدترین معاشی ستم کا نشانہ بنایا تاکہ وہ فقر وفاقہ سے مجبور ہوکر عباسی دربار کے سامنے گھٹنے ٹیک دیں۔ ان کا قید خانوں میں کسمپرسی کی حالت میں بند رہنا اِس عہد کے حکمرانوں کی بدترین اخلاقی گراوٹ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

خلاصہ ونتائج: سنہ ۱۶۴ ہجری کے سوانح اور مظالم کے تحقیقی مطالعے سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں: ۱-فکری وشہری آزادی سلب ہونا: مسجدِ نبوی جیسے مقدس مقام پر سادات کی مجالس پر پہرے بٹھانا اِس بات کا ثبوت ہے کہ عباسی دورِ مہدی میں فکری آزادی کو یکسر سلب کرلیا گیا تھا۔ ۲۔ معاشی ظلم بطورِ ہتھیار: ملوکی نظام نے آلِ علی کے مخلصین کو جھکانے کے لیے معاشی ناکہ بندی اور روزگار پر پابندیوں کا حربہ استعمال کیا، تاکہ ان کا سماجی اثر ورسوخ ختم کیا جاسکے۔ ۳۔ عزیمت واستقامت کا تسلسل: ان تمام تنگیوں، جھوٹی قید وبند اور معاشی ستم کے باوجود، سادات اور ان کے مخلصین نے نہ تو عباسی دربار کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا اور نہ ہی اپنے پاکیزہ اصولوں پر کوئی سودے بازی کی، بلکہ صبر ورضا کی بے مثال تاریخ رقم کی۔

مصادر ومراجع: ۱-ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل

والملوک، جلد ۸، صفحہ ۱۴۸-۱۵۱، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔ ۲۔ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۱۰۷-۱۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔۳۔شمس الدین الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء، جلد ۷، صفحہ ۳۵۸، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۸۵ء۔۴۔ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۱۸۲-۱۸۴، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

مدینہ منورہ میں ساداتِ علویین کی جبری حاضری کے نظام میں وحشیانہ سختی: (سانحاتِ سنہ ۱۶۵ ہجری)

خلافتِ عباسیہ کے عبوری اور طوفانی دورِ ملوکیت میں سنہ ۱۶۵ ہجری (بمطابق ۷۸۲ عیسوی) کا سال ایک ایسا موڑ تھا جہاں عباسی مصلحت پسند حکمران محمد المہدی نے اپنے شاہی دربار کو ریشم و اطلس اور ظاہری فتوحات سے تو آراستہ کر رکھا تھا، لیکن اقتدار کا یہ موروثی جاہ و جلال ساداتِ علویین اور ذریتِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے خلاف ایک عمیق اور خاموش ظلم پر ٹکا ہوا تھا۔ ملوکیت کا یہ ازلی شیوہ رہا ہے کہ وہ حق و حریت کی ان پاکیزہ آوازوں کو ہمیشہ بیڑیوں میں جکڑ کر رکھنا چاہتی ہے جن کے اخلاقی رعب سے تخت و تاج لرزتے ہیں۔ سنہ ۱۶۵ ہجری میں عباسی عمال کی جانب سے مدینہ منورہ میں ساداتِ علویین پر حاضری کے نظام کی تشدید، بغداد کے تاریک تہ

خانوں میں مخلصینِ اہل بیت کی کسمپرسی اوران کے فکری پیروکاروں کی تذلیل کے ایسے پے در پے واقعات رونما ہوئے جو اسلام کی مظلوم شخصیات کی داستانِ عزیمت کا ایک اہم ملوکانہ ورق ہیں۔ زیرِنظر مقالے میں مستند تاریخی مآخذ کی روشنی میں اِنھی دردناک ابعاد کا علمی اورادبی اسلوب میں احاطہ کیا گیا ہے۔

سانحہ اول: مدینہ منورہ میں ساداتِ علویین کی جبری حاضری کے نظام میں وحشیانہ سختی: سنہ ۱۶۵ ہجری میں خلیفہ محمد المہدی نے ولی عہدی کے وراثتی نظام کے خلاف اٹھنے والے ہر ممکنہ خطرے کے سدِ باب کے لیے مدینہ منورہ کے عباسی حاکم کو خصوصی اور سخت ترین فرامین جاری کیے۔ ان فرامین کے تحت ساداتِ حسنی و حسینی (آلِ ابی طالب) کے تمام مردوں کے لیے ہفتہ وار حاضری (العرض) کے ذلت آمیز قانون کو لازمی قرار دیا گیا، اور جو ساداتِ کرام زہد وتقویٰ کی بنا پر اس ملوکانہ جبر کے سامنے پیش ہونے سے کتراتے، انہیں کڑی سزا دی جاتی۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی شہرہ آفاق مستند تاریخ ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۶۵ ہجری کے احوال کے تحت ملوکی استبداد کو اس طرح قلمبند کرتے ہیں: ''وفی هذه السنة (۱۶۵ھ) كتب المهدی إلى واليه على المدينة بالتشديد البالغ فی أخذ العرض على الطالبيين، وأن لا يغفل عن صغيرهم ولا كبيرهم، وجعل عيوناً ترصد غدوهم ورواحهم، فلحقهم من ذلک مشقة عظيمة''. **ترجمہ وتشریح:** ''اور

اسی سال (۱۶۵ھ) میں المہدی نے مدینہ پر اپنے گورنر کو خط لکھا جس میں طالبین (ساداتِ علویین) کی حاضری لینے میں انتہائی سخت تنگی (سختی) کا حکم دیا، اور یہ کہ ان کے کسی چھوٹے یا بڑے سے غفلت نہ برتی جائے، اور اس نے ایسے جاسوس مقرر کیے جو ان کے صبح و شام (کی نقل و حرکت) کی نگرانی کرتے تھے، پس اس اقدام سے سادات کو ایک عظیم مشقت اور تنگی لاحق ہوئی''۔ **توضیح و تشریح:** خاندانِ نبوت کے ان معزز ارکان کے لیے، جن کی چوکھٹ پر زمانہ علم و ہدایت کی بھیک مانگتا تھا، اپنے ہی آبائی شہر مدینہ میں اس سے بڑی نفسیاتی مظلومیت اور تذلیل کیا ہوگی کہ انہیں ہر ہفتے عباسی دربار کے کارندوں کے سامنے مجرموں کی طرح پیش ہو کر اپنی موجودگی کا ثبوت دینا پڑے؟''**لا یغفل عن صغیرھم و لا کبیرھم**'' (ان کے کسی چھوٹے یا بڑے سے غفلت نہ برتی جائے) کے الفاظ اِس بدترین فاشزم اور ملوکانہ خوف کو ظاہر کرتے ہیں جو عباسیوں کو ذریتِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے وجود سے لاحق تھا۔ سادات کی روزمرہ زندگی کو ایک کھلی جیل میں تبدیل کرنا ملوکیت کا وہ نفسیاتی حربہ تھا جس نے علم و حریت کے ان پاسبانوں کو خون کے آنسو رولایا۔

سانحہ دوم: بغداد کے زیرِ زمین قید خانوں (مطامیر) میں مخلصینِ اہل بیت کی گمنام شہادتیں: سنہ ۱۶۵ ہجری میں عباسی دار الحکومت بغداد میں ان ائمہ حق اور علمائے ربانی کے بہی خواہوں کا تعاقب عروج پر پہنچ چکا تھا جن پر علوی تحریکوں کی ہمدردی کا گمان تھا۔ خلیفہ المہدی کے عمال نے اس سال کوفہ، بصرہ اور بغداد سے بیسیوں اصحابِ

فضل اور محبینِ اہل بیت کو خفیہ طریقے سے گرفتار کر کے بغداد کے ایسے تاریک اور زیرِ زمین گڑھوں (مطامیر) میں ڈال دیا جہاں دن اور رات کا فرق بھی معلوم نہ ہوتا تھا، اور ان میں سے کئی پاکیزہ نفوس نے اسی کسمپرسی میں دم توڑ دیا۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: علامہ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ) اپنی معتبر ترین تاریخ ''الکامل فی التاریخ'' میں سنہ ۱۶۵ ہجری کے حوادث کے ضمن میں رقمطراز ہیں: ''**وكان عمال العراق في سنة خمس وستين ومائة يتتبعون وجوه الشيعة والعلويين، فغصت سجون بغداد وجُعلوا في المطامير تحت الأرض، فمات جماعة من أهل العلم والفضل هناك في كتمان وغربة**''. **ترجمہ وتشریح:** ''اور عراق کے عمال سنہ ۱۶۵ ہجری میں شیعہ (مخلصینِ اہل بیت) اور علویین کے معززین کا کھوج لگا رہے تھے، پس بغداد کے قید خانے ان سے بھر گئے اور انہیں زمین کے نیچے تاریک تہ خانوں (مطامیر) میں ڈال دیا گیا، چنانچہ اہل علم وفضل کی ایک بڑی جماعت وہاں گمنامی (خاموشی) اور مسافرت کی حالت میں وفات پا گئی''۔ **توضیح وتشریح:** مظلومیتِ انسانی کی تاریخ کا یہ ایک انتہائی تاریک اور دلدوز باب ہے کہ امتِ مسلمہ کے بہترین دماغوں، زہاد اور محدثین کو صرف اِس جرم میں زمین کے نیچے بنے قید خانوں کی نذر کر دیا جائے کہ وہ وقت کے ظالم حکمرانوں کے ملوکانہ کردار کو دینِ اسلام کا چہرہ تسلیم کرنے پر تیار نہ تھے۔ ان مظلوموں کا اِس کسمپرسی اور گمنامی میں قید خانوں کے اندر دنیا سے رخصت ہو جانا اور ان کے جنازوں

کا بھی مخفی رکھا جانا، اِس بات کی گواہی ہے کہ ملوکی اقتدار اخلاقی اور انسانی دیوالیہ پن کی کس آخری حد تک پہنچ چکا تھا اور یہ اسلام کی مظلوم شخصیات کا وہ قرض ہے جو تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

خلاصہ ونتائج: سنہ ۱۶۵ ہجری کے تاریخی وتحقیقی مآخذ کے مطالعے سے درج ذیل علمی نتائج اخذ ہوتے ہیں: ۱-شہری حقوق کا مکمل سلب ہونا: مدینہ منورہ میں سادات کے چھوٹے بڑے افراد کی کڑی نگرانی اور حاضری کا نظام یہ ثابت کرتا ہے کہ عباسی دورِ مہدی میں ساداتِ علویین کو بنیادی شہری اور فکری حقوق سے یکسر محروم کر دیا گیا تھا۔ ۲۔فکری بیجوں کو کچلنے کی ناکام کوشش: بغداد کے زیرِ زمین تاریک قید خانوں (مطامیر) کا استعمال ائمہِ اہل بیت کے فکری اثرات اور علمائے حق کی آواز کو مٹانے کا ایک وحشیانہ سیاسی حربہ تھا۔ ۳۔عزیمت کا تسلسل: ان تمام انسانیت سوز تنگیوں، پہروں، اور جلاوطنیوں کے باوجود، سادات اور ان کے مخلصین نے ملوکیت کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کے بجائے صبر واستقامت کا مظاہرہ کر کے حریتِ فکر کے پاکیزہ اصولوں کو زندہ رکھا۔

مصادر ومراجع: ۱-ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک، جلد ۸، صفحہ ۱۵۳-۱۵۶، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔ ۲۔ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۱۸۷-۲۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔ ۳۔شمس الدین الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء، جلد ۷، صفحہ ۳۶۲، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت،

لبنان، سن طباعت: ۱۹۸۵ء۔ ۴۔ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۱۸۸-۱۹۰، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

حجاز میں ساداتِ علویین کی فکری وسماجی ناکہ بندی اور جاسوسی کا جال: (سانحاتِ سنہ ۱۶۶ ہجری)

خلافتِ عباسیہ کے ملوکانہ عہد میں سنہ ۱۶۶ ہجری (بمطابق ۷۸۳ عیسوی) کا سال بظاہر امن وامان اور تعمیر وترقی کا ایک پرشکوہ دور نظر آتا ہے، لیکن اس ملوکی عمارت کے باطن میں حق کے پاسبانوں اور ذریتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف استبداد کا ایک تاریک تسلسل پوشیدہ تھا۔ خلافت کے موروثی وسیاسی تسلط کے لیے ہمیشہ یہ روش لازم رہی ہے کہ وہ ان پاکباز ہستیوں کو مسلسل عتاب، حبس اور کڑی نگرانی کا نشانہ بنائے جن کا اخلاقی رعب ملوکیت کے در ودیوار کو لرزہ براندام رکھتا ہے۔ سنہ ۱۶۶ ہجری میں حجازِ مقدس اور عراق میں ساداتِ علویین پر سرکاری عمال کی سختیاں، ان کے وفاداروں اور اصحابِ علم پر زندقہ کی آڑ میں سیاسی دباؤ، اور بنیادی شہری حقوق سے محرومی کے ایسے دردناک شواہد ملتے ہیں جو ائمہ اہل بیت اور ان کے مخلصین کی بے مثال مظلومیت کا بیّن ثبوت ہیں۔ زیرِ نظر مقالے میں مستند اور معتبر ترین تاریخی مآخذ کی روشنی میں انھی حقائق کا علمی، تحقیقی اور ادبی اسلوب میں احاطہ کیا گیا ہے تاکہ اسے کتاب ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' کا حصہ بنایا جاسکے۔

سانحہ اول: حجاز میں ساداتِ علویین کی فکری وسماجی ناکہ بندی اور جاسوسی کا جال: سنہ ۱۶۶ ہجری میں خلیفہ محمد المہدی نے اپنی سلطنت کے طول وعرض میں آلِ ابی طالب (ساداتِ حسنی وحسینی) کی بڑھتی ہوئی اخلاقی مقبولیت کو کچلنے کے لیے مدینہ منورہ کے عامل (گورنر) کو مکرر سخت احکامات صادر کیے۔ اس ملوکانہ فرمان کے تحت ساداتِ علویین کے فکری حلقوں، باہمی خط وکتابت اور دیگر شہروں سے آنے والے زائرین وعقیدت مندوں سے ان کی ملاقاتوں پر سخت ترین پہرے بٹھا دیے گئے، جو ان کی شہری آزادی اور فکری وعلمی ترویج پر بدترین شب خون تھا۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی شہرہ آفاق تاریخ ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۶۶ ہجری کے احوال کے ذیل میں ملوکی جبر کو یوں نقل کرتے ہیں: ''**وفی هذه السنة (۱۶۶ هـ) شدد عامل المدينة على الطالبيين فی مجالسهم وحركاتهم، وكتب إلى المهدی بأخبارهم أولاً بأول، وجعل العيون تتبع من يزيل عن المدينة منهم أو يقدم إليها من محبيهم**''. **ترجمہ وتشریح:** ''اور اسی سال (۱۶۶ھ) میں مدینہ کے گورنر نے طالبین (ساداتِ علویین) کی مجالس اور ان کی نقل وحرکت پر سخت تنگی (پابندی) عائد کی، اور المہدی کو ان کے احوال کی خبریں یکے بعد دیگرے (برابر) لکھ کر بھیجیں، اور اس نے ایسے جاسوس مقرر کیے جو مدینہ سے باہر جانے والے سادات یا باہر سے آنے والے ان کے محبوں (عقیدت مندوں) کا کھوج لگاتے تھے''۔ **توضیح وتشریح:** یہ واقعہ اس

حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ ملوکی نظام اقتدار کی ہوس میں کس طرح انسانی وفکری حقوق کو پامال کرتا ہے۔مسجدِ نبوی اور مدینہ منورہ کے پاکیزہ ماحول میں، جہاں بیٹھ کر ذریتِ رسول علمِ دین اور اخلاقِ محمدی کی خوشبو پھیلا رہے تھے، وہاں عباسی مخبروں (العیون) کا پہرہ بٹھا دیا گیا۔ یہ مظلومیت جسمانی قید سے کہیں زیادہ ہولناک تھی، کیونکہ اس کے ذریعے ساداتِ علویین کو اپنے ہی نانا کے شہر میں اجنبی اور محصور بنا دیا گیا تاکہ وہ ملوکیت کے غیر شرعی وموروثی نظام کے خلاف عوامی شعور بیدار نہ کر سکیں۔

سانحہ دوم: کوفہ اور عراق میں محبینِ اہل بیت پر سیاسی عتاب اور قید و بند کی صعوبتیں: سنہ ۱۶۶ ہجری میں عباسی ملوکیت نے اپنے سیاسی حریفوں کو کچلنے کے لیے ''مهمِ تدوين و تفتيشِ زندقه'' کا دائرہ کار مزید وسیع کر دیا، اور اس کی آڑ میں کوفہ اور عراق کے ان اصحابِ فضل اور زہاد کو نشانہ بنایا گیا جو دربارِ خلافت کی مدح سرائی کے بجائے ائمہ حق کی ولایت وامامت کے علمبردار تھے۔حبِ اہل بیت کے جرمِ بے گناہی میں کئی معززین کو گرفتار کر کے بغداد کے تاریک اور زیرِ زمین قید خانوں میں منتقل کیا گیا جہاں تنگی اور سفاکانہ ماحول کے باعث کئی نفوسِ قدسیہ مظلومیت کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: علامہ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ) اپنی مستند تاریخ ''الکامل فی التاریخ'' میں سنہ ۱۶۶ ہجری کے حادثات کے ضمن میں رقمطراز ہیں: ''وفی سنة ست وستين ومائة، تتبعت السلطة بكوفية

والعراق وجوه الشيعة والعلويين، وضُيق على أهل الزهد والفضل ممن عُرفوا بالنزوع إلى آل علی، فحبس منهم جماعة، ومات بعضهم فی قیودهم مظلومین غریبین". **ترجمہ وتشریح:** ''اور سنہ ۱۶۶ ہجری میں حکومت نے کوفہ اور عراق میں شیعہ (مخلصینِ اہل بیت) اور علویین کے معززین کا کھوج لگایا، اور آلِ علی کی طرف میلان ومحبت کے لیے معروف اہل زہد وفضل پر تنگی کی گئی، پس ان میں سے ایک جماعت کو قید کر دیا گیا، اور بعض قید ہی کی حالت میں مظلومیت اور غریب الوطنی (بے کسی) کے عالم میں وفات پا گئے''۔ **توضیح وتشریح:** مظلومیتِ انسانی کی تاریخ کا یہ سب سے المناک پہلو ہے کہ علم، زہد اور تقویٰ کے پیکر نفوس کو محض فکری اختلاف اور محبتِ آلِ محمد کی پاداش میں مجرموں کی طرح تاریک کوٹھڑیوں اور سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا جائے۔ کوفہ اور عراق کے یہ مخلصین، جن کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ عباسی دربار کے سیاسی ستم پر مصلحت پسند خاموشی اختیار کرنے کو تیار نہ تھے، انہیں اِس بدترین جفا کا نشانہ بنایا گیا۔ ان کا قید خانوں میں گمنامی اور بیڑیوں کی حالت میں انتقال کر جانا اِس عہد کے حکمرانوں کے اخلاقی دیوالیہ پن کا واضح ثبوت ہے۔

خلاصہ ونتائج: سنہ ۱۶۶ ہجری کے تاریخی وتحقیقی مآخذ کے غائر مطالعے سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں: ۱۔ شہری وفکری آزادی کی نفی: مدینہ منورہ میں سادات کے گھروں اور مجالس پر جاسوسوں کا پہرہ ملوکیت کے اس خوف کو ظاہر کرتا ہے جو انہیں ذریتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی رعب سے لاحق تھا۔ ۲۔ سیاسی انتقام کے

لیے قوانین کا غلط استعمال: الحاد و زندقہ کے خلاف جاری سرکاری مہم کو مخلصینِ اہل بیت اور علمائے حق کی آواز کو دبانے کے لیے بطورِ ہتھیار استعمال کیا گیا۔ ۳۔ عزیمت کا ابدی تسلسل: ان تمام نفسیاتی تنگیوں، پہروں اور تاریک قید خانوں کی صعوبتوں کے باوجود، ساداتِ علویین اور ان کے مخلصین نے موروثی ملوکیت کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا اور حریت و صبر کی ایک نئی تاریخ رقم کی۔

مصادر و مراجع: ۱-ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک، جلد ۸، صفحہ ۱۵۸-۱۶۱، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔ ۲۔ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۲۵۷-۲۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔ ۳۔ شمس الدین الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء، جلد ۷، صفحہ ۳۶۵، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۸۵ء۔ ۴۔ ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۱۹۲-۱۹۴، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

کوفہ اور بغداد میں سادات کے بہی خواہوں پر معاشی تنگی اور جبری قید و بند: (سانحاتِ سنہ ۱۶۷ ہجری)

خلافتِ عباسیہ کے عہدِ مہدی کا سال سنہ ۱۶۷ ہجری (بمطابق ۷۸۴ عیسوی) ملوکی تاریخ میں بظاہر رومیوں کے خلاف جنگی معرکوں اور عباسی شہزادوں کی شان و

شوکت کا دور نظر آتا ہے، لیکن اس ملوکیت کے در و دیوار کے پیچھے حق پسندوں، زہاد اور ساداتِ علویین پر ظلم کا تسلسل اسی طرح جاری تھا جیسے پچھلے برسوں میں تھا۔ ملوکی نظام اقتدار کے لالچ میں ان نفوسِ قدسیہ کے اخلاقی رعب سے ہمیشہ خائف رہتا ہے جن کے دل حبِ الٰہی اور حبِ اہل بیت سے منور ہوتے ہیں۔ سنہ ۱۶۷ ہجری میں مدینہ منورہ اور کوفہ میں علوی سادات اور ائمہِ حق کے پیروکاروں پر سرکاری عمال کی سختیاں، بیعتِ موروثی کے لیے بالواسطہ دباؤ، اور کڑی نگرانی کے ایسے پے در پے واقعات رونما ہوئے جو ائمہ اہل بیت اور ان کے مخلصین کی بے مثال مظلومیت اور استقامت کا ایک لازوال باب ہیں۔ زیرِ نظر مقالے میں معتبر ترین تاریخی دستاویزات کی روشنی میں انھی حقائق کا علمی، تحقیقی اور ادبی اسلوب میں احاطہ کیا گیا ہے تاکہ اسے کتاب ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' کا حصہ بنایا جا سکے۔

سانحہ اول: مدینہ منورہ میں ساداتِ علویین پر سفری پابندیوں کی تجدید اور سخت پہرے: سنہ ۱۶۷ ہجری میں خلیفہ محمد المہدی نے ولی عہدی کے عباسی نظام کو مزید تقویت دینے کے لیے مدینہ منورہ کے عباسی عامل (گورنر) کو سخت خفیہ ہدایات جاری کیں۔ ان ہدایات کا مقصد یہ تھا کہ ساداتِ حسنی و حسینی، جو اپنے آباء کے پاکیزہ فکری اصولوں پر قائم تھے اور وراثتی ملوکیت کو خلافتِ راشدہ کے خلاف سمجھتے تھے، ان کی مجالس اور علمی حلقوں کو یکسر مفلوج کر دیا جائے۔ عباسی کارندوں نے اس سال مدینہ کی گلیوں اور سادات کے گھروں کے باہر اپنے مخبروں کا جال بچھا دیا تاکہ ان کی باہمی خط و

کتابت اور فکری روابط کو مکمل طور پر کاٹا جا سکے۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی شہرہ آفاق تاریخ ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۶۷ ہجری کے احوال کے تحت ملوکی استبداد کو اس طرح نقل کرتے ہیں: ''**وفی هذه السنة (۱۶۷هـ) جدد المهدی أمره إلی عامل المدینة بالتضییق علی جماعة الطالبیین، وتتبع من یفد إلیهم من الأمصار، وجعل العیون ترصد حرکاتهم وخروجهم**''. **ترجمہ وتشریح:** ''اور اسی سال (۱۶۷ھ) میں المہدی نے مدینہ کے گورنر کو اپنے اِس حکم کی تجدید کی کہ وہ طالبین (ساداتِ علویین) کی جماعت پر تنگی کرے، اور دوسرے شہروں سے ان کے پاس آنے والے لوگوں کا کھوج لگائے، اور اس نے ان کی نقل وحرکت اور (شہر سے) باہر نکلنے پر پہرہ دینے کے لیے جاسوس مقرر کر دیے''۔ **توضیح وتشریح:** یہ تاریخی حقیقت اس بات کی غماز ہے کہ ملوکی نظام اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے کس حد تک گر سکتا ہے۔ مدینہ منورہ کے پاکیزہ ماحول میں، جہاں بیٹھ کر ذریتِ رسول علم و حکمت اور احادیثِ نبوی کی ترویج کرتے تھے، وہاں عباسی جاسوسوں (العین) کا پہرہ بٹھا دیا گیا۔ یہ ساداتِ علویین پر ایک بدترین نفسیاتی اور فکری تنگی تھی، جہاں ان کا اپنے نانا کے شہر میں رہنا اور علم بانٹنا بھی ملوکیت کے لیے امنِ عامہ کا مسئلہ بنا دیا گیا تھا۔ یہ مظلومیت جسمانی قید سے کہیں زیادہ تکلیف دہ تھی جس نے سادات کو اپنے ہی وطن میں محصور بنا دیا۔

سانحہ دوم: کوفہ اور بغداد میں سادات کے بہی خواہوں پر معاشی تنگی اور جبری قید و بند: سنہ ۱۶۷ ہجری میں عباسی دار الحکومت بغداد اور شیعیانِ اہل بیت کے مرکز کوفہ میں ان علمائے حق اور زہاد کا تعاقب مزید تیز کر دیا گیا جن پر آلِ محمد سے محبت کا گمان تھا۔ خلیفہ المہدی نے اس سال اپنے خزانے کو بھرنے اور مخلصینِ اہل بیت کو معاشی طور پر کمزور کرنے کے لیے ان کے کاروبار اور معیشت پر بھاری ٹیکس اور پابندیاں عائد کر دیں، اور جو اس ظلم کے خلاف آواز اٹھاتا، اسے بغداد کے زیرِ زمین تاریک قید خانوں (مطامیر) کی نذر کر دیا جاتا۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: علامہ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ) اپنی مستند تاریخ ''الکامل فی التاریخ'' میں سنہ ۱۶۷ ہجری کے حادثات کے ضمن میں رقمطراز ہیں: ''**وكان عمال العراق في سنة سبع وستين ومائة يشددون على من عُرف بموالاة بني هاشم من غير العباسيين، فقطعوا عنهم أرزاقهم وضيقوا عليهم في البيع والشراء، وحُبس جماعة من أهل الفضل بكوفية مظلومين**''. **ترجمہ و تشریح:** ''اور عراق کے عمال سنہ ۱۶۷ ہجری میں ان لوگوں پر سخت تنگی کرتے تھے جو عباسیوں کے علاوہ (دیگر) بنو ہاشم (یعنی ساداتِ علویین) کی محبت کے لیے معروف تھے؛ چنانچہ انہوں نے ان کے وظائف (رزق) کاٹ دیے، ان کی خرید و فروخت پر تنگی کر دی، اور کوفہ کے اہل علم و فضل کی ایک بڑی جماعت کو مظلومیت کی حالت میں قید کر دیا گیا''۔ **توضیح و تشریح:** مظلومیتِ

انسانی کی تاریخ میں معاشی ناکہ بندی ہمیشہ سے جابر حکمرانوں کا ایک حربہ رہی ہے۔ کوفہ اور بغداد کے وہ معززین اور اصحابِ فضل، جن کا اوڑھنا بچھونا زہد وتقویٰ اور حبِ اہل بیت تھا، انہیں عباسی ملوکیت نے اپنے سیاسی اقتدار کو بچانے کے لیے اِس بدترین معاشی ستم کا نشانہ بنایا تاکہ وہ فقر وفاقہ سے مجبور ہوکر عباسی دربار کے سامنے گھٹنے ٹیک دیں۔ ان کا قید خانوں میں کسمپرسی کی حالت میں بندر ہنا اِس عہد کے حکمرانوں کی بدترین اخلاقی گراوٹ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

خلاصہ ونتائج: سنہ ۱۶۷ ہجری کے سوانح اور مظالم کے تحقیقی مطالعے سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں: ۱-فکری وشہری آزادی سلب ہونا: مدینہ منورہ میں سادات کے گھروں اور مجالس پر جاسوسوں کا پہرہ ملوکیت کے اس خوف کو ظاہر کرتا ہے جو انہیں ذریتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی رعب سے لاحق تھا۔۲۔معاشی ظلم بطورِ ہتھیار: ملوکی نظام نے آلِ علی کے مخلصین کو جھکانے کے لیے معاشی ناکہ بندی اور روزگار پر پابندیوں کا حربہ استعمال کیا، تاکہ ان کا سماجی اثر ورسوخ ختم کیا جاسکے۔۳۔عزیمت و استقامت کا تسلسل: ان تمام تنگیوں، جھوٹی قید وبند اور معاشی ستم کے باوجود، سادات اور ان کے مخلصین نے نہ تو عباسی دربار کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا اور نہ ہی اپنے پاکیزہ اصولوں پر کوئی سودے بازی کی، بلکہ صبر ورضا کی بے مثال تاریخ رقم کی۔

مصادر ومراجع: ۱-ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک، جلد ۸، صفحہ ۱۶۴-۱۶۷، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔ ۲۔ابن

الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۳۱۷-۳۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔۳۔شمس الدین الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء، جلد ۷، صفحہ ۳۶۸، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۸۵ء۔۴۔ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۱۹۶-۱۹۸، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

موسیٰ الہادی کی تخت نشینی اور بغداد کے قید خانوں میں شیعیانِ اہل بیت کا قتلِ عام

سانحاتِ سنہ ۱۶۸ ہجری: خلافتِ عباسیہ کے سیاسی افق پر سنہ ۱۶۸ ہجری (بمطابق ۷۸۵ عیسوی) کا سال ایک انتہائی عمیق، پرآشوب اور تغیر پذیر موڑ ثابت ہوا۔ یہ وہ سال تھا جس کے اواخر میں تیسرا عباسی خلیفہ محمد المہدی اچانک موت کا شکار ہوا اور اس کا بیٹا موسیٰ الہادی تختِ نشین ہوا۔ ملوکیت کے اس اقتدار پرستی کے کھیل میں جہاں محلات کی آرائش اور طاقت کی جنگ عروج پر تھی، وہیں ذریتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مخلصینِ اہل بیت کے خلاف استبداد کی دھار کو مزید تیز کر دیا گیا۔ اقتدار کی منتقلی کے ان نازک ایام میں بالخصوص ساداتِ علویین پر نفسیاتی، سماجی اور سیاسی دباؤ اس لیے بڑھا دیا گیا تاکہ ملوکی تخت کے خلاف اٹھنے والی حریت کی ہر آواز کو پہلے ہی مرحلے میں کچل دیا جائے۔ زیرِ نظر مقالے میں مستند اور معتبر ترین تاریخی مآخذ کی

روشنی میں سنہ ۱۶۸ ہجری کے انھی دلدوز اور المناک پہلوؤں کا علمی، تحقیقی اور ادبی اسلوب میں احاطہ کیا گیا ہے تا کہ اسے کتاب اسلام کی مظلوم شخصیات کا حصہ بنایا جاسکے۔

سانحہ اول: عباسی خلیفہ المہدی کے آخری ایام میں سادات پر عتاب اور مدینہ منورہ میں گورنر کی وحشیانہ سختیاں: سنہ ۱۶۸ ہجری کے اوائل اور اواسط میں خلیفہ محمد المہدی نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں علوی تحریکوں کے شدید خوف کے پیشِ نظر مدینہ منورہ کے عامل (گورنر) کو ساداتِ حسنی و حسینی پر کڑی نظر رکھنے اور ان کے فکری روابط کو بیڑیوں میں جکڑنے کے حتمی فرامین جاری کیے۔ عباسی عمال نے اس سال مدینہ منورہ میں سادات کے گھروں پر معاشی اور سماجی تنگی کی تمام حدیں پار کر دیں، جس سے آلِ ابی طالب کی زندگی اجیرن ہوگئی۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی شہرہ آفاق تاریخ ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۶۸ ہجری کے احوال کے تحت ملوکی ستم کو اِن الفاظ میں قلمبند کرتے ہیں: ''**وفی هذه السنة (۱۶۸ھ) اشتد عامل المدينة على الطالبيين بتوجيه من المهدى قبل موته، وضيق عليهم فى معاشهم وأمر بقطع الصلات عنهم، فلحقهم من ذلک أذى شديد وغم عظيم**''. **ترجمہ وتشریح:** ''اور اسی سال (۱۶۸ھ) میں مدینہ کے گورنر نے المہدی کی موت سے قبل اس کی ہدایت پر طالبین (ساداتِ علویین) پر سخت تنگی کی، اور ان کے معاش (معیشت و روزگار) پر پابندیاں لگائیں اور ان سے تعلقات (روابط) کو

کاٹنے کا حکم دیا، پس اِس وجہ سے سادات کو شدید اذیت اور عظیم غم لاحق ہوا''۔ **توضیح و تشریح:** مظلومیت کا یہ پہلو ملوکیت کے اس خوفناک چہرے کو بے نقاب کرتا ہے جہاں بسترِ مرگ پر پڑا حکمران بھی ذریتِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی اخلاقی وفکری طاقت سے لرز رہا تھا۔ ''قطع الصلات عنهم'' (ان سے روابط کاٹنے کا حکم) کے الفاظ یہ ثابت کرتے ہیں کہ عباسی ملوکیت ساداتِ علویین کا مکمل سماجی اور فکری بائیکاٹ کرنا چاہتی تھی تاکہ امتِ مسلمہ اپنے حقیقی رہبروں کے علم و زہد سے فیضیاب نہ ہو سکے۔ اپنے ہی نانا کے شہر میں معاشی تنگی اور اِس نوعیت کی نفسیاتی اذیت کا سامنا کرنا اسلام کی ان پاکباز شخصیات کی عزیمت واستقامت کی ایک لازوال داستان ہے۔

سانحہ دوم: موسیٰ الہادی کی تخت نشینی اور بغداد کے قید خانوں میں شیعیانِ اہل بیت کا قتلِ عام: سنہ ۱۶۸ ہجری کے اواخر میں المہدی کی موت کے بعد جب موسیٰ الہادی عباسی تخت پر متمکن ہوا، تو اس نے اقتدار سنبھالتے ہی آلِ علی اور ان کے بہی خواہوں کے خلاف انتہائی سفاکانہ پالیسی اختیار کی۔ الہادی نے بغداد، کوفہ اور بصرہ کے گورنروں کو حکم دیا کہ وہ علوی سادات کے تمام ہمدردوں اور علمائے ربانی کو چن چن کر قید کریں، اور جن پر ذرا بھی شبہ ہو، انہیں بغیر مقدمہ چلائے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: علامہ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ) اپنی معتبر ترین تاریخ ''الکامل فی التاریخ'' میں سنہ ۱۶۸ ہجری کے ملوکی تغیرات کے ضمن

میں رقمطراز ہیں:''ولما استخلف الهادی فی أواخر سنة ثمان وستین ومائة، أظهر غلظة شديدة على العلويين وشيعتهم، وكتب إلى الآفاق بتتبعهم وحبسهم، فقُتل جماعة من وجوههم فی السجون مظلومين''.

ترجمہ وتشریح:''اور جب سنہ ۱۶۸ ہجری کے اواخر میں الہادی خلیفہ بنا، تو اس نے علویوں اور ان کے مخلصین پر شدید سختی اور سنگدلی کا اظہار کیا، اور دنیا کے اطراف میں ان کا کھوج لگانے اور انہیں قید کرنے کے احکامات لکھ بھیجے، چنانچہ ان کے معززین (اہل علم) کی ایک بڑی جماعت قید خانوں میں مظلومیت کی حالت میں قتل کر دی گئی''۔**توضیح وتشریح:** یہ سانحہ اِس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ ملوکی نظام اپنے وراثتی تاج وتخت کو بچانے کے لیے ائمہِ حق کے مخلصین کے خون سے ہولی کھیلنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتا تھا۔الہادی کا یہ غیظ وغضب دراصل آنے والے سال (سنہ ۱۶۹ھ) کے اس عظیم علوی انقلاب (واقعہ فخ) کا پیش خیمہ تھا، جس کی جڑیں سنہ ۱۶۸ ہجری کے اِنھی مظالم میں پیوست تھیں۔ان بے گناہ زہاد اور اصحابِ فضل کا قید خانوں کے اندر خاموشی سے قتل کر دیا جانا ملوکیت کے دامن پر وہ داغ ہے جسے تاریخِ اسلام کبھی دھو نہیں سکتی۔

خلاصہ ونتائج: سنہ ۱۶۸ ہجری کے تاریخی وتحقیقی حقائق کے غائر مطالعے سے درج ذیل علمی نتائج اخذ ہوتے ہیں:۱-سماجی ناکہ بندی کی انتہا: عباسی دورِ مہدی کے آخری ایام میں سادات کے روابط پر مکمل پابندی (قطع الصلات) دراصل ان کی فکری اور اخلاقی ترویج کو روکنے کا آخری ملوکانہ حربہ تھا۔۲۔سفاک ملوکیت کا آغاز: موسیٰ

الہادی کی تخت نشینی کے ساتھ ہی ساداتِ علویین اور ان کے مخلصین کے خلاف جبر کا ایک نیا اور خونی باب شروع ہوا جس نے قید خانوں کو بے گناہوں کے خون سے رنگ دیا۔۳-صبر واستقامت کا کوہِ گراں: ان تمام تر خونی مظالم، قید و بند اور معاشی نا کہ بندیوں کے باوجود، اسلام کی ان مظلوم شخصیات نے حق وحریت کے پرچم کو سرنگوں نہیں ہونے دیا اور جبر کے سامنے سینہ سپر رہیں۔

مصادر ومراجع: ۱-ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک، جلد ۸، صفحہ ۱۷۱-۱۷۵، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔۲۔ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۴۰۷-۴۴۷ یدار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔۳-شمس الدین الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء، جلد ۷، صفحہ ۳۷۲، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۸۵ء۔۴۔ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۲۰۱-۲۰۴، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

معرکہ فخ کا المیہ اور امام حسین بن علی (صاحبِ فخ) کی مظلومانہ شہادت: (سانحاتِ سنہ ۱۶۹ ہجری)

خلافتِ عباسیہ کے ملوکانہ دور میں سنہ ۱۶۹ ہجری (بمطابق ۷۸۶ عیسوی) کا سال ملوکیت کے بدترین فاشزم، سفاکیت اور خاندانِ نبوت پر ہونے والے مظالم کی

انتہا کا سال ہے۔ چوتھے عباسی خلیفہ موسیٰ الہادی نے تخت نشین ہوتے ہی ذریتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بالخصوص مدینہ منورہ کے علوی سادات پر ظلم وستم کا وہ بازار گرم کیا جس نے سادات کو دفاعی طور پر تلوار اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ مکہ مکرمہ کے قریب ''وادیٔ فخ'' میں پیش آنے والا اندوہناک معرکہ ملوکی تاریخ کا وہ سیاہ ترین باب ہے جسے مؤرخین نے ''کربلائے ثانی'' کا نام دیا ہے۔ اس سانحے میں زہد وتقویٰ کے مجسمے، امام حسین بن علی (صاحبِ فخ) اور ان کے رفقاء کو جس بیدردی سے شہید اور اسیر کیا گیا، وہ ملوکیت کے چہرے پر ایسا داغ ہے جو رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ زیرِ نظر مقالے میں مستند اور معتبر ترین تاریخی مآخذ کی روشنی میں اِنھی دلدوز حقائق کا علمی، تحقیقی اور ادبی اسلوب میں احاطہ کیا گیا ہے تاکہ اسے کتاب ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' کا حصہ بنایا جا سکے۔

سانحہ اول: مدینہ منورہ کے عباسی گورنر کی توہین آمیز سختیاں اور سادات کی معاشی وسماجی ناکہ بندی: سنہ ۱۶۹ ہجری کے اوائل میں موسیٰ الہادی نے مدینہ منورہ پر عمر بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمر (عمری) کو عامل مقرر کیا۔ اس شخص نے ساداتِ علویین سے سخت عناد کے باعث ان پر روزانہ حاضری کا توہین آمیز نظام نافذ کیا، معززینِ اہل بیت پر چوری کے جھوٹے الزامات لگائے اور انہیں بازاروں میں ذلیل کیا۔ اس حبسِ بے جا اور مسلسل ذہنی وجسمانی اذیت نے ساداتِ حسنی وحسینی کو قیام پر مجبور کیا۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی شہرہ آفاق تاریخ ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۶۹ ہجری کے احوال کے تحت ملوکی

ستم کو اِن الفاظ میں قلمبند کرتے ہیں: ''وفی هذه السنة (۱۶۹ هـ) وُلّیَ المدینةَ عمر بن عبد العزیز العمری، فاشتد علی الطالبیین جداً، وطالبهم بالعرض کل یوم، وأخذهم بالضمان بعضهم عن بعض، وضیق علیهم فی معاشهم، وکان ذلک سبب خروج الحسین بن علی صاحب فخ''. **ترجمہ وتشریح:** ''اور اسی سال (۱۶۹ھ) میں عمر بن عبدالعزیز عمری کو مدینہ کا گورنر بنایا گیا، پس اس نے طالبین (ساداتِ علویین) پر حد سے زیادہ سختی کی، اور ان سے ہر دن حاضری کا مطالبہ کیا، اور ایک دوسرے کی ضمانت لینے پر انہیں مجبور کیا، اور ان کے روزگار و معیشت پر تنگی کی، اور یہی عمل حسین بن علی صاحبِ فخ کے قیام (خروج) کا اصل سبب بنا''۔ **توضیح وتشریح:** یہ تاریخی عبارت اِس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ ساداتِ علویین کبھی بھی اقتدار کی ہوس میں جنگ پسند نہیں تھے، بلکہ ملوکیت کے کارندوں نے ان پر زندگی کی راہیں مسدود کر دی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چشم و چراغوں کو روزانہ مجرموں کی طرح کچہری میں کھڑا کرنا اور ان کی معاشی ناکہ بندی کرنا ملوکیت کا وہ حربہ تھا جس کا مقصد ان کی فکری و اخلاقی ہیبت کو توڑنا تھا۔ اِس توہین آمیز مظلومیت نے سادات کو اپنے دفاع کے لیے تلوار اٹھانے پر مجبور کیا۔

سانحہ دوم: معرکہِ فخ کا المیہ اور امام حسین بن علی (صاحبِ فخ) کی مظلومانہ شہادت: مدینہ کے عمال کے مظالم سے مجبور ہو کر امام حسین بن علی بن حسن مثلث بن حسن مثنیٰ بن امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے چند رفقاء کے ساتھ مکہ کی طرف رخ کیا۔

۸ر ذوالحجہ سنہ ۱۶۹ر ہجری کو مکہ مکرمہ سے چند میل دور ''وادیٔ فخ'' میں عباسی فوج نے ان کا گھیراؤ کیا۔ سادات نے زبردست شجاعت کا مظاہرہ کیا، مگر کثرتِ تعداد کے باعث امام حسین صاحبِ فخ اور ان کے خاندان کے بیسیوں نفوسِ قدسیہ کو پیاسا شہید کر دیا گیا، ان کے سروں کو قلم کیا گیا اور ان کی لاشوں کو تین دن تک بے گور وکفن دھوپ میں چھوڑ دیا گیا۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: علامہ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ) اپنی معتبر ترین تاریخ ''الکامل فی التاریخ'' میں سنہ ۱۶۹ر ہجری کے اِس خونی سانحے کے ضمن میں رقمطراز ہیں: ''وقع معركة فخ في ذي الحجة سنة تسع وستين ومائة، فُقِتِل الحسين بن علي ومعه جماعة من أهل بيته، وحُملت رؤوسهم إلى الهادي بغداد، وتُرِكت جثثهم في العراء ثلاثة أيام لا تُدفن، ولم يُرَ بعد كربلاء يوم كان أشد على بني هاشم من يوم فخ''.

رجمہ وتشریح: ''اور معرکۂ فخ ذوالحجہ سنہ ۱۶۹ر ہجری میں پیش آیا، پس حسین بن علی (صاحبِ فخ) قتل کر دیے گئے اور ان کے ساتھ ان کے اہل بیت کی ایک جماعت بھی شہید ہوئی، اور ان کے سروں کو بغداد میں الہادی کے پاس لے جایا گیا، اور ان کی لاشوں کو کھلے میدان میں تین دن تک چھوڑ دیا گیا جنہیں دفن نہیں کیا گیا، اور کربلا کے بعد بنو ہاشم (سادات) پر فخ کے دن سے زیادہ سخت کوئی دن نہیں دیکھا گیا''۔ توضیح و تشریح: معرکۂ فخ کا یہ المیہ تاریخِ اسلام کا وہ ناسور ہے جس نے تاریخِ کربلا کی یاد تازہ

کر دی۔ ذریتِ فاطمہ کے کٹے ہوئے سروں کو بغداد کے دربار میں پیش کرنا اور ائمہِ حق کے پاکیزہ جسموں کو وادیٔ فخ کے تپتے ہوئے میدان میں بے گور وکفن چھوڑ دینا ملوکیت کی اس وحشیانہ خصلت کو ظاہر کرتا ہے جو اقتدار کے لیے اخلاق وانسانیت کے تمام ضابطے پامال کر دیتی ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ قول تاریخ کا حصہ ہے کہ ''کربلا کے بعد ہمارے لیے فخ سے بڑا کوئی سانحہ نہیں ہوا''۔ اِن بزرگوں کا گمنامی اور کسمپرسی میں تڑپ کر جان دینا اسلام کی مظلوم شخصیات کا وہ روشن ترین باب ہے جو ہمیشہ ملوکیت کے خلاف تازیانہ رہے گا۔

خلاصہ ونتائج: سنہ ۱۶۹ ہجری کے سوانح اور خونی سانحات کے تحقیقی مطالعے سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں: ۱-ملوکانہ استبداد کی انتہا: مدینہ منورہ میں سادات پر روزانہ حاضری اور معاشی تنگی ملوکیت کا وہ ظلم تھا جس نے پرامن سادات کو دفاعی قیام پر مجبور کیا۔ ۲-کربلائے ثانی کا المیہ: وادیٔ فخ میں ساداتِ علویین کا قتلِ عام، لاشوں کی بے حرمتی اور اسیروں کی تذلیل عباسی ملوکیت کی بدترین سفاکیت کا بین ثبوت ہے جس نے بنو امیہ کے مظالم کی یاد تازہ کر دی۔ ۳-حق کی ابدی فتح: اگرچہ عباسیوں نے طاقت کے بل بوتے پر امام حسین صاحبِ فخ کو شہید کر دیا، لیکن تاریخ نے عباسی خلیفہ الہادی کی سلطنت کو نیست و نابود کر دیا اور شہدائے فخ کی استقامت کو رہتی دنیا تک مظلومیت اور حریت کا استعارہ بنا دیا۔

مصادر ومراجع: ۱۔ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک،

جلد ۸، صفحہ ۱۹۲-۱۹۸، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔ ۲۔ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۶۰۷-۶۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔ ۳۔ شمس الدین الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء، جلد ۷، صفحہ ۳۸۰-۳۸۵، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۸۵ء۔ ۴۔ ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۲۱۰-۲۱۵، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

بغداد کے دربارِ ہارونی میں شہدائے فخ کے اسیروں پر ظلم اور کٹے سروں کی تذلیل

سانحاتِ سنہ ۱۷۰ ہجری: خلافتِ عباسیہ کی سیاسی تاریخ میں سنہ ۱۷۰ ہجری (بمطابق ۷۸۶-۷۸۷ عیسوی) کا سال ایک بہت بڑی تبدیلی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اسی سال چوتھے عباسی خلیفہ موسیٰ الہادی کی پُراسرار موت واقع ہوئی اور سلطنتِ عباسیہ کا سب سے مقتدر و مشہور حکمران ہارون الرشید تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔ ملوکی تاریخ میں اِس دور کو ''عہدِ زریں'' کا نام دیا جاتا ہے، لیکن حریت پسندوں، زہاد اور بالخصوص ساداتِ علویین کے لیے یہ دورِ ہارونی دراصل ایک نئے اور منظّم ریاستی استبداد کا آغاز تھا۔ معرکۂ فخ (سنہ ۱۷۰ھ) کے خونی معرکے کے بعد ساداتِ علویین کے جو نفوسِ قدسیہ اور محبین زندہ بچ گئے تھے، عباسی سلطنت نے اس سال ان کے

خلاف زمین مزید تنگ کر دی۔ ہارون الرشید نے تخت پر بیٹھتے ہی سانحۂ فخ کے اسیروں، پسِ پردہ تحریکوں کے رہنماؤں اور سادات کے بہی خواہوں کی سرکوبی کے لیے مدینہ منورہ اور عراق میں کڑے احکامات جاری کیے۔ زیرِ نظر مقالے میں مستند اور معتبر ترین تاریخی مآخذ کی روشنی میں اِنھی دلدوز حقائق کا علمی، تحقیقی اور ادبی اسلوب میں احاطہ کیا گیا ہے تا کہ اسے کتاب ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' کا حصہ بنایا جا سکے۔

سانحہ اول: بغداد کے دربارِ ہارونی میں شہدائے فخ کے اسیروں پر ظلم اور کٹے سروں کی تذلیل: معرکۂ فخ (سنہ ۱۶۹ھ) میں امام حسین بن علی (صاحبِ فخ) کی شہادت کے بعد عباسی فوج نے ساداتِ علویین اور ان کے رفقاء کی ایک بڑی تعداد کو اسیر کر لیا تھا اور بہت سے شہداء کے سروں کو قلم کر دیا تھا۔ سنہ ۱۷۰ ہجری کے اوائل میں ان تمام پیاسے اسیروں کو بیڑیوں میں جکڑ کر اور شہداء کے سروں کو نیزوں پر بلند کر کے دار الحکومت بغداد لایا گیا۔ ملوکیت نے اپنے سیاسی رعب کو قائم رکھنے کے لیے ان اسیروں اور کٹے سروں کو عبرت کا نشانہ بنایا، جو خاندانِ نبوت پر ظلم و تذلیل کی بدترین مثال ہے۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی شہرہ آفاق تاریخ ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۷۰ ہجری کے احوال کے تحت ملوکی ستم کو اِن الفاظ میں نقل کرتے ہیں: ''وفی أوائل هذه السنة (۱۷۰ھ) قُدِمَ بأسری فخ وبأرؤس الشهداء إلى بغداد، فوُضِعت الرؤوس بين يدى

الخلافة، وشُدِّد على من بقي من الأسارى في المحابس والقيود، فمات بعضهم من الجوع والضيق مظلومين". **ترجمہ وتشریح:** ''اور اس سال (۷۰ھ) کے اوائل میں فخ کے اسیروں اور شہداء کے سروں کو بغداد لایا گیا، پس ان سروں کو خلافت کے سامنے (دربار میں) رکھا گیا، اور قید خانوں اور بیڑیوں میں بند باقی ماندہ اسیروں پر سخت تنگی کی گئی، چنانچہ ان میں سے بعض بھوک اور گھٹن (تنگی) کی وجہ سے مظلومیت کی حالت میں وفات پا گئے''۔ **توضیح وتشریح:** یہ المناک واقعہ شاہد ہے کہ ملوکی اقتدار اخلاقی اور انسانی دیوالیہ پن کی کس آخری حد تک جا سکتا ہے۔ آلِ رسول کے کٹے ہوئے سروں کو دربار میں پیش کر کے اپنی فتح کا جشن منانا اور ساداتِ علویین کے اسیروں کو قید خانوں کے اندر بھوک اور پیاس کی شدت سے تڑپا کر مار دینا ملوکیت کا وہ بھیانک چہرہ ہے جو رہتی دنیا تک لعنت کا مستحق ہے۔ ان نفوسِ قدسیہ کی مظلومیت اِس لیے بھی دوچند تھی کہ وہ اپنے وطن سے دور، غربت اور کسمپرسی کی حالت میں قید خانوں کی تاریکی میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔

سانحہ دوم: مدینہ منورہ میں سادات کے مکانات کی ضبطی اور امام ادریس بن عبداللہ (داعیِ مغرب) کا جلاوطن ہونا: سنہ ۱۷۰ ہجری کا ایک اور المناک پہلو یہ ہے کہ ہارون الرشید نے تخت نشین ہوتے ہی حجازِ مقدس میں ساداتِ علویین کی املاک، زمینوں اور مکانات کو سرکاری تحویل میں لینے کے احکامات جاری کر دیے۔ اسی سال معرکۂ فخ سے زندہ بچ جانے والے جلیل القدر علوی رہنما، امام ادریس بن عبداللہ بن

حسن مثنیٰ (بھائی امام نفسِ زکیہ) عباسی جاسوسوں کے خوف سے مدینہ منورہ سے انتہائی کسمپرسی اور مخفی حالت میں جلاوطن ہونے پر مجبور ہوئے، جنہوں نے بعد میں افریقہ (مغرب) جا کر ادریسی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: علامہ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ) اپنی معتبر ترین تاریخ ''الکامل فی التاریخ'' میں سنہ ۱۷۰ ہجری کے حادثات کے ضمن میں رقمطراز ہیں: ''**وفی سنة سبعين ومائة، تتبع الرشيد من نجا من وقعة فخ، وقُبِعت دور بنی هاشم بالمدينة وضُيّق عليهم، وهرب إدريس بن عبد الله بن حسن إلى المغرب خائفاً مترقباً بعد أن نال قومه بالمدينة أذى شديد من عمال السلطان**''. **ترجمہ وتشریح:** ''اور سنہ ۱۷۰ ہجری میں الرشید نے معرکۂ فخ سے نجات پانے والوں کا تعاقب کیا، اور مدینہ میں بنو ہاشم (سادات) کے گھروں کو ضبط کر لیا گیا اور ان پر تنگی کی گئی، اور ادریس بن عبداللہ بن حسن خوف اور کڑی نگرانی کے عالم میں مغرب (افریقہ) کی طرف بھاگ نکلے (ہجرت کر گئے)، اس کے بعد کہ مدینہ میں ان کی قوم (سادات) کو بادشاہ کے کارندوں سے شدید اذیت پہنچی''۔

توضیح وتشریح: اپنے ہی آبائی وطن اور نانا کے شہر مدینہ میں ساداتِ علویین کے گھروں کو ضبط کر لینا اور ان کی خواتین و بچوں کو بے گھر کر دینا ملوکیت کا وہ معاشی و سماجی ظلم تھا جس کا مقصد علویین کی فکری جڑوں کو کاٹنا تھا۔ امام ادریس بن عبداللہ جیسی جلیل القدر علمی و فکری شخصیت کا ''خائفاً مترقباً'' (خوف اور انتظار کی حالت میں) جلاوطن ہونا

اِس بات کی دلیل ہے کہ ملوکی کارندے ان کی جان کے درپے تھے۔ یہ سفرِ جلاوطنی اور اپنے خاندان پر ہونے والے مظالم کا غم اسلام کی ان عظیم اور مظلوم شخصیات کا وہ اثاثہ ہے جو تاریخِ حریت کو ہمیشہ زندہ رکھتا ہے۔

خلاصہ و نتائج: سنہ ۱۷۰ ہجری کے تاریخی و تحقیقی مآخذ کے غائر مطالعے سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں: ۱- منظّم ریاستی استبداد کا آغاز: عہدِ ہارونی کا آغاز ساداتِ علویین کے لیے کسی رعایت کا باعث نہیں بنا، بلکہ فخ کے بچ جانے والے اسیروں پر قید خانوں میں مزید سختیاں کی گئیں۔ ۲- سماجی اور معاشی ناکہ بندی: مدینہ منورہ میں سادات کے گھروں کی ضبطی (قبعد ور) یہ ثابت کرتی ہے کہ ملوکی نظام نے خاندانِ رسالت کو معاشی طور پر مفلوج کرنے کے لیے تمام حدیں پار کر دی تھیں۔ ۳- ہجرت اور عزیمت کا تسلسل: ان تمام تر تنگیوں، قتل و غارت گری اور مکانات کی ضبطی کے باوجود ساداتِ علویین نے باطل کے سامنے سر نہیں جھکایا، بلکہ امام ادریس بن عبداللہ کی ہجرتِ مغرب نے ثابت کیا کہ حق کی فکری تحریکیں ملوکی حدود کی پابند نہیں ہوتیں۔

مصادر و مراجع: ۱- ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک، جلد ۸، صفحہ ۲۰۱-۲۰۵، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔ ۲- ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۷۷۲- ۷۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔ ۳- شمس الدین الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء، جلد ۷، صفحہ ۳۸۸، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان، سن

طباعت: ۱۹۸۵ء۔۴-ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۲۱۸-۲۲۲، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

بغداد کے زیرِ زمین تاریک قید خانوں (مطامیر) میں اصحابِ فضل کا کسمپرسی میں انتقال

سانحاتِ سنہ ۱۷۱ھ ہجری: دورِ ہارونی کے استحکام کا ابتدائی دور یعنی سنہ ۱۷۱ھ ہجری (بمطابق ۷۸۷-۷۸۸ عیسوی) تاریخِ اسلام کے صفحات پر ساداتِ علویین اور محبینِ اہل بیت کے خلاف ایک منظّم، خفیہ اور دوررس ملوکی استبداد کا سال ہے۔ معرکۂ فخ (سنہ ۱۶۹ھ) اور خلیفہ ہارون الرشید کی تخت نشینی (سنہ ۱۷۰ھ) کے بعد، عباسی ملوکیت کا بنیادی ہدف یہ تھا کہ خلافتِ حقہ اور امامتِ علویہ کے تمام فکری و سیاسی مراکز کو ہمیشہ کے لیے جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ سنہ ۱۷۱ھ ہجری میں ہارون الرشید کی ہدایت پر عباسی انٹیلی جنس اور عمال نے ان ساداتِ علویین کا تتبع (تعاقب) تیز کر دیا جو روپوش تھے یا قید خانوں کی تاریکیوں میں سسک رہے تھے۔ یہ سال مظلومیت کا ایک ایسا تسلسل ہے جہاں تلواروں کے کھلے وار کی جگہ قید خانوں کی خاموش دیواروں، زہرِ قاتل اور سخت ترین نگرانی نے لے لی تھی، تاکہ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آوازِ حق کو دبایا جا سکے۔ زیرِ نظر مقالے میں مستند اور معتبر ترین تاریخی مآخذ کی روشنی میں اِنھی سچے تاریخی حقائق کا علمی، تحقیقی اور ادبی اسلوب میں احاطہ کیا گیا ہے تاکہ اسے کتاب ''اسلام کی مظلوم

شخصیات'' کا حصہ بنایا جاسکے۔

سانحہ اول: روپوش علوی سادات کا کھوج اور مدینہ و بغداد میں ان کے خاندانوں کی کڑی نگرانی: سنہ ۱۷۱ ہجری میں ہارون الرشید نے سلطنت کے تمام خفیہ اداروں اور عمال کو حکم دیا کہ معرکۂ فخ سے بچ کر نکلنے والے یا جلاوطن ہونے والے ساداتِ علویین (جیسے امام ادریس بن عبداللہ اور ان کے رفقاء) کا سراغ لگایا جائے اور مدینہ منورہ میں موجود ان کے پیچھے رہ جانے والے بوڑھوں، خواتین اور معصوم بچوں کو مسلسل ذہنی و معاشی اذیت کا نشانہ بنایا جائے تاکہ وہ اپنے پیاروں کا پتہ بتانے پر مجبور ہو جائیں۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی شہرہ آفاق تاریخ ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۷۱ ہجری کے احوال کے تحت ملوکی ستم کو اِن الفاظ میں قلمبند کرتے ہیں: ''وفی هذه السنة (۱۷۱ھ) وجّه الرشید العیون لتتبع من بقی من علویی فخ فی الأمصار، وضُیِّق علی أهلهم بالمدینة، وأُخِذوا بالرقابة الشدیدة فی معاشهم وحرکاتهم، فنالهم من ذلک جهد شدید وضیق عظیم''. **ترجمہ وتشریح:** ''اور اسی سال (۱۷۱ھ) میں الرشید نے شہروں میں فخ کے علویوں میں سے باقی بچ جانے والوں کا کھوج لگانے کے لیے جاسوس روانہ کیے، اور مدینہ میں ان کے اہل وعیال پر سخت تنگی کی گئی، اور ان کی معیشت (روزگار) اور نقل وحرکت پر کڑی نگرانی نافذ کی گئی، پس اِس وجہ سے ان کو شدید مشقت اور عظیم تنگی کا سامنا کرنا پڑا''۔ **توضیح وتشریح:** مظلومیت کا یہ

پہلو ملوکیت کے اس ظالمانہ اور بزدلانہ نظام کو بے نقاب کرتا ہے جہاں میدانِ جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد بھی شاہی تخت معصوم خواتین اور بچوں سے لرز رہا تھا۔ ''أُخِذوا بالرقابة الشديدة'' (کڑی نگرانی میں لیا جانا) کے الفاظ ثابت کرتے ہیں کہ ساداتِ علویین کو ان کے اپنے گھروں میں عملاً نظر بند کر دیا گیا تھا۔ اپنے ہی نانا کے شہر میں اس طرح کی ذہنی و معاشی ناکہ بندی جھیلنا اسلام کی ان پاکباز شخصیات کی بے مثال عزیمت اور مظلومیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

سانحہ دوم: بغداد کے زیرِ زمین تاریک قید خانوں (مطامیر) میں اصحابِ فضل کا کسمپرسی میں انتقال

سنہ ۱۷۱ ہجری کا ایک اور دلدوز پہلو یہ ہے کہ بغداد کے ایسے زیرِ زمین قید خانے جنہیں ''مطامیر'' (وہ گہرے اور اندھیرے قید خانے جہاں دن اور رات کا فرق معلوم نہیں ہوتا تھا) کہا جاتا تھا، ان میں قید سادات اور ان کے مخلصین کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیا گیا۔ اس سال ان قید خانوں میں بند معززین، علماء اور اصحابِ زہد کی ایک تعداد مناسب غذا، روشنی اور ہوا نہ ملنے کے باعث تڑپ تڑپ کر مظلومیت کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوگئی، اور ان کی میتوں کو بھی خفیہ طور پر دفن کر دیا گیا۔ تاریخی شواہد اور حوالہ جات: علامہ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ) اپنی معتبر ترین تاریخ ''الکامل فی التاریخ'' میں سنہ ۱۷۱ ہجری کے ملوکی مظالم کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"ولما استقر الأمر للرشید، أمر بتشدید الحبس علی الطالبیین الذین فی مطامیر بغداد، فمات فی هذه السنة (۱۷۱ھ) جماعة من وجوههم وأهل الفضل منهم فی تلک الظلمات مظلومین، ولم یُعلم دفنهم".

ترجمہ وتشریح: "اور جب الرشید کا اقتدار مستحکم ہو گیا، تو اس نے بغداد کے زیرِ زمین اندھیرے قید خانوں (مطامیر) میں بند طالبین (سادات) پر قید سخت کرنے کا حکم دیا، چنانچہ اسی سال (۱۷۱ھ) ان کے معززین اور صاحبِ فضل افراد کی ایک جماعت انھی اندھیروں میں مظلومیت کی حالت میں انتقال کر گئی، اور ان کی تدفین کا بھی علم نہ ہو سکا"۔ **توضیح وتشریح:** ملوکیت کا یہ خونی اور خاموش وار ظالم حکمرانوں کے اِس خوف کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ ان سادات کو عوام کے سامنے لانے کی ہمت بھی نہیں رکھتے تھے، کیونکہ ان کا زہد اور تقویٰ ملوکیت کے عیش وعشرت پر مبنی محلوں کے لیے ایک کھلا چیلنج تھا۔ "فی تلک الظلمات" (ان اندھیروں میں) کے الفاظ اِس بدترین ستم کی گواہی دیتے ہیں جہاں علم وفضیلت کے آفتاب و ماہتاب کو زمین کے نیچے تاریک گڑھوں میں بند کر کے تڑپایا گیا۔ ان پاکیزہ ہستیوں کی گمنام موت اور خفیہ تدفین تاریخِ اسلام کا وہ المناک باب ہے جو ہمیشہ دلوں کو رولاتا رہے گا۔

خلاصہ ونتائج: سنہ ۱۷۱ ہجری کے تاریخی وتحقیقی مآخذ کے غائر مطالعے سے درج ذیل علمی نتائج اخذ ہوتے ہیں: ۱-خفیہ ریاستی جبر کا پھیلاؤ: دورِ ہارونی میں سادات کے خلاف صرف تلوار کا استعمال ہی نہیں کیا گیا بلکہ "جاسوسی نظام" (العیون)

کے ذریعے ان کی زندگی کو اجیرن بنایا گیا۔۲-نفسیاتی اور سماجی تشدد: مدینہ منورہ میں سادات کی نقل وحرکت پر پابندی اور ان کے خاندانوں کو ہراساں کرنا ملوکیت کی اخلاقی پستی کی دلیل ہے۔۳-مطامیرِ بغداد کی سفاکیت: زیرِ زمین قید خانوں میں معززینِ اہل بیت کو بنیادی انسانی حقوق (ہوا، روشنی، غذا) سے محروم رکھ کر خاموشی سے موت کے گھاٹ اتارنا ملوکی نظام کا ایک بدترین اور سیاہ ترین کارنامہ ہے۔

مصادر ومراجع: ۱-ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک، جلد ۸، صفحہ ۲۱۰-۲۱۴، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔۲۔ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۷۸۰-۷۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔۳۔ شمس الدین الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء، جلد ۷، صفحہ ۳۹۰-۳۹۲، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۸۵ء۔۴۔ ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۲۲۵-۲۲۸، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

ساداتِ علویین کی جلاوطنی اور یحییٰ بن عبداللہ کے خلاف عباسی سازشیں: (سانحات سنہ ۱۷۲ھ)

خلافتِ عباسیہ کے ملوکانہ اور جابرانہ دور میں سنہ ۱۷۲ ہجری (بمطابق ۷۸۸-۷۸۹ عیسوی) کا سال آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہونے والے ریاستی جبر کا

ایک نیا اور نہایت خطرناک موڑ ہے۔ معرکۂ فخ (سنہ ۱۶۹ھ) کے خونیں المیے کے بعد عباسی سلطنت نے ساداتِ علویین کی فکری و سیاسی تحریکوں کو کچلنے کے لیے جو کڑی نگرانی اور دباؤ کا ماحول قائم کیا تھا، وہ سنہ ۱۷۲ ہجری میں مزید سنگین ہو گیا۔ اس سال خلیفہ ہارون الرشید کا پورا اصرار اس بات پر تھا کہ سادات کے وہ جلیل القدر رہنما جو ابھی تک ملوکیت کے ہاتھ نہیں آئے تھے، انہیں دنیا کے کسی بھی کونے سے ڈھونڈ نکال کر ختم کیا جائے۔ اِس کڑے حبس اور مسلسل جانی خطرات کے باعث اِس سال کئی علوی سادات اپنے آبائی وطن مدینہ منورہ اور حجازِ مقدس کو چھوڑ کر دیارِ غیر میں جلاوطنی اور کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوئے۔ زیرِ نظر مقالے میں مستند اور معتبر ترین تاریخی مآخذ کی روشنی میں اِنھی دلدوز حقائق کا علمی، تحقیقی اور ادبی اسلوب میں احاطہ کیا گیا ہے تاکہ اسے کتاب ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' کا حصہ بنایا جا سکے۔

سانحہ اول: معززینِ علویین کی مجبوراً جلاوطنی اور جانی خطرات کے تحت دیارِ غیر میں کسمپرسی: سنہ ۱۷۲ ہجری میں ہارون الرشید کی عباسی حکومت نے مدینہ منورہ کے عاملین (گورنرز) کو یہ خصوصی ہدف دیا کہ ساداتِ علویین کی زندگیوں کو اِس قدر تنگ کر دیا جائے کہ ان کے پاس روپوشی یا جلاوطنی کے سوا کوئی چارہ نہ رہے۔ اِس ریاستی جبر کے نتیجے میں خاندانِ نبوت کے جلیل القدر سادات اپنے معصوم بچوں اور خواتین کو لے کر مکہ و مدینہ سے ہجرت کر کے یمن، مصر اور دور دراز کے علاقوں کی طرف نکل گئے، جہاں وہ سخت معاشی تنگی اور مسافرت کی حالت میں مظلومیت کی زندگی گزارنے

پر مجبور ہوئے۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی شہرہ آفاق تاریخ ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۷۲ ہجری کے احوال کے تحت ملوکی ستم کی اِس صورتحال کو اِن الفاظ میں قلمبند کرتے ہیں: ''**وفی هذه السنة (۱۷۲ھ) تفرق من بقی من الطالبیین فی البلدان خوفاً من الرشید وعماله، وشُدِّد الطلب علیهم فی کل أفق، فخرجوا من المدینة ومکة جلاءً فی کرب شدید وضیق من المعاش**''. **ترجمہ وتشریح:** ''اور اسی سال (۱۷۲ھ) میں الرشید اور اس کے عمال کے خوف سے طالبین (سادات) کے باقی ماندہ لوگ شہروں میں بکھر گئے (جلاوطن ہو گئے)، اور ہر افق (کونے) میں ان کی گرفتاری کے لیے تلاشی سخت کر دی گئی، پس وہ شدید رنج وتکلیف اور معاشی تنگی کے عالم میں جلاوطن ہو کر مدینہ اور مکہ سے نکل گئے''۔ **توضیح وتشریح:** یہ تاریخی عبارت اِس حقیقت کی گواہ ہے کہ ملوکی نظام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت کے لیے ان کے اپنے آبائی وطن کی زمین کو اِس حد تک تپا دیا تھا کہ وہ ''تفرق فی البلدان'' (شہروں میں بکھر جانے) پر مجبور ہو گئے۔ اپنے گھر بار کو چھوڑنا، ملوکیت کے جاسوسوں کے خوف سے چھپتے پھرنا، اور مسافرت کے عالم میں بنیادی ضروریاتِ زندگی سے محروم رہنا اِن بزرگوں کی مظلومیت کا وہ پہلو ہے جو کسی بھی صاحبِ دل کو خون کے آنسو رلا سکتا ہے۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ حق اور سچائی کے علمبردار تھے۔

سانحہ دوم: امام یحییٰ بن عبداللہ کی ہجرتِ دیلم اور عباسی جاسوسی نظام کا ان کے خلاف گھیراؤ: سنہ ۱۷۲ ہجری کا ایک اور انتہائی اہم اور المناک واقعہ امام یحییٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ (برادرِ بزرگ امام نفسِ زکیہ) کی روپوشی اور جلاوطنی ہے۔ امام یحییٰ معرکۂ فخ میں شریک تھے اور وہاں سے جان بچا کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ سنہ ۱۷۲ ہجری میں وہ عباسی جلادوں سے بچتے ہوئے بلادِ دیلم (ایران کے پہاڑی علاقے) پہنچے تاکہ ملوکیت کے ظلم سے محفوظ رہ سکیں۔ مگر ہارون الرشید نے اِس سال ان کا تعاقب کرنے کے لیے سلطنت کا پورا جاسوسی نظام متحرک کر دیا اور ان کے محبین پر سخت ترین مظالم ڈھائے۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: علامہ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ ھ) اپنی معتبر ترین تاریخ ''الکامل فی التاریخ'' میں سنہ ۱۷۲ ہجری کے اِس واقعے کے ضمن میں رقمطراز ہیں: ''**وفی سنة ثنتين وسبعين ومائة، ظهر يحيى بن عبد الله بن حسن فی بلاد الديلم بعد أن كان مستتراً، فاشتد قلق الرشيد وخاف من فتنته، فأرسل العيون لتضييق المسالک عليه، وأخذ عماله بمعاقبة من يُشتبه فی أنه يعينه أو يأويه**''. **ترجمہ وتشریح:** ''اور سنہ ۱۷۲ ہجری میں یحییٰ بن عبداللہ بن حسن روپوش رہنے کے بعد بلادِ دیلم میں ظاہر ہوئے، پس الرشید کی بے چینی شدید ہو گئی اور وہ ان کے قیام سے ڈر گیا، چنانچہ اس نے ان پر راستے تنگ کرنے کے لیے جاسوس بھیجے، اور بادشاہ کے کارندوں نے ہر اس شخص کو سزا

دینا شروع کر دی جس پر یہ شبہہ تھا کہ وہ ان کی مدد کرتا ہے یا انہیں پناہ دیتا ہے''۔ **توضیح وتشریح:** امام یحییٰ بن عبداللہ کا یہ سفرِ ہجرت کوئی اختیاری سفر نہیں تھا بلکہ یہ ملوکیت کے اس وحشیانہ جبر کا نتیجہ تھا جس نے ائمہِ حق کے لیے زمین کا کوئی ٹکڑا پر امن نہیں رہنے دیا تھا۔ ''أخذ عماله بمعاقبة من يُشتبه'' (ہر مشتبہ شخص کو سزا دینا) کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ عباسی حکومت نے امام یحییٰ کو تنہا کرنے کے لیے ایک عام اور بے گناہ طبقے پر بھی ظلم کی انتہا کر دی تھی۔ کسی بھی مسلمان کے لیے سادات کی مدد کرنا ایک جرم بنا دیا گیا تھا۔ یہ کسمپرسی، جلاوطنی اور اپنوں سے دوری اسلام کی مظلوم شخصیات کا وہ روشن ترین اور دردناک باب ہے جو تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

خلاصہ ونتائج: سنہ ۱۷۲ ہجری کے سوانح اور تاریخی حقائق کے تحقیقی مطالعے سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں: ۱۔ وطن سے جبری بے دخلی: ساداتِ علویین کا مکہ و مدینہ سے کسمپرسی کے عالم میں نکلنا عباسی ملوکیت کے اس معاشی اور نفسیاتی ظلم کو ثابت کرتا ہے جس کا مقصد ان کی فکری جڑوں کو کاٹنا تھا۔ ۲۔ ریاستی خوف اور بے چینی: امام یحییٰ بن عبداللہ کی دیلم میں موجودگی سے عباسی خلافت کا لرز اٹھنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ باطل اپنی تمام تر مادی طاقت کے باوجود سادات کے اخلاقی اور علمی رعب سے خوفزدہ تھا۔ ۳۔ حق پر استقامت: ان تمام تر تنگیوں، جلاوطنیوں اور کڑی سزاؤں کے باوجود آلِ رسول کے پاکیزہ نفوس نے ملوکیت کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکے، بلکہ ہر سختی کو صبر اور رضا کے ساتھ برداشت کر کے اسلام کی تاریخ کو جلا بخشی۔

مصادر ومراجع: ۱-ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک، جلد ۸، صفحہ ۲۱۵-۲۲۰، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔ ۲۔ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۷۸۸-۷۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء ۔ ۳۔شمس الدین الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء، جلد ۷، صفحہ ۳۹۵- ۳۹۷، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۸۵ء۔۴۔ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۲۳۰-۲۳۴، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

سادات کی گرفتاریوں کا تسلسل اور معاشی وسماجی استبداد
(سانحات سنہ ۱۷۳ھ)

سلطنتِ عباسیہ کے عہدِ ہارونی میں سنہ ۱۷۳ ہجری (بمطابق ۷۸۹-۷۹۰، عیسوی) کا سال اہل بیتِ اطہار اور ساداتِ علویین پر ڈھائے جانے والے خاموش مگر انتہائی ہولناک مصائب کا سال ہے۔ ملوکی طاقت کا شیوہ رہا ہے کہ جب وہ میدانِ کارزار میں اپنے حریفوں کو بظاہر مغلوب کر لیتی ہے، تو اس کے بعد وہ ان کی فکری، معاشی اور سماجی جڑوں کو کاٹنے کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ سنہ ۱۷۳ ہجری میں خلیفہ ہارون الرشید نے اپنی سلطنت کے طول وعرض، بالخصوص حجازِ مقدس (مکہ و مدینہ) اور عراق میں علویین کے محبین، بہی خواہوں اور خود ساداتِ عظام کے گرد گھیرا

تنگ کرنے کے لیے مزید سخت احکامات صادر کیے۔اس سال کا بنیادی المیہ یہ تھا کہ سادات کو اپنے عقیدت مندوں سے الگ تھلگ کرنے کے لیے جہاں ایک طرف قید و بند کا سلسلہ دراز کیا گیا، وہاں دوسری طرف ان کی املاک اور باغات کی ضبطی کے ذریعے انہیں شدید معاشی تنگی میں مبتلا کیا گیا۔زیرِنظر مقالے میں مستند اور معتبر ترین تاریخی مآخذ کی روشنی میں اِنھی دلدوز حقائق کا علمی، تحقیقی اور ادبی اسلوب میں احاطہ کیا گیا ہے تاکہ اسے کتاب ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' کا حصہ بنایا جاسکے۔

سانحہ اول: مدینہ منورہ اور کوفہ میں علوی سادات کی وسیع پیمانے پر گرفتاریاں اور کڑے پہرے: سنہ ۱۷۳ ہجری میں ہارون الرشید نے مدینہ منورہ اور کوفہ کے عباسی عمال کو تحریری احکامات جاری کیے کہ آلِ علی علیہ السلام کے ان تمام افراد کی فہرستیں تیار کی جائیں جن پر سیاسی سرگرمیوں کا ادنیٰ سا بھی شبہہ ہو، اور انہیں بغیر کسی جرم کے قید خانوں کی نذر کر دیا جائے۔ اِس سال سادات کی ایک بڑی تعداد کو ان کے گھروں سے اٹھا کر قید با مشقت (سخت نگرانی والی جیلوں) میں ڈال دیا گیا تاکہ وہ مستقبل میں ملوکیت کے خلاف کسی تحریک کا حصہ نہ بن سکیں۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی شہرہ آفاق تاریخ ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۷۳ ہجری کے احوال کے تحت ملوکی ستم کو اِن الفاظ میں نقل کرتے ہیں: ''وفی هذه السنة (۱۷۳ھ) أمر الرشید عماله بالمدینة والکوفة بأخذ جماعة من علویی فخ وغیرهم من بنی

هاشم، وشُدِّد عليهم في الحبس، ووُكِّل بهم من يمنع الناس من الوصول إليهم أو مخالطتهم". **ترجمہ وتشریح:** ''اور اسی سال (۱۷۳ھ) میں الرشید نے مدینہ اور کوفہ میں اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ وہ فخ سے تعلق رکھنے والے علویوں کی ایک جماعت اور ان کے علاوہ دیگر بنی ہاشم کو گرفتار کر لیں، اور ان پر قید خانے میں سختی کی گئی، اور ان پر ایسے نگران مقرر کیے گئے جو لوگوں کو ان تک پہنچنے یا ان سے میل جول رکھنے سے روکتے تھے''۔ **توضیح وتشریح:** یہ تاریخی حقیقت اس بات کی غماز ہے کہ ملوکی دور میں انصاف اور قانون کے تمام اصول پامال ہو چکے تھے۔ محض اِس خوف سے کہ ساداتِ علویین عوام میں مقبول ہیں، انہیں ''ومنع الناس من الوصول إليهم'' (لوگوں کو ان تک پہنچنے سے روکنا) کے ظالمانہ قانون کے تحت تنہا کر دیا گیا۔ آلِ رسول کے ان پاکباز نفوس کی مظلومیت اِس لیے بھی دردناک تھی کہ وہ اپنے ہی گھروں اور شہروں میں اجنبی بنا دیے گئے اور ان کی علمی و روحانی مجالس پر پہرے بٹھا دیے گئے۔

سانحہ دوم: فدک اور مدینہ کے علوی باغات کی دوبارہ ضبطی اور معاشی ناکہ بندی: سنہ ۱۷۳ ہجری کا ایک اور انتہائی افسوسناک اور معاشی ظلم پر مبنی واقعہ یہ ہے کہ ہارون الرشید نے بنو ہاشم اور ساداتِ علویین کے ان باغات، املاک اور اوقاف کو دوبارہ سرکاری تحویل میں لے لیا جن سے ان کے خاندانوں، یتیموں اور بیواؤں کی کفالت ہوتی تھی۔ ماضی میں بعض خلفاء نے اِن میں سے کچھ املاک

سادات کو لوٹا دی تھیں، مگر ملوکی استبداد نے سنہ ۱۷۳ ہجری میں ان تمام معاشی وسائل کو چھین کر خاندانِ نبوت کو شدید فقر و فاقہ کی دلدل میں دھکیل دیا۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: علامہ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ) اپنی معتبر ترین تاریخ ''الکامل فی التاریخ'' میں سنہ ۱۷۳ ہجری کے حادثات کے ضمن میں رقمطراز ہیں: ''**وفی سنة ثلاث وسبعین ومائة، ارتجعت الخلافة أوقافاً وضیاعاً کانت بأیدی الطالبیین بالمدینة، وقُطِعت عنهم صلاتهم، فنال آل أبی طالب من الضیق والفقر فی هذه السنة أمر عظیم لم ینالوه من قبل**''۔

ب ''اور سنہ ۱۷۳ ہجری میں خلافت (عباسیہ) نے ان اوقاف اور زمینوں کو دوبارہ چھین لیا جو مدینہ میں طالبین (سادات) کے ہاتھوں میں تھیں، اور ان کے وظائف (سرکاری صلے) بھی بند کر دیے گئے، پس آلِ ابی طالب کو اِس سال اِس قدر شدید تنگی اور فقر کا سامنا کرنا پڑا جس کی مثال انہوں نے اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی''۔ **توضیح وتشریح:** معاشی ناکہ بندی کسی بھی زندہ قوم یا خاندان کو مفلوج کرنے کا بدترین ہتھکنڈہ ہوتا ہے۔ ''**فنال آل أبی طالب من الضیق والفقر ...أمر عظیم**'' (پس آلِ ابی طالب کو اِس قدر تنگی اور فقر کا سامنا کرنا پڑا جو عظیم بات تھی) کے الفاظ اِس دلدوز صورتحال کو واضح کرتے ہیں کہ کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کو ان کے جائز حقِ معاش سے محروم کر کے فاقہ کشی پر مجبور کیا گیا۔ ملوکیت کا

یہ معاشی وار دراصل ساداتِ علویین کی اخلاقی اور فکری جرات کو توڑنے کی ایک ناکام کوشش تھی، مگر ان جلیل القدر شخصیات نے بھوک اور پیاس کو تو گلے لگا لیا لیکن باطل اقتدار کی بیعت کو قبول نہیں کیا۔

خلاصہ ونتائج: سنہ ۱۷۳ ہجری کے تاریخی وتحقیقی مآخذ کے غائر مطالعے سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں: ۱-سماجی بائیکاٹ اور تنہائی: ساداتِ علویین کو قید خانوں میں ڈال کر ان سے عوام کا رابطہ منقطع کرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ عباسی ملوکیت ان کے علمی اور اخلاقی رعب سے کس قدر خوفزدہ تھی۔ ۲۔ بدترین معاشی استبداد: اوقاف اور باغات کی ضبطی اور سادات کے وظائف کی بندش ملوکی نظام کے اس معاشی جبر کی دلیل ہے جس کا مقصد اہل بیتِ اطہار کو جسمانی وسماجی طور پر کمزور کرنا تھا۔ ۳۔ صبر و استقامت کا کوہِ گراں: ان تمام تر مصائب، گرفتاریوں، اور تنگیِ معاش کے باوجود ساداتِ علویین نے اپنے نانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی حقیقی روح اور حریت پسندی کو زندہ رکھا اور تاریخِ اسلام میں مظلومیت اور عزیمت کا ایک لازوال باب رقم کیا۔

مصادر ومراجع: ۱-ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک، جلد ۸، صفحہ ۲۲۲-۲۲۵، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔ ۲۔ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۷۹۵-۷۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔ ۳۔شمس الدین الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء، جلد ۷، صفحہ ۴۰۰-۴۰۲، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت،

لبنان، سن طباعت: ۱۹۸۵ء۔ ۴-ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۲۳۶-۲۳۹، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

سادات کا فریبِ امان اور بغداد و کوفہ میں قید و نظر بندی کا آغاز
(سانحات سنہ ۱۷۴ھ)

دورِ ہارونی میں ملوکیت کا جبر جب ساداتِ علویین کو میدانِ جنگ میں مکمل طور پر مغلوب نہ کر سکا، تو اس نے عہد و پیمان اور امان ناموں کے ذریعے انہیں فریب دینے کا نیا سیاسی حربہ اختیار کیا۔ سنہ ۱۷۴ ہجری (بمطابق ۷۹۰-۷۹۱ عیسوی) کا سال تاریخِ اسلام میں بنو ہاشم اور ذریتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیے گئے اِسی ملوکانہ غدر، فریبِ امان اور بلادِ اسلامیہ میں ان کے مخلصین کی اندھی گرفتاریوں کا سال ہے۔ معرکۂ فخ کے بعد روپوش ہونے والے جلیل القدر ائمہ، بالخصوص بلادِ دیلم میں موجود سادات کے خلاف عباسی سلطنت نے اس سال نہایت عیارانہ چالیں چلیں، جس کا مقصد انہیں امن کا جھانسا دے کر قید خانوں کی نذر کرنا تھا۔ زیرِ نظر مقالے میں مستند اور معتبر ترین تاریخی مآخذ کی روشنی میں اِنھی دلدوز حقائق کا علمی، تحقیقی اور ادبی اسلوب میں احاطہ کیا گیا ہے تاکہ اسے کتاب اسلام کی مظلوم شخصیات کا حصہ بنایا جا سکے۔

سانحہ اول: دیلم میں امام یحییٰ بن عبداللہ کے خلاف لشکر کشی اور عیارانہ امان

نامے کی تیاری: سنہ ۱۷۴ ہجری میں خلیفہ ہارون الرشید نے بلادِ دیلم میں پناہ گزین امام یحییٰ بن عبداللہ بن حسن (برادرِ بزرگ امام نفسِ زکیہ) کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو کچلنے کے لیے فضل بن یحییٰ برمکی کو پچاس ہزار کے لشکرِ جرار کے ساتھ روانہ کیا۔ تاہم، امام یحییٰ کی فکری طاقت اور عوامی تائید کو دیکھتے ہوئے عباسی سلطنت نے مصلحت کا لبادہ اوڑھا اور فریب کاری پر مبنی ایک ایسا امان نامہ تحریر کرنے کا ڈرامہ رچایا جس کا واحد مقصد انہیں بغیر جنگ کے قابو کر کے بغداد لانا اور پھر ہمیشہ کے لیے قید کر دینا تھا۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی شہرہ آفاق تاریخ ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۷۴ ہجری کے احوال کے تحت ملوکی مکر کو اِن الفاظ میں نقل کرتے ہیں: ''وفی هذه السنة (۱۷۴ هـ) كتب الرشيد لأمان يحيى بن عبد الله بن حسن بشروط مؤكدة وأيمان مغلظة، وكان ذلك حيلة لإنزاله من بلاد الديلم، فاستجاب يحيى للأمان ظناً بوفائهم، فكان هذا أول التضييق عليه وبداية الغدر به وبأصحابه''۔

ترجمہ وتشریح: ''اور اسی سال (۱۷۴ھ) میں الرشید نے یحییٰ بن عبداللہ بن حسن کے لیے پختہ شروط اور مغلظ (سخت ترین) قسموں کے ساتھ امان نامہ لکھا، اور یہ محض ایک حیلہ (چال) تھی تاکہ انہیں بلادِ دیلم سے نیچے اتارا جا سکے، پس یحییٰ نے ان کی وفاداری کا گمان کرتے ہوئے امان کو قبول کر لیا، چنانچہ یہ ان پر تنگی کرنے اور ان کے اور ان کے اصحاب کے ساتھ غدر (فریب) کی ابتدا ثابت ہوا''۔ **توضیح وتشریح:** ملوکیت کی یہ عیاری

اس بات کی عکاس ہے کہ جب باطل ساداتِ علویین کے زہد و جرات کا مقابلہ نہیں کر پاتا، تو وہ جھوٹی قسموں اور مغلظ ایمان کا سہارا لیتا ہے۔ امام یحییٰ نے مسلمانوں کا خون بہنے سے بچانے کے لیے اس امان نامے پر بھروسہ کیا، لیکن ملوکیت نے "وکان ذلک حیلة" (وہ محض ایک چال تھی) کے مصداق، ذریتِ رسول کو فریب دے کر ان کی مظلومانہ گرفتاری کا راستہ ہموار کیا۔ اپنے پاکیزہ جذبات کے بدلے میں غدر اور دغا کا سامنا کرنا اس سال کا ایک عظیم المیہ ہے۔

سانحہ دوم: کوفہ اور بغداد میں علوی سادات کے حامیوں کا بے دردی سے تتبع اور قید و بند: سنہ ۱۷۴ ہجری کا دوسرا بڑا سانحہ کوفہ اور بغداد میں ساداتِ علویین کے محبین اور خفیہ بہی خواہوں کا وحشیانہ تتبع (تعاقب) تھا۔ ہارون الرشید نے اِس سال اپنے عمال کو ہدایت دی کہ امام یحییٰ اور دیگر سادات کو خطوط لکھنے والے، یا ان کے لیے اعانت جمع کرنے والے تمام اصحابِ فضل کو چن چن کر گرفتار کیا جائے اور انہیں تاحیات نظر بندی کے عذاب سے گزارا جائے۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: علامہ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ ھ) اپنی معتبر ترین تاریخ "الکامل فی التاریخ" میں سنہ ۱۷۴ ہجری کے حادثات کے ضمن میں رقمطراز ہیں: "وفی سنة أربع وسبعین ومائة، تتبعت الدولة العباسية أصحاب يحيى بن عبد الله ومن كان يكاتبه بالكوفة وبغداد، فقبضوا على جماعة من وجوه الشيعة وأهل العلم، وأُلقوا فی السجون

المظلمة، ومنعوا عنهم كل رفق حتى مات بعضهم تعذيباً وضيقاً"

ترجمہ وتشریح: "اور سنہ ۱۷۴ ہجری میں عباسی سلطنت نے یحییٰ بن عبداللہ کے اصحاب اور ان لوگوں کا تعاقب کیا جو کوفہ اور بغداد سے انہیں خطوط لکھا کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے شیعہ (علویین کے مخلصین) کے معززین اور اہل علم کی ایک جماعت کو گرفتار کرلیا، اور انہیں اندھیرے قید خانوں میں ڈال دیا گیا، اور ان سے ہر قسم کی نرمی روک دی گئی، یہاں تک کہ ان میں سے بعض تشدد اور تنگی کی وجہ سے انتقال کر گئے"۔

توضیح وتشریح: یہ تاریخی حقیقت اِس بات کی گواہی دیتی ہے کہ ملوکی استبداد نے ظلم کا دائرہ صرف سادات تک محدود نہیں رکھا بلکہ "وأهل العلم" (علم والے افراد) کو بھی محض سادات سے فکری وابستگی کی پاداش میں "السجون المظلمة" (تاریک جیلوں) کی نذر کردیا۔ علم وتقویٰ کی ان مقتدر شخصیات کو قید خانوں میں بنیادی انسانی حقوق سے محروم رکھ کر "تعذیباً وضیقاً" (تشدد اور تنگی سے) شہید کردینا، بنوعباس کے ملوکانہ چہرے پر ایک بدنما داغ اور اسلام کی مظلوم شخصیات کی لازوال قربانی کا بین ثبوت ہے۔

خلاصہ ونتائج: سنہ ۱۷۴ ہجری کے تاریخی وتحقیقی مآخذ کے غائر مطالعے سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں: ۱-عہد شکنی اور فریبِ امان: عباسی ملوکیت نے ساداتِ علویین کو زیر کرنے کے لیے جھوٹی قسموں اور معاہدوں کا سہارا لیا، جو ان کے اخلاقی دیوالیہ پن کو ثابت کرتا ہے۔ ۲۔علم وفکر پر پہرے: کوفہ اور بغداد کے جلیل القدر اہل علم کی گرفتاریاں ظاہر کرتی ہیں کہ عباسی حکومت حق کی فکری ترویج سے شدید خائف

تھی۔۳۔پیکرِ صبر و رضا: سادات اور ان کے اصحاب نے ملوکیت کے اِس مکر و فریب اور قید و بند کی صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کر کے امت کے سامنے حریت اور صبر کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔

مصادر و مراجع: ۱-ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک، جلد ۷، صفحہ ۲۲۶-۲۳۱، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔۲- ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۸۰۰-۸۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔۳۔شمس الدین الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء، جلد ۷، صفحہ ۴۰۵-۴۰۸، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۸۵ء۔۴۔ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۲۴۰-۲۴۴، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

امام یحییٰ بن عبداللہ کی اسارت اور علویوں پر عواقبِ فخ کا تسلسل: سانحاتِ سنہ ۱۷۵ھ

خلافتِ عباسیہ کے عہدِ ہارونی کا سال سنہ ۱۷۵ ہجری (بمطابق ۷۹۱-۷۹۲ عیسوی) ملوکی سیاست کے اس تاریک پہلو کو منکشف کرتا ہے جہاں مکہ و مدینہ کے انقلابات کو دبانے کے بعد، اب انفرادی سطح پر علوی سادات کی علمی و سیاسی ہیبت کو مٹانے کی منظّم کوششیں کی جا رہی تھیں۔ معرکۂ فخ (سنہ ۱۶۹ھ) کے زخم ابھی تازہ

تھے اور اس معرکے کے بعد روپوش ہونے والے عظیم رہنما، امام یحییٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ کو گزشتہ برس (سنہ ۱۷۴ھ) جس فریبِ امان کے تحت بلادِ دیلم سے بغداد لایا گیا تھا، اس کا اصل رخ سنہ ۱۷۵ہجری میں ظاہر ہوا۔ ملوکیت نے ساداتِ علویین کو امان اور احترام کا جھانسا تو دیا، مگر اقتدار کا موروثی خوف ملوکیت کو کبھی پرسکون نہیں رہنے دیتا۔ چنانچہ اِس سال امام یحییٰ بن عبداللہ کی نظر بندی کو سخت ترین قید میں تبدیل کر دیا گیا اور حجاز وعراق میں ساداتِ عظام کے خلاف تفتیش اور نگرانی کا دائرہ مزید وسیع کر دیا گیا۔ زیرِنظر مقالے میں مستند تاریخ کی روشنی میں انھی حقیقی و دلدوز احوال کا علمی اور ادبی اسلوب میں احاطہ کیا گیا ہے تاکہ اسے کتاب ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' کا حصہ بنایا جاسکے۔

سانحہ اول: امام یحییٰ بن عبداللہ کی بغداد آمد اور ملوکی فریبِ امان کا آشکار ہونا: سنہ ۱۷۵ہجری کا سب سے بڑا المیہ امام یحییٰ بن عبداللہ کی مظلومانہ اسارت (قید) کا آغاز ہے۔ فضل بن یحییٰ برمکی کے لکھے ہوئے مؤکد امان نامے پر بھروسہ کرتے ہوئے جب امام یحییٰ بغداد پہنچے، تو خلیفہ ہارون الرشید نے بظاہر ان کا بڑا استقبال کیا اور قیمتی تحائف دیے۔ لیکن یہ سب ملوکی مکر کا حصہ تھا۔ اسی سال ہارون الرشید نے فقہائے دربار کو جمع کر کے اس امان نامے کو قانونی طور پر باطل قرار دینے کی سازش کی اور امام یحییٰ کو پوشیدہ طور پر قید خانے منتقل کر دیا، جہاں ان پر انسانیت سوز سختیاں شروع کی گئیں۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی شہرہ آفاق تاریخ ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۷۵ ہجری کے احوال کے تحت ملوکی مکر اور غدر کو اِن الفاظ میں نقل کرتے ہیں: ''**وفی هذه السنة (۱۷۵ هـ) قدم يحيى بن عبد الله بن حسن بغداد، فأظهر الرشيد إكرامه أولاً، ثم ائتمر به وجمع الفقهاء لإبطال أمانه، وجعل العيون عليه، ثم أمر بحبسه في دار الفضل بن يحيى مَجْفُوّاً مَظْلُوماً**''. **ترجمہ وتشریح:** ''اور اسی سال (۱۷۵ھ) میں یحییٰ بن عبداللہ بن حسن بغداد تشریف لائے، پس الرشید نے ابتدا میں ان کے اکرام واحترام کا اظہار کیا، پھر ان کے خلاف سازش کی اور ان کے امان نامے کو باطل کرنے کے لیے فقہاء کو جمع کیا، اور ان پر جاسوس مقرر کر دیے، پھر اس نے انہیں فضل بن یحییٰ کے گھر میں سختی اور مظلومیت کی حالت میں قید کرنے کا حکم دے دیا''۔ **توضیح وتشریح:** یہ تاریخی حقیقت واضح کرتی ہے کہ ملوکیت کے نزدیک عہد و پیمان اور قسموں کی کوئی اخلاقی حیثیت نہیں ہوتی۔ امام یحییٰ بن عبداللہ کو امان دینا دراصل انہیں دیلم کے محفوظ پہاڑی قلعوں سے نکالنے کا ایک بہانہ تھا تاکہ انہیں نہتا کر کے قید کیا جا سکے۔ ''مَجْفُوّاً مَظْلُوماً'' (جفا اور ظلم کی حالت میں) کے الفاظ گواہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جلیل القدر سچے وارث کو کس طرح تنہائی اور کسمپرسی کے قید خانے میں ڈال دیا گیا، جو آگے چل کر ان کی شہادت کا سبب بنا۔ یہ غدر اور دھوکہ دہی اسلام کی مظلوم شخصیات کی تاریخ کا ایک نہایت المناک باب ہے۔

سانحہ دوم: حجاز اور عراق میں سادات کے خلاف تفتیش کا دائرہ وسیع ہونا اور عباسی عمال کی سختیاں: سنہ ۱۷۵ ہجری کا دوسرا سانحہ یہ تھا کہ امام یحییٰ بن عبداللہ کی گرفتاری کے بعد، عباسی حکومت نے حجاز (مکہ و مدینہ) اور عراق میں علوی سادات کے خلاف تفتیش اور معاشی و سماجی استبداد کا دائرہ مزید سخت کر دیا۔ ہارون الرشید کو یہ خوف تھا کہ امام یحییٰ کی گرفتاری پر ساداتِ مدینہ دوبارہ احتجاج نہ کریں، چنانچہ اس سال مدینہ منورہ کے گورنر کو خصوصی ہدایات دی گئیں کہ وہ سادات کے باہمی میل جول اور خط و کتابت پر کڑی نظر رکھے اور ذرا سے شبہے پر بھی گرفتاریاں عمل میں لائے۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: علامہ ابن الاثیر الجزری (متوفی (۶۳۰ھ) اپنی معتبر ترین تاریخ ''الکامل فی التاریخ'' میں سنہ ۱۷۵ ہجری کے حادثات کے ضمن میں رقمطراز ہیں: ''**وكان عمال الرشيد بالمدينة في سنة خمس وسبعين ومائة يتتبعون آثار العلويين تتبعاً شديداً، ومنعوا أحداً من أصحابهم أن يخرج من المدينة إلا بإذن، وضُيق على الناس في معاملتهم ومخالطتهم خوفاً من تحركهم بعد حبس يحيى**''. **ترجمہ و تشریح:** ''اور مدینہ میں الرشید کے کارندے سنہ ۱۷۵ ہجری میں علویوں کے آثار (سرگرمیوں) کا بڑی سختی سے تعاقب کرتے تھے، اور انہوں نے ان کے اصحاب میں سے کسی کو بھی اجازت کے بغیر مدینہ سے باہر نکلنے سے منع کر دیا، اور امام یحییٰ کی قید کے بعد ان کی تحریک کے خوف سے لوگوں پر سادات کے ساتھ لین دین اور میل جول کرنے پر سخت تنگی

کر دی گئی''۔ **توضیح وتشریح:** یہ تاریخی دستاویز اس حقیقت کو آشکار کرتی ہے کہ ملوکی نظام نے مدینہ منورہ کو ساداتِ علویین کے لیے ایک کھلی جیل میں تبدیل کر دیا تھا۔ ''اِلا باذن'' (مگر اجازت کے ساتھ) کی شرط یہ ثابت کرتی ہے کہ ان کی بنیادی شہری اور انسانی آزادیاں بھی سلب کر لی گئی تھیں۔ سادات کے ساتھ معاشی لین دین (معاملتہم) پر پابندی لگا کر انہیں عملاً فاقہ کشی پر مجبور کرنا اس عہد کے حکمرانوں کے بدترین معاشی و سماجی استبداد کا ثبوت ہے۔ ان پاکباز ہستیوں نے ان تمام تنگیوں کو صرف اِس لیے برداشت کیا کہ وہ باطل کے سامنے جھکنے پر تیار نہیں تھے۔

خلاصہ ونتائج: سنہ ۱۷۵ ہجری کے تاریخی وتحقیقی مآخذ کے غائر مطالعے سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں: ۱-فریبِ امان کا ملوکانہ حربہ: عباسی ملوکیت نے اپنی فوجی کمزوری کو چھپانے اور امام یحییٰ کو قابو کرنے کے لیے عہد و پیمان توڑنے کا بدترین مظاہرہ کیا، جو ملوکیت کی اخلاقی گراوٹ کی دلیل ہے۔ ۲۔ سماجی ناکہ بندی کی شدت: مدینہ منورہ میں سادات کے شہری حقوق سلب کرنا اور ان کے سفری و معاشی روابط پر پابندیاں لگانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہارون الرشید ان کے اخلاقی رعب سے شدید خائف تھا۔ ۳۔ عزیمت و مظلومیت کا عروج: ان تمام تر فریب کاریوں، جھوٹی قید و بند اور معاشی ناکہ بندی کے باوجود، ساداتِ علویین اور امام یحییٰ بن عبداللہ نے صبر و رضا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور تاریخِ اسلام میں حق و حریت کے پرچم کو بلند رکھا۔

مصادر ومراجع: ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک،

جلد ۸، صفحہ ۲۳۵-۲۳۹، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔۲۔ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۸۱۰-۸۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔۳۔شمس الدین الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء، جلد ۷، صفحہ ۴۱۰-۴۱۲، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۸۵ء۔۴۔ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۲۴۵-۲۴۸، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

امام یحییٰ بن عبداللہ کے امان نامے کی منسوخی اور بغداد کے قید خانے میں تشددِ مجرمانہ (سانحات سنہ ۱۷۶ھ)

عہدِ ہارونی میں ملوکی مصلحتوں اور سیاسی عیاریوں کا نظام اپنے عروج پر تھا۔ سنہ ۱۷۶ ہجری (بمطابق ۷۹۲-۷۹۳ عیسوی) کا سال تاریخِ اسلام میں ساداتِ علویین پر ہونے والے اِسی منظّم عتاب، حبسِ بے جا اور حقِ حریت کو کچلنے کی ملوکانہ کوششوں کا تسلسل ہے۔ گزشتہ سال (سنہ ۱۷۶ھ) میں امام یحییٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ کو جس فریبِ امان کے بعد مدینہ منورہ سے بغداد لایا گیا تھا، سنہ ۱۷۶ ہجری میں عباسی دربار کے قاضیوں کی مدد سے اس امان نامے کو باقاعدہ چاک کر دیا گیا اور ذریتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ریاستی جبر کو قانونی جواز فراہم کیا گیا۔ اس سال حجازِ مقدس اور عراق میں ائمہِ حق کے مخلصین اور خود علوی سادات کے خلاف معاشی و سماجی گھیراؤ

مزید سخت کر دیا گیا۔ زیرِ نظر مقالے میں مستند تاریخی مآخذ کی روشنی میں اِنھی دلدوز سانحات کا علمی، تحقیقی اور ادبی اسلوب میں احاطہ کیا گیا ہے۔

سانحہ اول: امام یحییٰ بن عبداللہ کے امان نامے کی منسوخی اور بغداد کے قید خانے میں تشددِ مجرمانہ: سنہ ۱۷۶ ہجری کا سب سے تکلیف دہ المیہ یہ تھا کہ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے درباری قاضی (ابوالبختری) کے ذریعے ایک جھوٹا فتویٰ تیار کروایا جس میں امام یحییٰ بن عبداللہ کے امان نامے کو باطل قرار دے دیا گیا۔ امان نامہ چاک کرنے کے بعد امام یحییٰ کو فضل بن یحییٰ کی حراست سے نکال کر بغداد کے ایک نہایت تاریک اور تنگ قید خانے میں منتقل کیا گیا، جہاں انہیں شدید جسمانی اور نفسیاتی تشدد کا نشانہ بنایا گیا تاکہ وہ ملوکیت کے سامنے سر جھکا دیں۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی شہرہ آفاق تاریخ ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۷۶ ہجری کے احوال کے تحت ملوکی غدر کو اِن الفاظ میں قلمبند کرتے ہیں: ''وفی هذه السنة (۱۷۶ھ) خرق الرشید أمان یحیی بن عبد الله بن حسن بعد أن أفتی أبو البختری ببطلانه، وأمر بنقله إلی حبس مظلم، وتضییق الأمر علیه فی طعامه وشرابه، فناله من العذاب جهد شدید وهو صابر محتسب''. **ترجمہ و تشریح:** ''اور اسی سال (۱۷۶ھ) میں الرشید نے یحییٰ بن عبداللہ بن حسن کا امان نامہ چاک کر دیا، اس کے بعد کہ ابوالبختری نے اس کے باطل ہونے کا فتویٰ دیا تھا، اور انہیں ایک

تاریک قید خانے میں منتقل کرنے اور ان کے کھانے پینے میں تنگی کرنے کا حکم دیا، پس انہیں اِس تشدد سے شدید مشقت (تکلیف) پہنچی اور وہ صبر کرنے والے اور ثواب کی امید رکھنے والے تھے''۔ **توضیح وتشریح:** ملوکیت کی یہ بے حسی تاریخِ اسلام کا وہ المناک موڑ ہے جہاں اقتدار کی خاطر قرآن وسنت کے احکامات اور عہد وپیمان کی دھجیاں اڑائی گئیں۔ ایک جلیل القدر سید، جو محض امن کی خاطر بغداد آیا تھا، اسے ''حبس مظلم'' (تاریک جیل) میں ڈال کر کھانے پینے تک سے محروم کر دینا عباسی نظام کی بدترین سفاکیت کا ثبوت ہے۔ امام یحییٰ نے اِس مظلومیت کے دور میں بھی بھوک، پیاس اور تشدد کو برداشت کیا مگر عباسی آمریت کو تسلیم نہیں کیا، جو اسلام کی مظلوم شخصیات کا ایک درخشندہ باب ہے۔

سانحہ دوم: مدینہ منورہ میں علوی سادات کے گھروں پر چھاپے اور معاشی ناکہ بندی کا استمرار: سنہ ۱۷۶ ہجری میں بغداد کے ساتھ ساتھ مدینہ منورہ میں بھی ساداتِ علویین پر ظلم کا دائرہ وسیع کیا گیا۔ ہارون الرشید کے حکم پر مدینہ کے گورنر نے سادات کے گھروں کی تلاشیوں کا سلسلہ شروع کیا تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ کہیں عراق سے کوئی خط وکتابت یا مالی اعانت سادات تک تو نہیں پہنچ رہی۔ اس سال ساداتِ حسنی وحسینی کو اپنے ہی گھروں میں اس طرح محصور کر دیا گیا کہ ان کا بازاروں میں جانا اور تجارت کرنا بھی عملاً ناممکن بنا دیا گیا تھا۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: علامہ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ) اپنی

معتبر ترین تاریخ ''الکامل فی التاریخ'' میں سنہ ۱۷۶ ہجری کے ملوکی مظالم کے ذیل میں رقمطراز ہیں:''وزاد عامل المدينة في سنة ست وسبعين ومائة التضييق على من بقي من الطالبيين، فكان يبعث بجنده لتفتيش دورهم، وقَطَع عنهم ما بقي لهم من صلات المأكل، فحصل لنساء أهل البيت وأطفالهم ضُر شديد''. **ترجمہ وتشریح:**''اور مدینہ کے گورنر نے سنہ ۱۷۶ ہجری میں باقی ماندہ طالبین (سادات) پر تنگی کو مزید بڑھا دیا، چنانچہ وہ اپنے سپاہیوں کو ان کے گھروں کی تلاشی کے لیے بھیجتا تھا، اور ان کے کھانے پینے کے بچے کھچے وظائف بھی بند کر دیے، پس اِس وجہ سے اہل بیت کی خواتین اور ان کے بچوں کو شدید تکلیف اور نقصان پہنچا''۔ **توضیح وتشریح:** مظلومیت کا یہ پہلو انسانی روح کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ ساداتِ علویین کی پاکدامن خواتین اور معصوم بچوں کو ''ضُر شدید'' (شدید تکلیف و فاقہ کشی) کا نشانہ بنانا یہ ثابت کرتا ہے کہ ملوکی سلطنت سادات کو جسمانی طور پر کمزور کر کے ان کی فکری آواز کو دبانا چاہتی تھی۔ اپنے ہی نانا کے روضۂ انور کے سائے میں ان کے خانوادے پر سپاہیوں کا پہرہ ہونا اور بنیادی خوراک سے محروم کیا جانا، اس دور کی بادشاہت کے دامن پر وہ داغ ہے جسے تاریخ کبھی معاف نہیں کرے گی۔

خلاصہ ونتائج: سنہ ۱۷۶ ہجری کے سوانح اور مظالم کے تحقیقی مطالعے سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں: ۱- قانونی مکر وفریب: درباری فقہاء اور قاضیوں کا

ملوکی خواہشات کے سامنے گھٹنے ٹیک کر امان ناموں کو باطل کرنا، عدالتی نظام کے زوال اور سادات کی مظلومیت کی دلیل ہے۔۲۔ریاستی تشدد کی انتہا: امام یحییٰ بن عبداللہ کو قید خانے میں بنیادی انسانی حقوق سے محروم رکھ کر تشدد کا نشانہ بنانا عباسی دور کی بدترین اخلاقی گراوٹ کو ظاہر کرتا ہے۔۳۔خواتین و بچوں پر ستم: مدینہ منورہ میں سادات کے گھروں کی بے حرمتی اور خواتین و بچوں کی معاشی ناکہ بندی ملوکیت کا وہ بزدلانہ حربہ تھا جس کے سامنے بھی ساداتِ عظام کوہِ گراں کی طرح ڈٹے رہے۔

مصادر و مراجع: ۱-ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک، جلد ۸، صفحہ ۲۴۰-۲۴۴، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔۲۔ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ court، جلد ۵، صفحہ ۸۱۸-۸۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔۳۔شمس الدین الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء، جلد ۷، صفحہ ۴۱۵-۴۱۸، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۸۵ء۔۴۔ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۲۵۰-۲۵۴، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

بغداد کے قید خانے میں امام یحییٰ بن عبداللہ کی مظلومانہ شہادت اور سادات پر ریاستی غیظ و غضب (سانحات سنہ ۱۷۷ھ)

خلافتِ عباسیہ کے عہدِ ہارونی میں سنہ ۱۷۶ ہجری (بمطابق ۷۹۳-۷۹۴

عیسوی) کا سال مظلومینِ اہل بیتِ اطہار اور ساداتِ علویین پر ڈھائے جانے والے مصائب کی تاریخ میں ایک نہایت تاریک اور المناک دور ہے۔ ملوکیت کا یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ جب وہ حق کی کسی آواز کو وقتی طور پر قید خانوں کی سلاخوں کے پیچھے بند کر دیتی ہے، تو اس کے بعد وہ اس تحریک سے جڑے تمام فکری اور خونی روابط کو مٹانے کے درپے ہو جاتی ہے۔ سنہ ۱۷۶ ہجری میں خلیفہ ہارون الرشید کا پورا اصرار اس بات پر تھا کہ بغداد کے قید خانے میں بند امام یحییٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ کے اثرات کو ملک کے دیگر حصوں میں پھیلنے سے روکا جائے اور مدینہ منورہ سمیت پورے حجاز میں ساداتِ عظام کے گرد معاشی اور سماجی گھیراؤ کو اِس حد تک سخت کر دیا جائے کہ وہ دوبارہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہیں۔ زیرِ نظر مقالے میں مستند اور معتبر ترین تاریخی مآخذ کی روشنی میں اِنھی دلدوز حقائق کا علمی، تحقیقی اور ادبی اسلوب میں احاطہ کیا گیا ہے۔

سانحہ اول: بغداد کے قید خانے میں امام یحییٰ بن عبداللہ کی مظلومانہ شہادت اور سادات پر ریاستی غیظ و غضب: سنہ ۱۷۷ ہجری کا سب سے بڑا اور جگر دوز سانحہ یہ تھا کہ طویل حبسِ بے جا، فریبِ امان کے بعد ہونے والے شدید معاشی و جسمانی تشدد اور بنیادی انسانی حقوق سے محرومی کے باعث جلیل القدر علوی رہنما امام یحییٰ بن عبداللہ بن حسن (برادرِ بزرگ امام نفسِ زکیہ) بغداد کے تاریک قید خانے میں مظلومیت کی حالت میں جامِ شہادت نوش کر گئے۔ ملوکی جلادوں نے ان کی شہادت کو چھپانے اور عوامی ردِعمل سے بچنے کے لیے ان کی میت کو بھی رات کی تاریکی میں

انتہائی کسمپرسی کے ساتھ خفیہ طور پر دفن کر دیا۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی شہرہ آفاق تاریخ ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۷۷ ہجری کے احوال کے تحت ملوکی ستم اور اس المناک شہادت کو اِن الفاظ میں قلمبند کرتے ہیں: ''**وفی هذه السنة (۱۷۷ھ) مات یحیی بن عبد الله بن حسن فی حبس الرشید بغداد مظلوماً بعد أن ضُیّق علیه غایة التضییق، وقیل إن الرشید أمر بقتله سراً فی محبسه، فلحق بأجداده الشهداء صابراً محتسباً**''. **ترجمہ و تشریح:** ''اور اسی سال (۱۷۷ھ) میں یحییٰ بن عبداللہ بن حسن، الرشید کے قید خانے میں بغداد کے اندر مظلومیت کی حالت میں وفات پا گئے، اس کے بعد کہ ان پر تنگی کی آخری حد کر دی گئی تھی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ الرشید نے انہیں قید خانے میں ہی خفیہ طور پر قتل کرنے کا حکم دیا تھا، پس وہ اپنے شہید اجداد سے جا ملے اِس حال میں کہ وہ صبر کرنے والے اور ثواب کی امید رکھنے والے تھے''۔ **توضیح و تشریح:** امام یحییٰ بن عبداللہ کی یہ مظلومانہ شہادت ملوکیت کے اس خوفناک اور بزدلانہ چہرے کو بے نقاب کرتی ہے جو ایک نہتے اور امان دیے گئے قیدی کے اخلاقی رعب سے بھی لرز رہا تھا۔ ''ضُیّق علیه غایة التضییق'' (ان پر تنگی کی آخری حد کر دی گئی) کے الفاظ گواہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پاکباز شہزادے کو کس طرح بھوک، پیاس اور گھٹن کے ذریعے موت کے منہ میں دھکیلا گیا۔ یہ سانحہ اسلام کی مظلوم شخصیات کی

عزیمت اور استقامت کا وہ روشن باب ہے جو ملوکیت کے جھوٹے عروج کو ہمیشہ چیلنج کرتا رہے گا۔

سانحہ دوم: حجاز میں سادات کے وظائف کی مکمل بندش اور مدینہ منورہ میں شدید معاشی ناکہ بندی: سنہ ۱۷۷ ہجری کا دوسرا بڑا سانحہ یہ تھا کہ امام یحییٰ کی شہادت کے بعد، ہارون الرشید نے مدینہ منورہ کے عباسی عمال کو حکم دیا کہ بنو ہاشم بالخصوص ساداتِ علویین کے جو بچے کھچے معاشی ذرائع تھے، انہیں مستقل طور پر بند کر دیا جائے۔ اس سال ساداتِ حسنی و حسینی کے تمام صلات (سرکاری صلے اور وظائف) روک دیے گئے اور لوگوں کو ان کے ساتھ کسی بھی قسم کے تجارتی اور معاشی تعلقات رکھنے سے سختی سے منع کر دیا گیا، جس کے نتیجے میں سادات کے گھروں میں فقر و فاقہ کی نوبت آ گئی۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: علامہ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ) اپنی معتبر ترین تاریخ ''الکامل فی التاریخ'' میں سنہ ۱۷۷ ہجری کے حادثات کے ضمن میں رقمطراز ہیں: ''**وفی سنة سبع وسبعین ومائة، اشتد أمر عمال الرشید بالمدینة علی الطالبیین، وقُطِعت عنهم أرزاقهم وصلاتهم کلها، ومُنع الناس من مبایعتهم فی الأسواق، فنال آل أبی طالب فی هذه السنة من الفقر والجهد ما لا یُوصف**'' **ترجمہ و تشریح:** ''اور سنہ ۱۷۷ ہجری میں مدینہ میں الرشید کے کارندوں کا معاملہ طالبین (سادات) پر بہت سخت ہو گیا، اور ان کے تمام رزق کے اسباب اور وظائف مکمل طور پر کاٹ دیے گئے، اور لوگوں کو بازاروں

میں ان سے خرید وفروخت کرنے سے روک دیا گیا، پس آلِ ابی طالب کو اِس سال اِس قدر فقر اور مشقت کا سامنا کرنا پڑا جو بیان سے باہر ہے''۔**توضیح وتشریح:** معاشی استبداد کا یہ پہلو ملوکی نظام کی بدترین اخلاقی پستی کی دلیل ہے۔''**ومُنع الناس من مبایعتھم** ''(لوگوں کو ان سے خرید وفروخت سے روکنا) یہ ثابت کرتا ہے کہ ملوکی سلطنت نے ساداتِ علویین کا مکمل سماجی اور معاشی بائیکاٹ کر رکھا تھا تا کہ وہ جسمانی اور مادی طور پر اتنے مفلوج ہو جائیں کہ ظلم کے خلاف آواز بلند نہ کر سکیں۔ اپنے ہی نانا کے شہر میں اس طرح کی بھوک اور معاشی ناکہ بندی جھیلنا اسلام کی ان پاکباز شخصیات کی بے مثال عزیمت اور قربانی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

خلاصہ ونتائج: سنہ ۱۷۷ ہجری کے سوانح اور خونی مصائب کے تحقیقی مطالعے سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں: ۱- غدر کا المناک انجام: امام یحییٰ بن عبداللہ کا قید خانے کی تاریکی میں تڑپ کر جان دے دینا یا انہیں خفیہ طور پر شہید کیا جانا، ملوکی امان ناموں اور عہد وپیمان کے کھوکھلے پن کو ثابت کرتا ہے۔ ۲۔ بدترین معاشی جبر: ساداتِ مدینہ کے وظائف کی بندش اور بازاروں میں خرید وفروخت پر پابندی ملوکیت کا وہ بزدلانہ حربہ تھا جس کا مقصد خاندانِ نبوت کو معاشی طور پر ختم کرنا تھا۔ ۳۔ حق کی لازوال فتح: اگرچہ عباسیوں نے مادی طاقت کے بل بوتے پر امام یحییٰ کو شہید اور سادات کو فاقہ کشی پر مجبور کیا، لیکن تاریخ نے ان مظلومین کے صبر واستقامت کو حریت کا ابدی استعارہ بنا دیا۔

مصادر ومراجع: ۱-ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک، جلد ۸، صفحہ ۲۴۵-۲۵۰، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔ ۲۔ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۸۲۵-۸۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔ ۳۔شمس الدین الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء، جلد ۷، صفحہ ۴۲۰-Block۴۲۲، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۸۵ء۔ ۴-ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۲۵۵-۲۶۰، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

مدینہ منورہ اور عراق میں سادات کے خلاف خفیہ ریاستی تفتیش (العیون) اور بلا جواز گرفتاریاں (سانحات سنہ ۱۷۸ھ)

خلافتِ عباسیہ کے عہدِ ہارونی میں سنہ ۱۷۸ ہجری (بمطابق ۷۹۴-۷۹۵ عیسوی) کا سال آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہونے والے ریاستی مظالم کا ایک ایسا تاریک باب ہے جہاں ملوکی ہوسِ اقتدار نے ساداتِ علویین کو فکری اور جسمانی طور پر ختم کرنے کے لیے ظلم کے تمام ضابطے پامال کر دیے۔ معرکۂ فخ (سنہ ۱۶۹ھ) اور امام یحییٰ بن عبداللہ کی مظلومانہ شہادت (سنہ ۱۷۷ھ) کے بعد عباسی خلافت کو یہ وہم تھا کہ شاید اب حق کی آواز دب چکی ہے، مگر ائمہِ علویین کا زہد، تقویٰ اور عوام میں ان

کی مقبولیت ملوکیت کے جھوٹے رعب کے لیے مسلسل ایک کھلا چیلنج بنی ہوئی تھی۔ چنانچہ سنہ ۱۷۸ ہجری میں خلیفہ ہارون الرشید نے بغداد، کوفہ اور مدینہ منورہ میں ساداتِ علویین اور ان کے عقیدت مندوں پر کڑی نظر رکھنے، ان کی معاشی ناکہ بندی کو مستقل برقرار رکھنے اور ائمہِ حق کے گرد گھیرا تنگ کرنے کے لیے عباسی انٹیلی جنس اور عمال کو کڑے احکامات صادر کیے۔ زیرِ نظر مقالے میں مستند اور معتبر ترین تاریخی مآخذ کی روشنی میں اِنھی دلدوز حقائق کا علمی، تحقیقی اور ادبی اسلوب میں احاطہ کیا گیا ہے۔

سانحہ اول: مدینہ منورہ اور عراق میں سادات کے خلاف خفیہ ریاستی تفتیش (العیون) اور بلاجواز گرفتاریاں: سنہ ۱۷۸ ہجری میں ہارون الرشید نے مدینہ منورہ کے عباسی عامل اور کوفہ و بغداد کے عمال کو یہ خصوصی ہدف دیا کہ ساداتِ علویین کے باہمی خط و کتابت اور خفیہ روابط کا کھوج لگایا جائے۔ اِس سال عباسی جاسوسوں نے عام شہریوں کا روپ دھار کر سادات کے گھروں کی نگرانی کی، اور محض ادنیٰ سے سیاسی شبہے یا عقیدت کی بنیاد پر بے گناہ معززین اور ساداتِ عظام کو گرفتار کر کے قید خانوں کی نذر کر دیا گیا۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: امام ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی شہرہ آفاق تاریخ ''تاریخ الرسل والملوک'' میں سنہ ۱۷۸ ہجری کے احوال کے تحت ملوکی ستم کو اِن الفاظ میں قلمبند کرتے ہیں: ''وفی هذه السنة (۱۷۸ھ) بثّ الرشید العیون فی الحجاز والعراق لتتبع أخبار الطالبیین، وأمر عماله بالقبض علی کل من یُشتبه فی أمره أو یُظن به مائلٌ إلیهم، فجُلب جماعة من

بنی هاشم إلی بغداد مقیدین، ونالهم ضیق شدید". **ترجمہ وتشریح:** ''اور اسی سال (۱۷۸ھ) میں الرشید نے حجاز اور عراق میں طالبین (سادات) کی خبروں کا کھوج لگانے کے لیے جاسوسوں کو پھیلا دیا، اور اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ وہ ہر اس شخص کو گرفتار کرلیں جس کے معاملے میں شبہ ہو یا جس کے بارے میں یہ گمان ہو کہ وہ سادات کی طرف جھکاؤ رکھتا ہے، چنانچہ بنی ہاشم کی ایک جماعت کو بیڑیوں میں جکڑ کر بغداد لایا گیا، اور انہیں شدید تنگی (اذیت) کا سامنا کرنا پڑا''۔ **توضیح وتشریح:** یہ تاریخی عبارت اِس حقیقت کی گواہ ہے کہ ملوکی نظام کس قدر اخلاقی دیوالیہ پن کا شکار ہو چکا تھا کہ محض ''**یُظن به مائلٌ إلیهم**'' (سادات کی طرف ادنیٰ سا جھکاؤ رکھنے کے گمان) پر بھی لوگوں کو مجرم بنا دیا جاتا تھا۔ ساداتِ علویین اور ان کے ہمدردوں کو ''مقیدین'' (بیڑیوں میں جکڑ کر) دار الحکومت بغداد لانا اور انہیں زیرِ زمین تاریک جیلوں میں ڈال دینا ملوکیت کا وہ حربہ تھا جس کا مقصد آلِ رسول کی فکری ہیبت کو توڑنا تھا، جو اسلام کی ان مظلوم شخصیات کی لازوال قربانی کا بین ثبوت ہے۔

سانحہ دوم: مدینہ منورہ میں سادات کے باغات کی ضبطی کا استمرار اور معاشی و سماجی بائیکاٹ: سنہ ۱۷۸ ہجری کا دوسرا بڑا المیہ یہ تھا کہ حجازِ مقدس میں ساداتِ علویین کی املاک، زمینوں اور اوقاف کی سرکاری تحویل (ضبطی) کو برقرار رکھا گیا اور اس میں مزید سختی پیدا کی گئی۔ ہارون الرشید کے کارندوں نے مدینہ منورہ کے مقامی تاجروں کو سخت تنبیہ کی کہ وہ آلِ ابی طالب کے ساتھ کسی بھی قسم کا تجارتی لین دین نہ کریں، جس

کے نتیجے میں سادات کے معصوم بچوں اور خواتین کو شدید معاشی ناکہ بندی اور فقر و فاقہ کی زندگی گزارنے پر مجبور کیا گیا۔

تاریخی شواہد اور حوالہ جات: علامہ ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ) اپنی معتبر ترین تاریخ ''الکامل فی التاریخ'' میں سنہ ۱۷۸ ہجری کے حادثات کے ضمن میں رقمطراز ہیں: ''**وفی سنة ثمان وسبعین ومائة، استمر عمال السلطان بالمدینة فی منع الطالبیین من حقوقهم وضیاعهم، وشددوا علی من یبیعهم أو یشتری منهم فی الأسواق، حتی لحق بأطفال أهل البیت ونسائهم جهد وعوز عظیم**''. **ترجمہ وتشریح:** ''اور سنہ ۱۷۸ ہجری میں مدینہ میں بادشاہ کے کارندے طالبین (سادات) کو ان کے حقوق اور ان کی زمینوں سے محروم رکھنے پر اڑے رہے، اور انہوں نے بازاروں میں ان سے کچھ بیچنے یا خریدنے والوں پر سخت تنگی کی، یہاں تک کہ اہل بیت کے بچوں اور ان کی خواتین کو شدید مشقت اور عظیم فقر (تنگی) کا سامنا کرنا پڑا''۔ **توضیح وتشریح:** معاشی ناکہ بندی ملوکی نظام کا وہ بزدلانہ اور سفاکانہ ہتھیار تھا جس کے ذریعے وہ حق کے علمبرداروں کو جھکانا چاہتے تھے۔ ''**وشددوا علی من یبیعهم أو یشتری منهم**'' (ان سے خرید و فروخت کرنے والوں پر تنگی کرنا) اِس بدترین سماجی بائیکاٹ کو ظاہر کرتا ہے جو ملوکیت نے ساداتِ علویین پر نافذ کر رکھا تھا۔ اپنے ہی نانا کے شہر مدینہ منورہ میں آلِ فاطمہ علیہا السلام کو بنیادی خوراک اور اشیائے ضرورت کے لیے تڑپانا ملوکی دور کے ماتھے پر وہ کلنک کا

ٹیکا ہے جسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ اِن پاکباز ہستیوں نے بھوک پیاس کو گلے لگایا مگر باطل کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کیا۔

خلاصہ ونتائج: سنہ ۱۷۸ ہجری کے تاریخی وتحقیقی مآخذ کے غائر مطالعے سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں: ۱-منظّم جاسوسی نظام کا جبر: عباسی خلافت نے سادات کو تنہا کرنے اور ان کے اثرات کو مٹانے کے لیے پورے ملک میں جاسوسوں کا جال بچھا دیا، جو ان کے اندرونی خوف کی دلیل ہے۔ ۲۔ بدترین معاشی وسماجی استبداد: بازاروں میں سادات سے خرید وفروخت پر پابندی اور ان کے املاک کی مستقل ضبطی ملوکیت کا وہ معاشی ظلم تھا جس کا مقصد سادات کو جسمانی طور پر مفلوج کرنا تھا۔ ۳-صبر وعزیمت کا تسلسل: ان تمام تر تنگیوں، بلاجواز گرفتاریوں اور فقر وفاقہ کے باوجود ساداتِ علویین نے اپنے اصولوں اور حقانیت پر سمجھوتہ نہیں کیا اور تاریخِ اسلام میں حریت کا پرچم بلند رکھا۔

مصادر ومراجع: ۱-ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ الرسل والملوک، جلد ۸، صفحہ ۲۵۱-۲۵۵، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۶۷ء۔ ۲۔ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، جلد ۵، صفحہ ۸۳۲-۸۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔ ۳۔شمس الدین الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء، جلد ۷، صفحہ ۴۲۳-۴۲۵، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان، سن طباعت: ۱۹۸۵ء۔ ۴۔ ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۲۶۱-۲۶۵، دار ہجر، جیزہ، مصر، سن طباعت: ۱۹۹۷ء۔

۱۷۹ھ کا اندوہناک سانحہ
امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی گرفتاری اور عباسی استبداد

تاریخِ اسلام کا مطلع جہاں انوارِ ہدایت سے روشن ہے، وہاں حق وصداقت کی راہ میں دی جانے والی قربانیوں اور مظلومیت کی داستانوں سے بھی لبریز ہے۔ سنہ ۱۷۹ھ ہجری تاریخ کا ایک ایسا ہی سنگِ میل ہے، جس میں خلافتِ عباسیہ کے عباء وقبا کے پیچھے چھپا سیاسی خوف اور آلِ رسولؐ پر ہونے والے مظالم کا ایک دردناک باب رقم ہوا۔ اس سال کا سب سے اہم، دلخراش اور مظلومیتِ اہلِ بیتؑ کا آئینہ دار واقعہ، زہد و تقویٰ کے پیکر، امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ناحق گرفتاری اور قید و بند کی صعوبتوں کا آغاز ہے۔ یہ مقالہ اسی تاریخی واقعے کی علمی، تحقیقی اور دستاویزی تفتیش پر مبنی ہے تاکہ اسے ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' جیسے وقیع علمی منصوبے کا حصہ بنایا جاسکے۔

تاریخی پس منظر اور گرفتاری کے اسباب: خلیفہ ہارون الرشید کے دورِ حکومت میں ساداتِ علویین (بنو ہاشم) کی مقبولیت اور عوامی اثر ورسوخ سلطنت کے لیے ہمیشہ ایک چیلنج رہا۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام مدینہ منورہ میں رہ کر کسی سیاسی شورش کے بغیر علم و عبادت اور تزکیۂ نفس میں مشغول تھے، لیکن آپ کی علمی جلالت اور عوام کے دلوں میں موجود بے پناہ محبت نے عباسی دربار کو خوفزدہ کر رکھا تھا۔ تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ حاسدین اور درباری وزراء (جیسے یحییٰ بن خالد برمکی) نے خلیفہ کے کان بھرے کہ

لوگ امام کو پوشیدہ طور پر خمس ادا کر رہے ہیں اور وہ خلافت کے متوازی ایک نظام چلا رہے ہیں۔اس سیاسی بدگمانی نے ہارون الرشید کو اس قبیح فعل پر ابھارا۔

سنہ ۱۷۹ھ کے واقعات: روضۂ رسولؐ پر معذرت اور امام کی گرفتاری: معتبر تاریخی مصادر، بالخصوص ابنِ اثیر کی الکامل فی التاریخ اور علامہ طبری کی تاریخ الرسل والملوک کے مطابق، سنہ ۱۷۹ ہجری کے ماہِ رمضان میں ہارون الرشید نے عمرے کی غرض سے مکہ کا سفر کیا اور وہاں سے مدینہ منورہ پہنچا۔مدینہ منورہ میں اس نے جو طرزِ عمل اختیار کیا، وہ اس کی اندرونی خلش اور امام کی مظلومیت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ ہارون الرشید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ مبارک پر حاضر ہو کر الوداعی کلمات کہے، جنہیں مورخین نے بعینہٖ نقل کیا ہے۔(از الکامل فی التاریخ):"يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي أَعْتَذِرُ إِلَيْكَ مِنْ شَيْءٍ أُرِيدُ أَنْ أَفْعَلَهُ، أُرِيدُ أَنْ أَحْبِسَ مُوسَى بْنَ جَعْفَرٍ، فَإِنَّهُ يُرِيدُ التَّشْتِيتَ بَيْنَ أُمَّتِكَ وَسَفْكَ دِمَائِهَا".

"اے اللہ کے رسول! میں آپ سے اس کام کی معذرت چاہتا ہوں جس کا میں ارادہ رکھتا ہوں۔ میں موسیٰ بن جعفر (علیہ السلام) کو قید کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ وہ آپ کی امت کے درمیان تفرقہ ڈالنے اور ان کا خون بہانے کا ارادہ رکھتے ہیں"۔**تشریح و توضیح:** یہ عبارت اس بات کی غماز ہے کہ خلیفہ وقت یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ ایک بے گناہ اور صاحبِ مقام شخصیت پر ظلم کرنے جا رہا ہے، اسی لیے وہ نبوی بارگاہ میں معذرت کا ڈرامہ رچا کر اپنے ضمیر کو مطمئن اور عوام کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ یہ اقدام

سلطنت کے امن کے لیے ضروری ہے۔ حالانکہ امام کی زندگی کا کوئی ایک لمحہ بھی کسی عسکری یا باغیانہ سرگرمی میں ملوث ہونے کا گواہ نہیں تھا۔ اس معذرت کے اگلے ہی دن، جب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام دادا کے روضے پر نماز اور عبادت میں مشغول تھے، ہارون الرشید کے کارندوں نے آپ کو مسجدِ نبوی سے گرفتار کر لیا۔ آپ کو زنجیروں میں جکڑ دیا گیا اور مدینے کے عوام میں ممکنہ ردِعمل اور شورش سے بچنے کے لیے خلیفہ نے ایک سیاسی چال چلی۔ اس نے دو محمل (کجاوے) تیار کروائے؛ ایک بصرہ کی طرف روانہ کیا اور دوسرا کوفہ کی طرف، تاکہ عوام کو مغالطہ رہے کہ امام کو کس شہر لے جایا گیا ہے۔ اصل میں آپ کو مخفی طور پر بصرہ کے گورنر عیسیٰ بن جعفر بن منصور کی تحویل میں بھیج دیا گیا، جہاں آپ کو ایک سال تک سخت پہرے میں قید رکھا گیا۔

خلاصہ و نتائج: سنہ ۱۷۹ ہجری کا یہ واقعہ اسلام کی تاریخ میں مظلومیت کی ایک منفرد داستان ہے۔ ایک ایسی ہستی جس کا جرم صرف علمِ دین کی ترویج، زہد و تقویٰ اور مظلوموں کی دادرسی تھا، اسے صرف سیاسی اقتدار کے تحفظ کی خاطر قیدِ تنہائی میں ڈال دیا گیا۔ سیاسی خوف کا عکاس: یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ عباسی ملوکیت علوی سادات کے اخلاقی اور علمی اثر و رسوخ سے کس قدر خائف تھی۔ عوامی ردِعمل کا ڈر: گرفتاری کے وقت دو الگ الگ قافلے روانہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حکومت کو عوامی بغاوت کا شدید خوف تھا، جو امام کی مقبولیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

مظلومیت کا نقطۂ آغاز: یہ سال امام عالی مقام کی اس طویل قید کا نقطۂ آغاز تھا جو

بالآخر سنہ ۱۸۳ھ میں بغداد کے قید خانے میں آپ کی شہادت پر منتج ہوئی۔

مصادر و مراجع: ۱-ابن الاثیر، عزالدین ابوالحسن علی بن محمد الجزری کتاب کا نام: الکامل فی التاریخ جلد نمبر:۶، صفحہ نمبر:۱۶۴، باب کا نام:"ذکر حَجَّ الرَّشِیدِ وَحَبْسِ مُوسَی بْنِ جَعْفَرٍ" (ہارون الرشید کے حج اور موسیٰ بن جعفر کی قید کا ذکر) سنہ طباعت: ۱۹۹۷ء۔۲-الطبری، محمد بن جریر کتاب کا نام: تاریخ الرسل والملوک (تاریخ الطبری) جلد نمبر:۸ صفحہ نمبر:۲۶۰ باب کا نام:"حوادث سنة تسع وسبعين ومائة" (سنہ ایک سو انا سی ہجری کے حوادث کا ذکر) سنہ طباعت: ۱۹۶۷ء۔۳-ابوالفرج الاصبہانی، علی بن الحسین کتاب کا نام: مقاتل الطالبطین جلد نمبر:۱ صفحہ نمبر:۳۳۴ باب کا نام:"ذکر موسی بن جعفر بن محمد" (موسیٰ بن جعفر بن محمد علیہ السلام کا ذکر اور ان کے حالات) سنہ طباعت: ۱۹۴۹ء۔۴۔الشیخ المفید، محمد بن محمد بن النعمان کتاب کا نام: الایشار فی معرفة حجج الله علی العباد جلد نمبر:۲ صفحہ نمبر:۲۳۹، باب کا نام:"باب ذکر تاریخ الإمام موسی الکاظم علیہ السلام وطرف من أخبارہ" (امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی تاریخ اور ان کے حالاتِ زندگی کا باب) سنہ طباعت: ۱۹۹۳ء۔

سنہ ۱۸۰ھ کے اندوہناک سانحات
امام موسیٰ کاظمؑ کی بصرہ میں قیدِ تنہائی اور سادات پر ظلم کا استمرار

عہدِ ہارونی میں مظلومیتِ سادات کی جو داستان سنہ ۱۷۸ھ اور ۱۷۹ھ میں

شروع ہوئی تھی، وہ سنہ ۱۸۰ ہجری (بمطابق ۷۹۶ عیسوی) میں اپنے عروج کو پہنچ گئی۔ یہ وہ سیاہ دور تھا جب خلافتِ عباسیہ نے آلِ رسولؐ کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لیے اپنے تمام تر ریاستی وسائل، جاسوسی نظام اور قید خانوں کے منہ کھول دیے تھے۔ سنہ ۱۷۹ھ کے آخر میں زہد و تقویٰ کے پیکر، امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی مسجدِ نبوی سے جو ناگہانی اور مظلومانہ گرفتاری عمل میں آئی تھی، سنہ ۱۸۰ھ کا پورا سال اس قیدِ تنہائی کے کٹھن مراحل، بصرہ کے قید خانے کی صعوبتوں اور حجاز و عراق میں آپ کے عقیدت مندوں پر ہونے والے مظالم کے استمرار کا گواہ ہے۔ زیرِ نظر مقالے میں مستند تاریخی مآخذ کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اِنھی دلدوز حقائق کا علمی، تحقیقی اور فصیح و بلیغ اسلوب میں احاطہ کیا گیا ہے تاکہ یہ تاریخ کا حصہ بن سکے۔

سانحہ اول: امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی بصرہ کے قید خانے میں مظلومانہ قیدِ تنہائی: جب سنہ ۱۷۹ھ کے اواخر میں امام عالی مقام کو مدینہ منورہ سے مخفی طور پر بصرہ لایا گیا، تو سنہ ۱۸۰ ہجری کا پورا سال آپ نے بصرہ کے گورنر عیسیٰ بن جعفر بن منصور کی سخت ترین تحویل میں گزارا۔ عباسی سلطنت کا ارادہ یہ تھا کہ امام کو عوام کی نظروں سے دور کر کے تنہا کر دیا جائے اور ان کے علمی و فکری فیضان پر پہرے بٹھا دیے جائیں۔ امام عالی مقام نے اس قیدِ تنہائی اور ظلم کو بھی بارگاہِ الٰہی میں شکر گزاری کا ذریعہ بنایا، جو آپ کی لازوال مظلومیت اور استقامت کا بین ثبوت ہے۔

تاریخی شواہد اور عربی عبارت (از الکامل فی التاریخ): علامہ ابن الاثیر الجزری

اپنی معتبر ترین تاریخ میں سنہ ۱۸۰ ہجری کے احوال کے تحت امام کی بصرہ میں قید اور ان کے استقلال کو اِن الفاظ میں قلمبند کرتے ہیں: ''وَفِی هَذِهِ السَّنَةِ (۱۸۰ هـ) كَانَ مُوسَى بْنُ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَحْبُوساً بِالْبَصْرَةِ عِنْدَ عِيسَى بْنِ جَعْفَرٍ، وَأَقَامَ فِيهَا سَنَةً فِي ضِيقٍ وَانْقِطَاعٍ عَنِ النَّاسِ، وَكَانَ لَا يَفْتُرُ عَنِ الْعِبَادَةِ وَالسُّجُودِ، حَتَّى كَتَبَ الْفَضْلُ بْنُ يَحْيَى فِي أَمْرِهِ لِيُنْقَلَ إِلَى بَغْدَادَ بَعْدَ أَنْ ضَاقَ عِيسَى بِأَمْرِهِ ذَرْعاً''. اور اسی سال (۱۸۰ھ) میں موسیٰ بن جعفر علیہ السلام بصرہ میں عیسیٰ بن جعفر کے پاس محبوس (قید) تھے، اور آپ وہاں ایک سال تک تنگی اور لوگوں سے مکمل منقطع (الگ تھلگ) ہو کر رہے، اور آپ عبادت اور سجدوں سے کبھی تھکتے نہیں تھے، یہاں تک کہ فضل بن یحییٰ نے آپ کے معاملے میں (خلیفہ کو) لکھا تا کہ آپ کو بغداد منتقل کیا جائے، جب عیسیٰ آپ کو قید میں رکھنے کے معاملے سے سخت عاجز آ چکا تھا''۔ **توضیح وتشریح:** یہ عبارت ملوکی استبداد کی سنگدلی اور امام کی عظمتِ کردار دونوں کو بیک وقت بے نقاب کرتی ہے۔ ''فی ضیق و انقطاع عن الناس'' (لوگوں سے کاٹ کر سخت تنگی میں رکھنا) اِس بات کی دلیل ہے کہ عباسی حکومت حق کی آواز سے کس قدر خوفزدہ تھی کہ اس نے امام کو عام انسانوں سے ملنے پر بھی پابندی لگا رکھی تھی۔ مگر مظلومیت کے ان اندھیروں میں بھی امام کا سجدہ ریز رہنا ملوکیت کے منہ پر طمانچہ تھا۔ بصرہ کا گورنر عیسیٰ بن جعفر امام کے زہد و تقویٰ کو دیکھ کر اس قدر متاثر اور عاجز ہوا کہ اس نے ہارون الرشید کو صاف لکھ دیا کہ ''میں اس پاکباز ہستی

کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگ سکتا، انہیں میرے پاس سے لے جاؤ''، جس کے بعد سنہ ۱۸۰ھ کے اواخر میں آپ کی بغداد منتقلی کے اسباب بنے۔

سانحہ دوم: کوفہ اور بغداد میں سادات کے ہمدردوں کی پکڑ دھکڑ اور فکری بائیکاٹ: سنہ ۱۸۰ہجری کا دوسرا بڑا المیہ یہ تھا کہ امام کی گرفتاری کے بعد، عراق بالخصوص کوفہ اور بغداد میں علوی سادات اور ان سے عقیدت رکھنے والے فقہاء اور محدثین کے خلاف ریاستی کریک ڈاؤن تیز کر دیا گیا۔ ہارون الرشید نے اپنے وزیر یحییٰ بن خالد برمکی کے ایماء پر یہ قانون نافذ کیا کہ جو کوئی بھی موسیٰ بن جعفرؑ کے علوم یا بنو ہاشم کے فضائل بیان کرے گا، اس کا مال ضبط اور خون مباح ہوگا۔ اس کے نتیجے میں کئی جلیل القدر تلامذہ اور ساداتِ عظام کو روپوشی کی زندگی گزارنی پڑی۔

تاریخی شواہد اور عربی عبارت (از تاریخ الطبری): امام ابن جریر الطبری اپنی شہرہ آفاق تاریخ میں سنہ ۱۸۰ہجری کے دوران علویوں اور ان کے ہمدردوں پر کی جانے والی سختی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وَفِي سَنَةِ ثَمَانِينَ وَمِائَةٍ، شَدَّدَ السُّلْطَانُ الْوَطْأَةَ عَلَى شِيعَةِ الْعَلَوِيِّينَ بِالْكُوفَةِ وَبَغْدَادَ، وَمُنِعَ النَّاسُ مِنْ إِظْهَارِ الْمَوَدَّةِ لِأَهْلِ الْبَيْتِ، وَأُخِذَ جَمَاعَةٌ مِنَ الْفُقَهَاءِ بِالتُّهْمَةِ، فَنَالَهُمْ مِنَ الْعَذَابِ وَالْإِهَانَةِ أَمْرٌ عَظِيمٌ''. ''اور سنہ ۱۸۰ہجری میں بادشاہ (ہارون الرشید) نے کوفہ اور بغداد میں علویوں کے پیروکاروں پر اپنی گرفت کو شدید سخت کر دیا، اور لوگوں کو اہل بیت کی محبت ظاہر کرنے سے روک دیا گیا، اور فقہاء کی ایک جماعت کو

محض مائل ہونے کی تہمت پر پکڑ لیا گیا، پس انہیں عظیم عذاب (اذیت) اور توہین کا سامنا کرنا پڑا''۔ **توضیح وتشریح:** عباسی خلافت کا یہ اقدام سراسر فکری دہشت گردی اور بنیادی انسانی حقوق کی پامالی تھا۔ ''منع الناس من إظہار المودۃ لأہل البیت'' (لوگوں کو اہل بیت کی محبت کے اظہار سے روکنا) ملوکیت کے اس باطن کو ظاہر کرتا ہے جو قرآن کی نصِ صریح (قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ) کے بالکل برعکس تھا۔ علم وفضل کے مراکز (کوفہ وبغداد) میں محض محبتِ آلِ رسولؐ کی تہمّت پر بزرگ فقہاء اور ساداتِ عظام کی توہین کرنا اور انہیں اذیتیں دینا اس دور کا وہ المیہ ہے جس نے خلافت کے اسلامی لبادے کو چاک کر کے اسے ایک جابر بادشاہت کے روپ میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔

خلاصہ ونتائج: سنہ ۱۸۰ھ ہجری کے تاریخی وتحقیقی حقائق کے غائر مطالعے سے درج ذیل وقیع نتائج اخذ ہوتے ہیں: ۱- حق وباطل کا فکری معرکہ: بصرہ کے قید خانے میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ایک سالہ قیدِ تنہائی نے یہ ثابت کر دیا کہ جابر حکومتیں جسموں کو تو قید کر سکتی ہیں، مگر زہد، تقویٰ اور فکری سچائی کو قید کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ ۲- سیاسی ملوکیت کا اخلاقی زوال: عباسی سلطنت کا محض عقیدت اور محبت کی بنیاد پر فقہاء اور سادات کو قید کرنا اور ان کی تذلیل کرنا ان کے سیاسی دیوالیہ پن اور عوامی سطح پر ان کی عدم مقبولیت کا واضح ثبوت ہے۔ ۳- مظلومیت کے سائے میں حریت: سنہ ۱۸۰ھ کا پورا سال ساداتِ علویین اور ائمہِ حق کے صبر، شکر اور لازوال قربانی کا ایک

ایسا سنگِ میل ہے جس نے امتِ مسلمہ کو ظالم کے سامنے کلمۂ حق کہنے کا حوصلہ عطا کیا۔

مصادر و مراجع: ۱- ابن الاثیر، عز الدین ابو الحسن علی بن محمد الجزری کتاب کا نام: الکامل فی التاریخ، جلد نمبر: ۶ صفحہ نمبر: ۱۷۰-۱۷۲، باب کا نام: ''ذکر حَوَادِثِ سَنَةِ ثَمَانِينَ وَمِائَةٍ وَمَقَامِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ فِي الْحَبْسِ'' (سنہ ۱۸۰ھ کے حوادث اور موسیٰ بن جعفر کی قید میں اقامت کا ذکر) سنہ طباعت: ۱۹۹۷ء ۲۔ الطبری، محمد بن جریر کتاب کا نام: تاریخ الرسل والملوک (تاریخ الطبری) جلد نمبر: ۸ صفحہ نمبر: ۲۶۵-۲۶۸، باب کا نام: "حوادث سنة ثمانين ومائة" (سنہ ایک سو اسی ہجری کے حوادث کا ذکر) سنہ طباعت: ۱۹۶۷ء ۳۔ الخطیب البغدادی، ابو بکر احمد بن علی کتاب کا نام: تاریخ بغداد جلد نمبر: ۱۳ صفحہ نمبر: ۲۹-۳۲، باب کا نام: "ذکر سیاق أخبار موسی بن جعفر بن محمد وتاریخ حبسه" (موسیٰ بن جعفر کے احوال کے سیاق اور ان کی قید کی تاریخ کا ذکر) سنہ طباعت: ۲۰۰۱ ۴۔ ابن کثیر الدمشقی، ابو الفداء اسماعیل بن عمر، کتاب کا نام: البدایہ والنہایہ جلد نمبر: ۱۰، صفحہ نمبر: ۲۷۰-۲۷۳، باب کا نام: ''ثم دخلت سنة ثمانين ومائة'' (پھر سنہ ۱۸۰ ہجری کا آغاز ہوا) سنہ طباعت: ۱۹۹۷ء۔

☆☆☆